زن، زر اور زمین کے تنازعوں میں جنم لینے والے مقدمات
کم ظرف
مرزا امجد بیگ (ایڈووکیٹ)
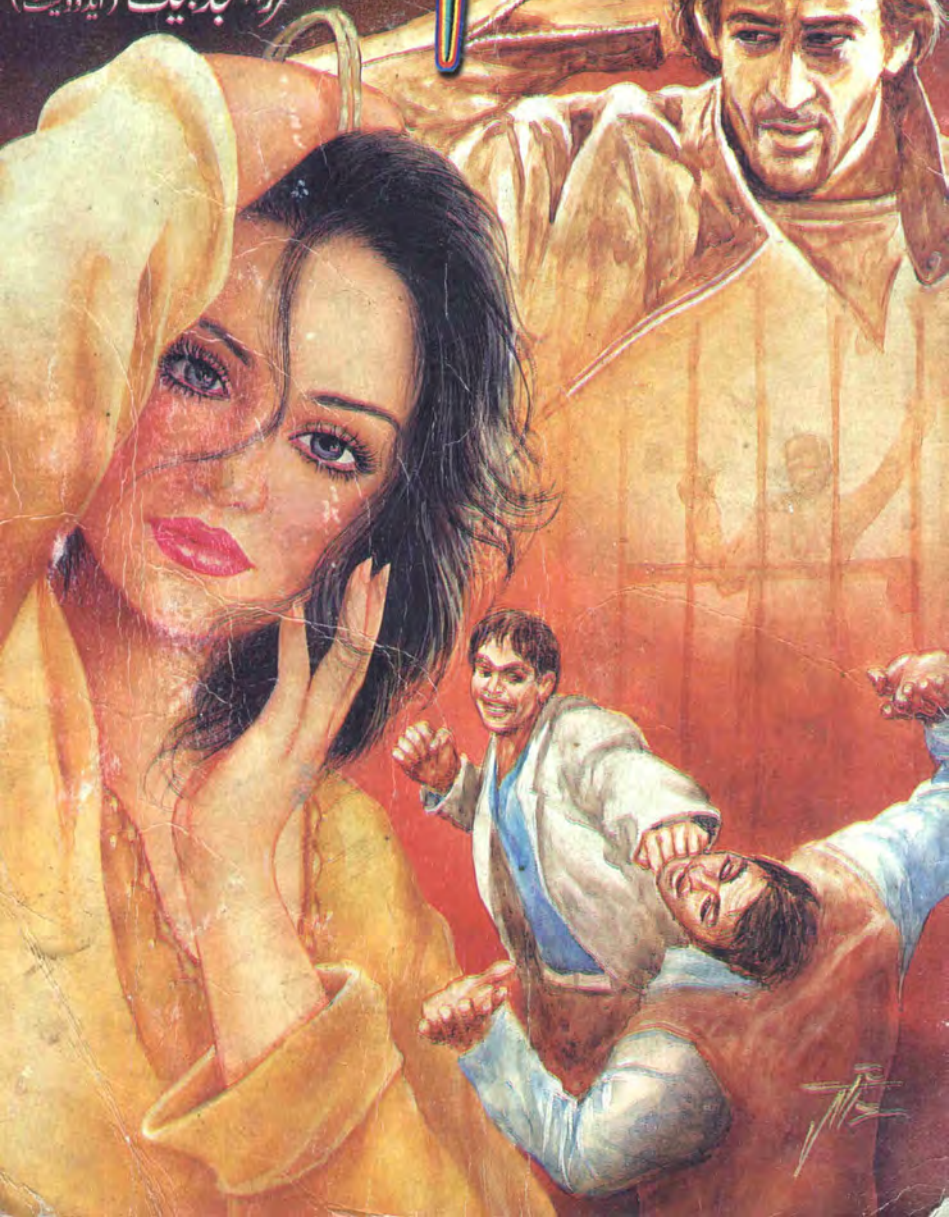
ترتیب

اُس روز کسی عدالت میں میرا کوئی کیس زیرِ سماعت نہیں تھا لہٰذا میں گھر سے تیار ہو کر سیدھا دفتر پہنچا اور پھر وہیں ڈیرا جما کر بیٹھ گیا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے، وہ چار مئی کا ایک روشن اور گرم دن تھا۔

لگ بھگ ساڑھے دس بجے میری سیکرٹری نے مجھے بتایا کہ کوئی خاتون مجھ سے ملنے آئی ہے۔ میں اس وقت اپنے چیمبر میں اکیلا ہی بیٹھا تھا۔ میں نے انٹرکام پر سیکرٹری سے کہہ دیا۔

''ٹھیک ہے......ان خاتون کو میرے پاس بھیج دو۔''

تھوڑی دیر بعد مذکورہ خاتون میرے سامنے موجود تھی۔ میں نے اس کے سلام کا جواب دیا اور پیشہ ورانہ مسکراہٹ کے ساتھ کرسی پیش کی۔ وہ میرے اشارے کی تقلید میں ایک کرسی کھینچ کر بیٹھتے ہوئے شائستگی سے بولی۔

''تھینک یو!''

اس کے لب و لہجے سے میں نے فوراً اندازہ لگا لیا وہ تعلیم یافتہ اور مہذب خاتون تھی۔ پہناوے میں بھی ایک خاص قسم کا سلیقہ پایا جاتا تھا۔ وہ بلاشبہ ایک خوب صورت اور جامہ زیب عورت تھی۔ اس کی عمر کا اندازہ میں نے تیس بتیس کے قریب لگایا۔ میں اس سے پہلی مرتبہ مل رہا تھا۔

میں نے سوالیہ نظر سے اسے دیکھا اور کہا۔ ''جی فرمایئے، میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟''

بات ختم کرتے ہی میں نے رف پیڈ اور قلم سنبھال لیا پھر اس عورت کی جانب متوجہ ہو گیا۔

میرے سوال کے جواب میں چند لمحات تک خاموش رہنے کے بعد وہ بولی۔ ''مجھے اپنے شوہر سے نجات چاہیے۔ آپ مجھے عدالت سے خلع دلوا دیں وکیل صاحب!''

''مجھے اس کی براہِ راست فرمائش سن کر حیرت ہوئی۔ ''آپ مجھے پڑھی لکھی اور سمجھدار

خاتون نظر آتی ہیں۔'' میں نے کہا۔ ''آپ کی زبان سے خلع کا مطالبہ تو یہی ظاہر کرتا ہے کہ آپ کا شوہر کسی بھی صورت طلاق دینے کو تیار نہیں۔''

وہ تائیدی انداز میں بولی۔ ''آپ بالکل بجا فرماتے ہیں۔ میرا شوہر سخت کمینہ اور آوارہ ہے۔ وہ طلاق دے کر مہر کی رقم نہیں گنوانا چاہتا۔ ازیں علاوہ طلاق دینے میں اس کی سراسر شکست ہوگی۔ وہ اپنی بیٹی سے ہاتھ دھو بیٹھے گا جو ان حالات میں بھی پوری طرح میری حمایتی ہے...... اور طلاق کے بعد تو وہ باپ کی کھلی دشمن بن جائے گی۔''

میں سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ معاملہ خاصا گمبھیر تھا۔

''آپ کی بات سے میں نے اندازہ لگایا ہے، آپ کی ایک ہی بیٹی ہے۔'' میں نے سوالیہ نظر سے اسے دیکھا۔

اس نے اثبات میں گردن ہلا دی۔ میں نے پوچھا۔ ''آپ کی بیٹی کی عمر کیا ہے؟''

''چودہ سال۔'' اس نے بتایا۔ ''وہ میٹرک میں ہے۔''

''اس کا مطلب ہے، آپ کی شادی بہت کم عمری میں ہوگئی تھی؟''

''نہیں، ایسی تو کوئی بات نہیں۔'' اس نے حیرت سے مجھے دیکھا۔

وہ مجھے تیس بتیس کی نظر آرہی تھی۔ اس کی بیٹی اگر چودہ سال کی تھی تو پھر یہی کہا جا سکتا تھا کہ اس کی شادی پندرہ سال کی عمر میں ہوگئی ہوگی۔ اس کی حیرت نے مجھے سوچنے پر مجبور کر دیا اور میں استفسار کئے بنا نہ رہ سکا۔

''آپ کی عمر اس وقت کیا ہوگی؟''

''چالیس سال۔''

میں سٹ پٹا کر رہ گیا۔ اس سٹ پٹاہٹ میں خفیف سی جھینپ بھی شامل تھی۔ میرا اندازہ یکسر غلط ثابت ہوا تھا۔ وہ عورت اپنی عمر سے بہت کم دکھائی دیتی تھی۔ اس کا یہی مطلب تھا اس نے اپنی رعنائی اور توانائی کو بڑے طریقے سلیقے سے سنبھال رکھا تھا۔

میں نے ستائشی نظر سے اسے دیکھا اور قدرے خجالت آمیز انداز میں کہا۔

''آپ کسی بھی صورت بتیس سے زیادہ کی نہیں لگتیں۔''

وہ بے پروائی سے بولی۔ ''اکثر لوگ میری عمر کے بارے میں دھوکا کھا جاتے ہیں۔ میرے لیے اب یہ ردِ عمل اچنبھک نہیں رہا۔ بہرحال جو حقیقت ہے...... سو ہے۔ اس تذکرے کو چھوڑیں اور کام کی بات کریں۔''

اس کا دوٹوک انداز دیکھ کر میں نے مزید کچھ نہیں کہا اور کام کی بات پر آ گیا۔

''آپ کا مہر کتنا ہے؟''

''پانچ لاکھ روپیہ سکہ رائج الوقت۔'' اس نے جواباً بتایا۔

پانچ لاکھ روپے خاصی بڑی رقم تھی۔ اس کا مطلب یہی تھا اس کا شوہر صاحب ثروت اور صاحب حیثیت شخص تھا۔ اسی حوالے سے میں نے اس سے پوچھ لیا۔

''آپ کے شوہر کرتے کیا ہیں؟''

''وہ ایک معروف ٹی وی پروڈیوسر ہیں۔''

''اوہ!'' میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

میرے سامنے بیٹھی ہوئی اس عورت نے اپنے پروڈیوسر شوہر کا جو نام بتایا، میں اس سے واقف تھا۔ میں نے پیڈ پر چند نوٹس لینے کے بعد اس سے کہا۔

''آپ کو معلوم ہے، خلع کی صورت میں آپ کو مہر کی رقم چھوڑنا ہوگی؟''

''جی، میں یہ بات جانتی ہوں۔'' وہ مضبوط لہجے میں بولی۔ ''مجھے ایک پیسہ نہیں چاہئے۔ میں مہر کے علاوہ دیگر حقوق بھی چھوڑنے کو تیار ہوں۔ اگر اس خبیث شخص سے میری جان چھوٹ جائے تو میں اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کروں گی۔''

وہ باتوں سے اپنے شوہر سے بے حد بیزار اور اُکتائی ہوئی نظر آتی تھی۔ میں نے ایک اہم نکتے کی جانب اس کی توجہ مبذول کرائی۔

''محترمہ! آپ نے تھوڑی دیر پہلے مجھے بتایا ہے کہ آپ کی چودہ سالہ بیٹی مکمل طور پر آپ کی فیور میں ہے، اس سے تو یہی لگتا ہے، خلع کے بعد وہ آپ کے ساتھ رہے گی۔''

''میں اپنی بیٹی کے بہتر مستقبل کی خاطر ہی تو یہ فیصلہ کرنے پر مجبور ہوئی ہوں۔''

میری سمجھ میں فوری طور پر کوئی بات نہ آسکی کہ ایک امیر و کبیر باپ کے سائے میں بیٹی کا مستقبل کیوں کر مخدوش ہو سکتا تھا۔ میں نے اپنی ذہنی الجھن دور کرنے کی خاطر اس سے پوچھا۔

''اگر آپ کو کوئی اعتراض نہ ہو تو میں یہ جاننا چاہوں گا، ایک معروف اور صاحب ثروت باپ کی سرپرستی میں کسی بیٹی کے مستقبل کو کیا خطرات لاحق ہو سکتے ہیں؟''

''مجھے بتانے میں کوئی اعتراض نہیں۔'' وہ گہری سنجیدگی سے بولی۔ ''لیکن کیا خلع لینے کے لئے اس کی تفصیل میں جانا ضروری ہے؟''

اس کے استفسار کے جواب میں، میں نے کہا۔ ''انتہائی ضروری تو نہیں تاہم اگر آپ عدالت میں اس معاملے کی ٹھوس وجوہات پیش کریں گی تو بڑی آسانی سے ڈگری آپ کے

حق میں ہو جائے گی۔''

''میرے خیال میں اگر کوئی عورت اپنے شوہر کے ساتھ نہ رہنا چاہتی ہو اور عدالت کے روبرو اپنے اس فیصلے کا برملا اعلان کر دے تو ڈگری کے سلسلے میں عدالت اس سے زیادہ جرح و بحث نہیں کرتی۔ عورت اپنے تمام حقوق اور مہر کی رقم سے دست بردار ہو کر کسی بھی وقت خلع حاصل کر سکتی ہے۔''

اس کی معلومات حیرت انگیز تھیں۔ میں نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ''آپ بالکل بجا فرماتی ہیں۔ لگتا ہے آپ نے میرے پاس آنے سے پہلے عائلی قوانین کا بڑی توجہ سے مطالعہ کیا ہے۔''

اس نے میری بات کا جواب نہیں دیا اور متانت سے بولی۔ ''وکیل صاحب! اگرچہ ضروری نہیں لیکن میں پھر بھی آپ کو تفصیلات سے ضرور آگاہ کروں گی۔ میرے خیال میں وکیل اور ڈاکٹر سے پوری طرح فیض یاب ہونے کے لئے سب کچھ کھول کر بیان کرنا چاہئے۔''

میں ہمہ تن گوش ہو گیا۔

چند لمحات تک خاموش رہنے کے بعد وہ نہایت ہی ٹھہرے ہوئے لہجے میں بتانے لگی کہ اس کا ٹی وی پروڈیوسر شوہر ایک اوباش اور بدکردار شخص تھا۔ عورتوں کے معاملے میں اس کی شہرت انتہائی داغدار تھی۔ اس کا عالی شان دفتر ہر وقت، شوبز میں آنے کی شائق عورتوں اور لڑکیوں سے بھرا رہتا تھا۔ وہ ہر خوبصورت اور قبول صورت صنف نازک سے وعدہ کر لیتا کہ آئندہ سیریل میں وہ اسے کاسٹ کر لے گا مگر یہ آئندہ کبھی نہ آتا۔ وہ بے وقوف اور اندھی لڑکیاں اپنا مستقبل سنوارنے کے لئے اس کے ہاتھ کھلونا بن جاتیں، ہر جائز ناجائز بات آنکھیں بند کر کے مان لیتیں۔ انہیں مطلق یہ ہوش نہ رہتا کہ وہ اپنا مستقبل تابناک بنانے کے چکر میں ماضی اور حال کو تاریک کر رہی ہیں۔ یہ تو شہرت اور دولت کے اونچے خواب دیکھنے والی لڑکیوں اور عورتوں کا قصہ تھا، اس کے علاوہ ہائی کلاس پیشہ ور عورتوں سے پروڈیوسر کے جو مراسم تھے وہ شرم ناک کہانیاں ناقابل بیان تھیں۔

اس نے مجھے بتایا کہ وہ اپنے شوہر کو سمجھانے اور سدھارنے کی ہر کوشش کر چکی ہے اور اس میں بری طرح ناکام بھی رہی ہے۔ تنگ آ کر اس نے فیصلہ کیا ہے ایسے بدقماش اور برے شوہر سے الگ ہو جانا ہی بہتر ہے۔ اس کے مطابق یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ اسے طلاق دے لہٰذا وہ خلع کے لئے میرے پاس آئی تھی۔

میاں بیوی کا رشتہ اتنا نازک اور حساس ہوتا ہے کہ اس بندھن کو ٹوٹنے سے بچانے کی ہر ممکن کوشش کرنا چاہئے اور خاص طور پر جب بیچ میں اولاد بھی ہو۔ میں نے اپنی ذمہ داری نبھاتے ہوئے اسے ایک معقول مشورہ دیا۔

''خاتون! آپ کی باتوں اور حالات سے میں نے اندازہ لگا لیا ہے، آپ اور آپ کی نوجوان بیٹی کسی بھی طور اس شخص کے ساتھ رہنے کو تیار نہیں ہیں۔ اس مسئلے کو طلاق یا خلع کے بغیر بھی تو حل کیا جا سکتا ہے۔''

''وہ کیسے؟'' اس نے سوالیہ نظر سے مجھے دیکھا۔

میں نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔ ''علیحدگی اختیار کر کے۔''

''آپ کا مطلب ہے، سپریشن؟''

''جی، میرا یہی مطلب ہے۔''

''سپریشن اس مسئلے کا لنگڑا حل ہے۔''

میں نے کہا۔ ''جب میاں بیوی کے درمیان اولاد موجود ہو تو انہیں کوئی بھی فیصلہ کرتے وقت اپنی خواہش اور مقصد سے زیادہ اولاد کے مستقبل کا خیال کرنا چاہئے ورنہ بچوں کی شخصیت تباہ ہو کر رہ جاتی ہے۔ وہ احساسِ محرومی کے ساتھ ساتھ احساسِ کمتری کا بھی شکار ہو جاتے ہیں۔ بچوں کو ماں اور باپ دونوں کی ضرورت ہوتی ہے چاہے وہ کسی بھی قماش اور کردار کے ہوں۔ آپ ایک مرتبہ پھر اپنے فیصلے پر نظر ثانی کر لیں۔''

''ہزار بار کے غور وفکر کے بعد ہی میں اس فیصلے پر پہنچی ہوں۔'' وہ قطعیت سے بولی۔ ''میرے مسئلے کا حل اس کے سوا اور کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔ اور ...... آپ کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ میں اپنی بیٹی کے مستقبل کو بچانے کے لئے اس انتہائی فیصلے تک پہنچی ہوں ورنہ میں تو جیسے تیسے اس بدفطرت کے ساتھ گزارہ کر ہی رہی تھی۔ پچھلے ایک ماہ میں پے در پے ایسے واقعات پیش آئے ہیں کہ اب اس منحوس شخص کو اپنی زندگی سے نکال باہر پھینکنے کے سوا کوئی چارہ نہیں رہا۔ ایک افسوس ناک واقعہ آپ بھی سن لیں اور ایمانداری سے بتائیں، کیا میں کچھ غلط کرنے جا رہی ہوں؟''

وہ اتنا کہہ کر خاموش ہو گئی۔ میں بڑی توجہ اور دلچسپی سے اس کے دوبارہ بولنے کا انتظار کرنے لگا۔ اس کے چہرے کے تاثرات سے اندازہ ہوتا تھا وہ کوئی سنسنی خیز انکشاف کرنے والی تھی۔ چند لمحات تک چپ رہنے کے بعد اس نے بولنا شروع کیا۔

''میری بیٹی کی ایک کلاس فیلو ہے جو اس کی ہم عمر بھی ہے۔ اس لڑکی کی صحت اور کاٹھی

ماشاء اللہ بہت اچھی ہے۔ چودہ پندرہ کی ہوتے ہوئے اُنیس بیس کی نظر آتی ہے۔ میری بیٹی کی اس کلاس فیلو کو ڈراموں میں کام کرنے کا بہت شوق ہے۔ شکل صورت کی بھی خوب ہے۔ اس نے میری بیٹی سے اپنی خواہش کا اظہار کیا۔ میری بیٹی نے اس لڑکی سے وعدہ کیا کہ وہ اپنے پروڈیوسر باپ سے بات کرے گی، بلکہ اس کی سفارش بھی کرے گی۔"

وہ چند لمحات کو سانس لینے کے لئے رُکی، پھر سلسلۂ کلام کو جاری رکھتے ہوئے بتانے لگی۔ "میرے شوہر نے بیٹی کی فرمائش پر اس لڑکی کا ایک طویل انٹرویو کیا۔ اس ملاقات کے اختتام پر وہ اس لڑکی کو ایک نئی ڈراما سیریل میں کو اسٹار کے طور پر کاسٹ کرنے کے لئے تیار ہو گیا اور کہا کہ وہ آئندہ روز آڈیشن کے لئے آ جائے۔ میرے شوہر نے اس لڑکی کو اپنے سٹوڈیوز میں بلا لیا تھا۔ وکیل صاحب! اگلے روز جب وہ لڑکی اسٹوڈیو پہنچی تو جانتے ہیں اس کے ساتھ کیا ہوا......؟"

اچانک خاموش ہو کر اس نے سوالیہ نظر سے مجھے دیکھا۔ میں چونکہ نہیں جانتا تھا لہٰذا چپ بیٹھا اس کے بولنے کا انتظار کرتا رہا۔

وہ انکشاف انگیز لہجے میں بولی۔ "آڈیشن کے نام پر میرے شوہر نے اس سے بدتمیزی کی کوشش کی۔ وہ اسے ایک بے باک فوٹو سیشن کے لئے مجبور کرنے لگا۔ اس شیطان کو یہ بھی احساس نہ ہوا کہ وہ لڑکی اس کی بیٹی کی کلاس فیلو ہے...... بالکل اس کی بیٹی کی طرح معصوم اور نوعمر ہے۔ مگر شیطان، اپنے شیطانی منصوبوں کے لئے اخلاقیات کے یہ پیمانے ساتھ لئے نہیں پھرتا۔ اسے صرف اپنے مقصد سے غرض ہوتی ہے، اس کی کوئی بیٹی یا بہن نہیں ہوتی۔"

وہ ایک مرتبہ پھر بولتے بولتے رک گئی۔ اس کی آواز بوجھل اور گھائل تھی۔ چند لمحات کے توقف کے بعد اس نے نہایت ہی تلخی سے مجھے بتایا۔

"وہ لڑکی اس بدطینت شخص کو اپنی دوست کا باپ سمجھ کر بے فکری سے آڈیشن دینے پہنچ گئی تھی مگر جب اس نے اپنے سے چار گنا بڑی عمر کے پروڈیوسر کے لچھن دیکھے تو بدک گئی۔ صنفِ نازک میں قدرت نے بے پناہ حساسیت رکھی ہے۔ وہ لڑکی پلک جھپکتے میں اس ہوس پرست پروڈیوسر کے عزائم کو بھانپ گئی اور فوری طور پر اس نے اپنا فیصلہ سنا دیا۔ اس نے نہایت ہی سہمے ہوئے انداز میں میرے شوہر، جسے شوہر کہتے ہوئے مجھے ندامت محسوس ہو رہی ہے، سے کہا کہ کسی آڈیشن یا فوٹو سیشن کی ضرورت نہیں۔ وہ ٹی وی پر کام کرنے کے ارادے سے باز آئی۔ اس پر میرے شوہر کو محسوس ہوا کہ ہاتھ آیا ہوا شکار نکلا جا رہا ہے تو اس

نے فوراً اپنا انداز بدل لیا۔ منجھے ہوئے اداکاروں کو شوٹ کرتے کرتے اسے بھی اچھی خاصی ایکٹنگ آ گئی تھی۔ وہ فوراً "بیٹی، بیٹی" کہہ کر اس لڑکی کو شوبز کی نزاکتیں بتانے لگا۔ وہ لڑکی بری طرح ہتھے سے اُکھڑ چکی تھی لہٰذا اس کے دامِ فریب میں نہ آئی اور ایک ہی مطالبہ اس کی زبان پر سج گیا...... اسے واپس جانا ہے۔ وہ ٹی وی ڈراموں میں ہرگز کام نہیں کرے گی۔"

وہ ایک لمحے کو خاموش ہوئی، پھر بولی۔ "دوسرے روز اس لڑکی نے میری بیٹی کو اس کے باپ کے مکروہ عزائم اور کالے کرتوتوں کی کہانی سنائی تو بیٹی کے ساتھ ساتھ میری گردن بھی شرمندگی سے جھک گئی۔ بہرحال میں نے کسی طرح سمجھا بجھا کر اس لڑکی کو شانت کر دیا اور اس سے وعدہ لیا کہ وہ اس افسوس ناک واقعے کا ذکر کسی سے نہیں کرے گی۔ یہ تو ایک واقعہ ہے۔ ایسے ہی پتہ نہیں کتنے شرم ناک کھیل روزانہ اس کے سٹوڈیوز میں کھیلے جاتے ہیں۔ پیشہ ور عورتوں کی تو بات ہی الگ ہے لیکن میری بیٹی کی دوست جیسی معصوم لڑکی کے ساتھ تو اسے ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا۔ اب آپ ہی بتائیں اس منہ کی کالک کے ساتھ ہم کس طرح رہ سکتے ہیں؟"

اس عورت کا معاملہ واقعی بہت گمبھیر تھا۔ میں نے اس کے سوال کا جواب دینے کی بجائے اس سے پوچھا۔ "کیا آپ نے اس سلسلے میں اپنے شوہر سے استفسار کیا تھا؟"

"جی ہاں......" اس نے اثبات میں گردن ہلائی۔ "اگر میری بیٹی کی کلاس فیلو کا معاملہ نہ ہوتا تو شاید میں اس منحوس کے منہ نہ لگتی لیکن اس استفسار پر شرمندہ یا خجل ہونے کی بجائے اس نے بڑا ڈپلومیٹک جواب دیا۔"

"اس نے کیا کہا تھا؟" میں نے اسے کریدا۔

وہ بولی۔ "میرے شوہر نے بے پروائی سے کہا کہ اس لڑکی کو یقیناً کوئی غلط فہمی ہو گئی ہے حالانکہ وہ اس کے لئے بدنیت نہیں تھا۔ پھر وہ کندھے اچکاتے ہوئے بولا۔

"بھئی شوبز کی دنیا کے اپنے کچھ تقاضے ہیں۔ میں بہت معیاری پروڈیوسر ہوں، ٹیسٹ اور میرٹ پر کام کرتا ہوں۔ اگر ایسے ہی ہما شما کو بھرتی کرنے لگوں تو میرا اسٹوڈیو بھڑ کا چھتا بن جائے۔"

وہ ذرا سا متوقف ہوئی، پھر گفتگو کو آگے بڑھاتے ہوئے بولی۔ "اس واقعے کے بعد سے ہم ماں بیٹی اپنی ہی نظروں میں گر گئے ہیں۔ اس معصوم لڑکی اور اس کے گھر والوں سے آنکھ ملا کر بات کرنے کی ہم میں جرأت نہیں رہی۔ حالانکہ اس سے پہلے ہمارے درمیان

فیملی ٹرمز تھے۔"

میں نے اس کی بپتا پوری توجہ سے سنی، اس کے حالات پر غور وفکر کیا اور ایک طویل سانس خارج کرتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے...... میں آپ کی طرف سے خلع کا کیس دائر کر دیتا ہوں۔"

"آپ کو اس سلسلے میں میرے جیسے بھی تعاون کی ضرورت ہو، بتا دیں۔" اس نے کہا۔

میں نے اسے چند ضروری ہدایات دیں، اس کے کوائف اپنے پاس نوٹ کئے اور اپنی فیس کے بارے میں اسے بتا دیا۔ اس کے ساتھ ہی یہ وضاحت بھی کر دی کہ دیگر عدالتی اخراجات اس کے علاوہ ہوں گے۔"

اس نے بھاری فیس کی رقم پر چیں بہ جبیں ہوئے بغیر پرس کھول کر مذکورہ رقم میرے حوالے کر دی اور پوچھا۔ "میں کب آپ کے پاس حاضر ہو جاؤں؟"

میں نے کہا۔ "آپ کل شام میں آ جائیں، میں آج ہی کاغذات تیار کرا لوں گا۔ آپ کو بعض مقامات پر دستخط کرنا ہوں گے۔ انشاء اللہ پرسوں میں آپ کی خلع کا کیس عائلی عدالت میں دائر کروں گا۔"

"میرا خیال ہے، اس نوعیت کے مقدمات زیادہ طول نہیں کھینچتے۔"

"آپ کا خیال بالکل درست ہے۔" میں نے تائیدی انداز میں کہا۔ "یہ کیس زیادہ سے زیادہ دو پیشیوں کی مار ہے۔ مقدمہ دائر کرنے کے بعد عدالت آپ کے شوہر کے نام سمن برائے طلبی روانہ کر دے گی۔ جس کے جواب میں آپ کا شوہر عدالت میں حاضر ہو گا۔ اگر آپ اپنے موقف پر ڈٹی رہیں اور کسی بھی صورت شوہر کے ساتھ رہنے کو تیار نہ ہوئیں تو اسی پیشی پر یا آئندہ پیشی پر عدالت آپ کے حق میں فیصلہ دے دے گی۔ پاکستان پینل کوڈ کی رو سے کوئی بھی شوہر اپنی بیوی کی مرضی کے بغیر زبردستی اسے اپنی منکوحہ بنا کر نہیں رکھ سکتا۔ جو بیوی بھی اس سلسلے میں کسی عدالت کا دروازہ کھٹکھٹاتی ہے، اس کی شنوائی ضرور ہوتی ہے۔ یہ الگ بات ہے......" میں نے سانس لینے کی خاطر تھوڑا توقف کیا اور کہا۔ "...... کہ عدالت فریقین کو اپنے تئیں سمجھانے کی پوری کوشش کرتی ہے۔ اگر وہ اس کوشش میں ناکامیاب رہے تو پھر خلع کی درخواست پر کارروائی کرتے ہوئے بیوی کے مطالبے کے حق میں فیصلہ صادر کر دیا جاتا ہے۔ اس صورت میں بیوی کو اپنے بہت سے مالی فائدوں سے دست کش ہونا پڑتا ہے۔"

"جہنم میں جائیں ایسے مالی فوائد جن کی موجودگی میں انسان کی زندگی نمونۂ جہنم بن

جائے۔" وہ تلخی سے بولی۔ "ہم اس لعین کے سائے سے نکل جائیں تو اللہ کا شکر ادا کریں گے۔ روکھی سوکھی کھا کر گزارہ کر لیں گے لیکن......"

میں نے نہایت ہی سنجیدہ لہجے میں سوال کیا۔ "کیا آپ کی بیٹی بھی اپنے باپ سے اسی قدر نفرت کرتی ہے جیسا کہ آپ اپنے شوہر سے؟"

"مجھ سے بھی کچھ زیادہ ہی۔" وہ ترشی سے بولی۔ "اس کی کلاس فیلو والے واقعے کے بعد سے تو وہ باپ کی شکل دیکھنے کی روادار نہیں رہی۔"

میں نے اس کی کسیلی اور زہر میں بجھی ہوئی باتوں سے اندازہ لگایا کہ بیٹی کے دل میں باپ کے لئے پیدا ہونے والی نفرت میں ماں کا بھی کچھ نہ کچھ ہاتھ ضرور تھا۔ جن گھروں میں میاں بیوی کے درمیان تلخیوں اور رنجشوں کا تبادلہ شام وسحر ہوتا رہے وہاں اولاد کا ذہن اور سوچ بری طرح متاثر ہوتی ہے۔ اور یہ بات بھی دیکھنے میں آئی ہے کہ ایسے معاملات میں ننانوے فیصد اولاد کی ہمدردیاں ماں کے ساتھ ہوتی ہیں۔ باپ کو وہ ظالم، سفاک اور قصور وار سمجھتے ہیں۔ ٹی وی پروڈیوسر کا کردار اپنی جگہ لیکن میرا خیال تھا اس کی بیوی اپنی بیٹی کے سامنے گھر میں جو زہر اُگلتی رہتی ہو گی، اس نے بھی بیٹی کو باپ کی طرف سے متنفر کیا ہو گا۔ بہر حال میں نے اِتمام حجت ضروری جانا اور خاتون سے پوچھا۔

"آپ کے دل میں اپنے شوہر کے لئے شمہ بھر گنجائش نظر نہیں آتی۔ آپ کا کیا خیال ہے کچھ عرصے بعد...... دو چار ماہ یا ایک آدھ سال کے بعد بیٹی کو باپ کی یاد نہیں آئے گی، وہ اس کی ضرورت محسوس نہیں کرے گی؟"

وہ مضبوط لہجے میں بولی۔ "میرے خیال میں ایسا نہیں ہو گا۔"

"آپ ایک غیر فطری بات کر رہی ہیں۔"

"بات دراصل یہ ہے کہ میں نے اپنی بیٹی کو ماں اور باپ بن کر پالا ہے۔" وہ وضاحت کرتے ہوئے بولی۔ "ہماری زندگی میں اس کے باپ کا صرف اتنا حصہ ہے کہ وہ معاشی طور پر ہمیں بھرپور سیٹ کرتا رہا ہے لیکن وکیل صاحب! پیسہ ہی تو سب کچھ نہیں ہوتا نا۔ ایک بیٹی کو باپ اور بیوی کو شوہر کی بھی ضرورت ہوتی ہے جو ان کی خوشی غمی کو شیئر کرے، ان کے ساتھ بیٹھ کر اپنے مسائل ڈسکس کرے، انہیں اپنا سمجھے، ان کے قریب آئے اور انہیں اپنے نزدیک آنے کا موقع فراہم کرے۔ ہمیں تو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے ہم نے پوری زندگی پیسہ کمانے والی ایک مشین کے ساتھ گزار دی ہے۔ اسے اپنی غیر نصابی سرگرمیوں سے فرصت نہیں، ہمارے نصابی حقوق کہاں پورے کرے گا لہٰذا......"

وہ جملہ نامکمل چھوڑ کر ذرا متوقف ہوئی، پھر بات کو آگے بڑھاتے ہوئے بولی۔ ''میں مانتی ہوں میں نے واقعی ایک غیر فطری بات کی ہے لیکن ہمارے حالات کی روشنی میں یہ عین فطری ہو جاتی ہے۔ ہم ان حالات کے عادی ہو چکے ہیں۔ اس شخص کی طرف سے ملنے والی بے اعتنائی اور کج ادائی ہماری سوچ، ہمارے احساس کا حصہ بن چکی ہے۔ یہ رویہ ہماری پختہ عادت کی صورت اختیار کر چکا ہے اور...... انسان کی کوئی بھی پختہ عادت اس کی فطرتِ ثانیہ بن جاتی ہے۔''

''کیا آپ نے انسانی نفسیات اور فلسفہ بھی پڑھ رکھا ہے؟''

''تجربات انسان کو سب کچھ سکھا دیتے ہیں۔'' وہ تلخی سے بولی۔ ''رہی سہی کسر حالات پوری کر دیتے ہیں۔''

''آپ کے فیصلے کی قطعیت تو بتا رہی ہے کہ آپ نے اپنی متبادل رہائش کا کوئی بندوبست کر لیا ہے۔ کیونکہ خلع کا مقدمہ دائر کرنے کے بعد اس شخص کے گھر میں رہنے کا کوئی منطقی جواز باقی نہیں رہتا۔'' میں نے پُرسوچ لہجے میں کہا۔

''ہاں...... دو چار دن میں اپنی علیحدہ رہائش کا انتظام کر لوں گی۔'' اس نے گہری سنجیدگی سے کہا۔

میں نے برسبیل تذکرہ پوچھ لیا۔ ''خلع کے بعد آپ کی گزر اوقات کا وسیلہ کیا ہوگا؟''

''میرے ذاتی بینک اکاؤنٹ میں اچھی خاصی رقم موجود ہے۔'' اس نے بتایا۔ ''چھوٹی موٹی اور مناسب سی رہائش کی خریداری کے بعد لاکھ، ڈیڑھ لاکھ بچ ہی جائیں گے۔ ویسے مستقبل میں میرا ارادہ پریکٹس کرنے کا ہے۔''

میں نے چونک کر اسے دیکھا اور پوچھا۔ ''کیا آپ ڈاکٹر ہیں؟''

میرے سوال کے جواب میں اس نے بتایا۔ ''میڈیکل سے میرا دور کا بھی واسطہ نہیں۔ میں وکالت کی پریکٹس کروں گی۔''

''وکالت......؟'' میں نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔

''ہاں، انسان کو جو آتا ہو، وہ وہی کرتا ہے۔'' وہ سنجیدگی سے بولی۔

میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ''کیا آپ نے قانون پڑھ رکھا ہے؟''

''کسی زمانے میں، میں نے ایل ایل بی کیا تھا۔'' وہ خیال افروز لہجے میں بولی۔ ''پھر میری شادی ہو گئی۔''

اس کا انداز چغلی کھا رہا تھا کہ شادی کے بعد شوہر نے وکالت کی پریکٹس کی اجازت نہیں دی ہوگی۔ میں نے تصدیق کی خاطر اسے کریدا۔

''ایل ایل بی کرنے کے بعد آپ نے عملی زندگی میں قدم کیوں نہیں رکھا؟''

''رکھا تھا۔'' وہ ایک گہری سانس لیتے ہوئے بولی۔ ''ایک بہت کامیاب وکیل صاحب کی اسسٹنٹ کے طور پر میں نے اپنے کیریئر کا آغاز کیا تھا۔ کئی روز تک فائلیں اٹھا اٹھا کر ان وکیل صاحب کے پیچھے ایک عدالت سے دوسری عدالت میں گھومتی پھری...... اور پھر میری شادی ہو گئی۔''

یہ جملہ اس نے دوسری مرتبہ ادا کیا تھا۔ میں پوچھے بغیر نہ رہ سکا۔

''آپ کی باتوں سے ظاہر ہوتا ہے شادی کے بعد شوہر نے وکالت کی اجازت نہیں دی تھی۔''

''آپ کا اندازہ بالکل درست ہے وکیل صاحب!'' وہ تائیدی انداز میں گردن کو جنبش دیتے ہوئے بولی۔ ''میں نے اس شخص کی خاطر اپنا کیریئر ختم کر دیا۔ ساری زندگی اس کی خوشی کا خیال رکھا، جواب میں میری وفا اور فرماں برداری کا اس نے جو صلہ دیا، وہ آپ کے سامنے ہے۔''

بات ختم کر کے اس نے گھائل سانس لی اور خاموش ہو گئی۔

میں اس کے دکھ اور درد کو سمجھ رہا تھا، لہٰذا اس کا دھیان بٹانے کی خاطر میں نے کہا۔

''میں آپ کو ایک مشورہ دینا چاہتا ہوں اور...... یہ مشورہ بالکل مفت ہے۔''

وہ زیر لب مسکراتے ہوئے بولی۔ ''کیسا مشورہ؟''

''آپ اپنا کیس خود لڑیں۔'' میں نے کہا۔

''یہ بات میرے ذہن میں بھی آئی تھی لیکن میں نے اس خیال کو رد کر دیا۔''

''وہ کیوں؟'' میں نے الجھن زدہ نظر سے اسے دیکھا۔

وہ وضاحت کرتے ہوئے بولی۔ ''میں ایک طویل عرصے سے زندگی کے اس شعبے سے لاتعلق بیٹھی ہوں۔ مقدمہ لڑنے کے لئے مجھے اچھی خاصی تیاری کرنا ہوگی اور میرے پاس وقت بالکل نہیں ہے۔''

میں نے اسے حوصلہ دیا۔ ''خلع کا کیس تو بچوں کا کھیل ہے۔ آپ چٹکی بجاتے میں جیت جائیں گی۔ میں اس سلسلے میں آپ کی مناسب راہ نمائی کروں گا۔''

اس بات میں کسی شک و شبہے کی گنجائش نہیں کہ اس خاتون کا کیس بہت ہی سادہ اور

آسان تھا۔ اگر وہ تھوڑا سا حوصلہ پکڑتی اور ثابت قدمی سے اپنے اوباش شوہر کے مقابل جم کر کھڑی ہو جاتی تو کوئی وجہ نہیں تھی کہ عدالت اس کے حق میں فیصلہ نہ دیتی۔ اس کے پاس تو شوہر کو ڈیفالٹر کرنے کے لئے عینی شاہد بھی موجود تھے۔ میں نے اپنی دانست اور دیانت میں اسے ایک صائب مشورہ دیا تھا لیکن اس نے ایک عجیب و غریب جواب دیا تو میں خاموش ہو کر بیٹھ گیا۔

گہری سنجیدگی سے اس نے مجھ سے کہا۔ ''وکیل صاحب! یہ کیس خود نہ لڑنے کا ایک نفسیاتی پہلو بھی ہے۔ یہ میری پیشہ ورانہ زندگی کا پہلا تجربہ بھی ہوگا اور میں اس کے نتائج کے سلسلے میں کوئی رسک لینے کو تیار نہیں۔ مجھے ہر صورت اور ہر قیمت پر یہ کیس جیتنا ہے تاکہ میں پورے اعتماد کے ساتھ ایک نئی عملی زندگی کا آغاز کر سکوں۔''

وہ چند لمحات کے توقف کے بعد اضافہ کرتے ہوئے بولی۔

''اگر یہ کیس میں خود لڑتی ہوں اور کسی بھی پیچیدگی کے باعث خدانخواستہ مجھے اس کوشش میں جزوی یا کلی ناکامی سے واسطہ پڑتا ہے تو میرا اعتماد پاش پاش ہو جائے گا۔ میں نے آئندہ جس نوعیت کی خود مختار زندگی گزارنے کا فیصلہ کیا ہے، اس کے لئے مضبوط اعتماد کی اشد ضرورت ہے۔ آپ میرا مطلب سمجھ رہے ہیں نا؟''

بات ختم کر کے اس نے سوالیہ نظر سے مجھے دیکھا۔ میں نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ''جی ...... بالکل سمجھ رہا ہوں۔ آپ اپنی جگہ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں۔''

وہ بولی۔ ''آپ کو اگر یہ کیس لینے پر کوئی اعتراض ہو تو پھر الگ بات ہے۔''

مجھے اس سلسلے میں قطعاً کوئی اعتراض نہیں تھا۔ میں اس عورت کے نفسیاتی پہلو کو بخوبی سمجھ رہا تھا لہٰذا فیس کی وصولی کی رسید بنا کر اسے تھما دی اور کہا۔

''آپ کل شام میں کسی وقت میرے دفتر آ کر کاغذات پر دستخط کر دیجئے گا۔''

وہ اٹھتے ہوئے بولی۔ ''آپ مجھے اپنا وزیٹنگ کارڈ دے دیں۔''

میں نے مذکورہ کارڈ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔

وہ کارڈ پر ایک تنقیدی نگاہ ڈالتے ہوئے بولی۔ ''اس میں آپ کی رہائش کا فون نمبر درج نہیں ہے۔''

میں نے اس کے ہاتھ سے کارڈ لے لیا اور کہا۔ ''میں عموماً اپنے کلائنٹس سے دفتر ہی میں ملتا ہوں اور وہ بھی انہی نمبروں پر مجھ سے رابطہ کرتے ہیں۔ بہرحال آپ تو میرے ہی قبیل کی ہیں، لہٰذا میں آپ کو اپنی رہائش کا رابطہ نمبر بھی دے دیتا ہوں۔''

پھر میں نے اسی کارڈ کی پشت پر اپنے گھر کا فون نمبر لکھ دیا۔

اس نے آئندہ شام میں دوبارہ آ کر مجھ سے ملنے کا وعدہ کیا۔ ہمارے درمیان الوداعیہ کلمات کا تبادلہ ہوا اور وہ میرا شکریہ ادا کرنے کے بعد رخصت ہو گئی۔

☆

گھر میں داخل ہوئے مجھے بمشکل دس منٹ گزرے ہوں گے کہ میرے رہائشی فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ آج مجھے دفتر میں خاصی دیر ہو گئی تھی اور اس وقت رات کے لگ بھگ دس بجے تھے۔ میں نے تیسری گھنٹی پر فون ریسیو کر لیا۔

فون اسی عورت کا تھا جو آج صبح خلع کے سلسلے میں دفتر آ کر مجھے ملی تھی۔

''وکیل صاحب! بڑی گڑبڑ ہو گئی ہے۔'' اس کی گھبرائی ہوئی آواز آئی۔

میں چوکنا ہو گیا اور محتاط انداز میں پوچھا۔ ''کیسی گڑبڑ؟''

وہ بکھرے ہوئے لہجے میں بولی۔ ''میرے شوہر کو پتہ چل گیا ہے کہ میں آپ سے ملی تھی۔''

''تو......؟'' اس کی بات نے مجھے الجھا دیا۔

''تو یہ کہ وہ جان گیا ہے، میں کس مقصد سے آپ کے پاس گئی تھی۔''

''آپ کو اپنے شوہر سے اس سلسلے میں بات کرنے کی ضرورت کیا تھی؟''

''میں نے تھوڑی بتایا ہے؟'' وہ تامل کرتے ہوئے بولی۔

''پھر اسے کیسے معلوم ہو گیا؟''

وہ وضاحت آمیز انداز میں بولی۔

''مجھے لگتا ہے اس نے میری نگرانی کے لئے مجھ پر کوئی جاسوس مقرر کر رکھا ہے۔ آج دوپہر میں ہمارے درمیان اچھا خاصا جھگڑا بھی ہوا ہے۔ اس نے مجھے دھمکی دی ہے، میں خلع ولع کا خیال دل سے نکال دوں اور امن و امان سے رہوں ورنہ میرے حق میں اچھا نہیں ہوگا۔''

''آپ خاصی الجھی ہوئی بات کر رہی ہیں۔'' میں نے صاف الفاظ میں کہا۔ ''آپ کی جاسوسی والی بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی۔ کیا آپ کے شوہر نے اس بات کا اقرار کیا ہے؟''

وہ سمجھانے والے انداز میں بولی۔ ''واضح طور پر اقرار نہیں کیا۔ میں اپنی بیٹی کو سکول سے لے کر گھر پہنچی تو وہ اسٹوڈیو جانے کے لئے گھر سے نکلنے ہی والا تھا۔ اس نے مجھ سے

پوچھا کہ میں وکیل سے ملنے کیوں گئی تھی۔ میں نے جب اس سے سوال کیا کہ اسے یہ بات کس نے بتائی ہے تو وہ بھڑ گیا اور کہا کہ معلومات حاصل کرنے کے اس کے اپنے ذرائع ہیں۔ مجھے یہ سن کر غصہ آ گیا اور میں بھڑک کر بولی، کیا تم نے میرے پیچھے جاسوس چھوڑ رکھے ہیں؟ وہ جواباً سٹ پٹا کر بولا، ہاں چھوڑ رکھے ہیں۔ مجھے میرے ایک جاسوس ہی نے بتایا ہے کہ تم دس بجے کے بعد کسی وکیل کے دفتر گئی ہو۔ بتاؤ تم اس وکیل سے کس سلسلے میں ملنے گئی تھیں؟ اس کا انداز اور لب ولہجہ دیکھتے ہوئے مجھے بھی غصہ آ گیا اور میں نے صاف صاف اسے بتایا۔''

''یعنی آپ نے اسے خلع کے بارے میں بتا دیا؟'' وہ خاموش ہوئی تو میں نے چونک کر سوال کیا۔

اس نے اثبات میں جواب دیا۔

میں نے کہا۔ ''یہ آپ نے اچھا نہیں کیا۔''

''اب میں اس شیطان سے ڈرنے والی نہیں ہوں۔''

''بات ڈرنے اور نہ ڈرنے کی نہیں۔'' میں نے تشویش بھرے لہجے میں کہا۔ ''مقدمہ دائر ہونے کے بعد اگر اسے آپ کے عزائم کی خبر ہوتی تو زیادہ اچھا تھا۔''

وہ وضاحت کرتے ہوئے بولی۔ ''جب اس نے جاسوسی والی بات کی تو میرا دماغ گھوم گیا۔ اس کے انتہائی گھٹیا پن نے میری زبان کی لگام ڈھیلی کر دی اور میں نے کھلے الفاظ میں اسے باور کرا دیا۔ اب میں اس سے الگ ہو کر ہی رہوں گی اور وہ بھی باقاعدہ کورٹ کے ذریعے۔''

میں اس کی ان جذباتی باتوں پر سوائے افسوس کے اور کیا کر سکتا تھا۔ قدرے شکایتی لہجے میں، میں نے کہا۔ ''میرے خیال میں اس نگران جاسوس سے زیادہ آپ نے اپنے شوہر کو معلومات فراہم کی ہیں۔''

''آپ ہی بتائیں پھر میں کیا کرتی؟'' وہ عجیب سے لہجے میں بولی۔

''آپ کوئی بھی بہانہ کر سکتی تھیں۔'' میں نے کہا۔ ''ہزاروں وجوہ کی بنا پر لوگ وکیلوں سے ملتے ہیں۔ ایک خلع پر ہی کیا موقوف ہے۔ بہرحال آپ نے معاملہ بگاڑا ہے تو مجھے ہی سنبھالنا ہوگا۔ کچھ کرتا ہوں۔''

وہ بولی۔ ''وکیل صاحب! جب اس منحوس شخص سے جان چھڑانے کا فیصلہ کر لیا تو پھر کاہے کی احتیاط اور کیا مصلحت کوشی!''

میں نے اس سے کسی قسم کا بحث مباحثہ مناسب نہ سمجھا اور کہا۔ ''آپ ٹھیک کہتی ہیں۔ بہرحال بعض معاملات میں آپ کو بے حد محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔ اگر بنگلے سے باہر آپ کی سرگرمیاں نوٹ کرنے کے لئے آپ پر کوئی نگران مامور کیا جا سکتا ہے تو عین ممکن ہے بنگلے کے اندر آپ کی فون کالز کو ٹیپ کرنے کا کوئی بندوبست بھی کر دیا گیا ہو۔ کیا آپ کا شوہر اس وقت گھر پر ہے؟''

''نہیں۔'' وہ قطعیت سے بولی۔ ''مجھے سو فیصد یقین ہے وہ اس وقت اپنے اسٹوڈیو میں ہوگا۔ وہ دوپہر کے بعد گھر سے نکلتا ہے اور رات گئے اس کی واپسی ہوتی ہے۔''

''ایک منٹ!'' میں نے اس کا جملہ مکمل ہونے سے پہلے ہی کہہ دیا۔ ''آپ کی بات سے تو یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ آپ بھی اس وقت گھر پر نہیں ہیں؟''

''میں اپنی ایک دوست کے گھر پر ہوں اور یہیں سے آپ کو فون کر رہی ہوں۔''

''اوہ!'' میں ایک طویل سانس خارج کر کے رہ گیا۔ ''اس کا مطلب ہے آپ نے اپنی نگرانی اور ٹیلی فون گفتگو کی ریکارڈنگ کا مناسب سدِّ باب کر لیا ہے۔''

''یہ بہت ضروری تھا وکیل صاحب!'' وہ سنجیدگی سے بولی۔ ''آج دوپہر کو ہمارے درمیان جو تلخ کلامی ہوئی ہے اس کے بعد میں نے فوری طور پر یہ فیصلہ کیا کہ مجھے اسی وقت اس گھر سے نکل جانا چاہئے۔ پھر میں نے بڑی احتیاط سے اس فیصلے پر عمل بھی کر ڈالا۔''

''آپ کی بیٹی کہاں ہے؟'' میں نے ایک نہایت ہی اہم سوال کیا۔

''میرے پاس ہے۔'' اس نے جواب دیا۔ ''میں اسے اپنے ساتھ لے آئی ہوں۔''

''آپ کا شوہر اپنے جاسوس کی مدد سے یہ معلوم کر لے گا کہ آپ اس وقت کہاں ٹھہری ہوئی ہیں!'' میں نے ایک خدشے کا اظہار کیا۔

وہ بڑی رسانیت سے بولی۔ ''یہ اندیشہ میرے ذہن میں بھی تھا لہٰذا یہاں تک پہنچنے کے لئے میں نے کئی راستے بدلے ہیں۔ ایک احتیاط یہ بھی برتی ہے کہ ہم اپنی گاڑی میں نہیں آئے اور اب اس واقعے کو کم و بیش سات گھنٹے گزر گئے ہیں۔ اگر کسی جاسوس نے ہمارا تعاقب کیا ہوتا تو وہ یا میرا شوہر ہم سے رابطہ کر چکا ہوتا۔ دوسری طرف کی مکمل خاموشی سے یہی ظاہر ہوتا ہے، ہمارے فرار کو ناپنے کی کوشش نہیں کی گئی...... اور اگر کی گئی ہے تو اسے اس کوشش میں کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔''

اس کی بات میں اچھا خاصا وزن تھا۔ تاہم میں نے ایک خدشے کے پیش نظر کہا۔ ''اس صورت حال میں آپ کا شوہر بیٹی اور بیوی کی گمشدگی کی رپورٹ درج کرا سکتا ہے۔''

''ایسی صورت میں کیا میری میزبان دوست پر کوئی افتاد آ سکتی ہے؟'' اس نے تشویش بھرے لہجے میں پوچھا۔

میں نے صاف گوئی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسے بتایا۔ ''افتاد نہ بھی سہی، تاہم کسی قسم کی کوئی پیچیدگی پیدا ہو سکتی ہے۔ آپ اس بات کو ذہن میں رکھیں کہ آپ کا شوہر ایک بااثر اور طاقتور آدمی ہے۔ ہماری پولیس عموماً ایسے لوگوں کی خدمت کے لئے ہمہ وقت تیار رہتی ہے۔ آپ کا شوہر کوئی بھی الٹا سیدھا چکر چلا کر آپ کی میزبان کے لئے مشکلات کھڑی کر سکتا ہے۔'' میں نے ایک امکانی بات کی تھی۔

''میری دوست ایسی کسی مشکل سے ڈرنے والی نہیں۔'' وہ بے پروائی سے بولی۔ ''اور پھر سب سے بڑی بات یہ کہ ابھی تک آپ کے سوا اور کسی کو معلوم نہیں کہ میں اس وقت کہاں اور کس کے پاس ہوں۔ وہ پولیس میں رپورٹ درج کرائے یا کہیں بھی جائے، فوری طور پر میری صحت پر کوئی اثر نہیں پڑے گا اور...... میرا خیال ہے آپ پرسوں کی بجائے کل ہی مقدمہ دائر کر دیں۔ اگر کل خلع کا یہ کیس عدالت میں رجسٹر ہو جاتا ہے تو میری پوزیشن مضبوط ہو جائے گی۔ قانونی اور اخلاقی طور پر میں اپنے شوہر کے گھر میں رہنے کی پابند رہوں گی اور نہ وہ مجھ پر دباؤ ڈال سکے گا۔ آپ اس سلسلے میں کیا کہتے ہیں؟''

''آپ کا خیال بالکل درست ہے۔'' میں نے تائیدی انداز میں کہا۔ ''لیکن اس کے لئے آپ کو کل عدالت شروع ہونے سے پہلے خلع کے کاغذات پر دستخط کرنا ہوں گے۔''

''کیا آپ نے مذکورہ کاغذات تیار کر لئے ہیں؟'' اس نے پوچھا۔

میں نے جواب دیا۔ ''کاغذات تیار ہیں اور اتفاق سے اس وقت میرے پاس ہی ہیں۔ یہ بریف کیس میں دفتر سے میرے ساتھ گھر آ گئے ہیں۔''

''یہ تو بہت اچھا ہوا۔'' وہ اطمینان بھرے لہجے میں بولی۔ ''ورنہ اس وقت آپ کے دفتر تک رسائی بہت مشکل ہو جاتی۔'' ایک لمحے کے توقف سے اس نے پوچھا۔ ''اگر کوئی حرج محسوس نہ کریں تو میں دستخط کے لئے آپ کے گھر آ جاتی ہوں۔ آپ اپنے گھر کا ایڈریس مجھے سمجھا دیں۔''

اسے گھر بلانے میں کوئی حرج نہیں تھا لیکن شوہر کے حوالے سے اس کی پوزیشن خاصی نازک تھی۔ وہ ایک بااثر اور معروف ٹی وی پروڈیوسر تھا اور اس نے بیوی کی سرگرمیوں کا حال جاننے کے لئے ایک ماہر جاسوس بھی مقرر کر رکھا تھا۔ مجھے تو حیرت اس بات پر تھی کہ وہ ماں بیٹی اس جاسوس کی نگاہ بچا کر کیسے گھر سے نکل آئی تھیں۔ صرف آج رات کی بات

تھی۔ اگر وہ پروڈیوسر ان دونوں کا سراغ نہ پا سکتا تو یہ ان کے لئے بہتر تھا۔ لہٰذا انہیں کم از کم اس رات اس پناہ گاہ سے باہر قدم نہیں نکالنا چاہئے تھا۔

میں نے نہایت ہی ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

''آپ کے یہاں آنے میں مجھے تو کوئی اعتراض نہیں تاہم میرا مشورہ یہی ہے کہ مقدمہ دائر ہونے تک آپ احتیاط کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑیں تو اچھا ہے۔''

''پھر دستخط کیسے ہوں گے؟'' وہ الجھن بھرے لہجے میں مستفسر ہوئی۔

میں نے کہا۔ ''دستخط بھی ہو جائیں گے۔'' پھر اچانک مجھے ایک خیال آیا اور میں نے اس سے پوچھا۔ ''کیا آپ کا کوئی قریبی رشتے دار نہیں ہے؟''

''اس دنیا میں میرا صرف ایک رشتے دار باقی ہے اور وہ ہے چھوٹا بھائی۔'' اس نے خیال انگیز لہجے میں جواب دیا۔

میں نے پوچھا۔ ''کیا آپ کے بھائی کو آپ کے تازہ ترین حالات کا علم ہے؟''

''قطعاً نہیں۔'' وہ ٹھوس لہجے میں بولی۔ ''نہ تازہ ترین اور نہ ہی قدیم ترین۔''

''اوہ!'' میں ایک گہری سانس لے کر رہ گیا۔ ''اس کا مطلب ہے آپ کا اپنے بھائی سے ملنا جلنا نہیں؟''

''بس کچھ ایسی ہی بات ہے۔'' وہ ٹالنے والے انداز میں بولی۔

میں سمجھ گیا، وہ دانستہ کچھ چھپانے کی کوشش کر رہی تھی۔ وہ جن حالات سے گزر رہی تھی ان میں ایک سگے بھائی کی سپورٹ بہت اہمیت رکھتی تھی۔ وہ ان مشکل لمحات میں اسے بھرپور سہارا دے سکتا تھا۔ ایک خیال کے پیش نظر میں نے اس سے پوچھ ہی لیا۔

''اس قطع تعلقی کا سبب کیا ہے؟''

تھوڑے سے تامل کے بعد اس نے نہایت ہی مختصر الفاظ میں مجھے بتایا کہ اس کے بھائی اور اس کے شوہر میں ذرا نہیں بنتی۔ بھائی اس شادی کے سراسر خلاف تھا۔ شادی کے بعد کچھ عرصے تک رسمی میل تال رہا، پھر بھائی نے منہ پھیر لیا۔ اس نے خود بھائی سے رابطہ رکھنے کی کوشش کی تو اس نے واضح الفاظ میں ایسی کوشش سے منع کر دیا۔ وہ اپنے بہنوئی کو سخت ناپسند کرتا تھا اور اس نے اپنی بہن سے کہہ دیا تھا، وہ اپنے گھر میں خوش رہے اور اس سے ملنے جلنے کی قطعاً کوشش نہ کرے۔ بیان کے آخر میں اس نے کہا۔

''اس کے منع کرنے کے باوجود گاہے بگاہے اس کی خبر رکھتی رہی لیکن پچھلے ایک سال سے اس کے حالات کا مجھے کوئی علم نہیں۔ وہ بہت ہی غصیلا، انا پرست اور خود دار ہے۔ اگر

میں زندگی بھر اس کی طرف نہیں دیکھوں گی تو اس کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔''

''آپ جن حالات سے دوچار ہیں ان میں بھائی سے تال میل آپ کے لئے مفید ثابت ہو سکتا ہے۔'' میں نے مشورتاً کہا۔ ''آپ اس سے رابطہ کرنے کی کوشش کریں۔''

وہ عجیب سے لہجے میں بولی۔ ''وہ غریب میری کیا مدد کرے گا؟ وہ تو خود غریب آباد میں رہتا ہے۔''

''یہ ضروری نہیں کہ غریب آباد میں رہنے والا ہر شخص غریب ہی ہو اور رئیس نگر کا ہر باسی صاحب ثروت ہو۔'' میں نے کہا۔ ''آپ مجھے اپنے بھائی کا نام، پتہ اور نمبر لکھوا دیں۔ ہو سکتا ہے کسی مرحلے پر اس کی ضرورت پیش آ جائے۔''

اس نے اپنے بھائی کے گھر کا ایڈریس اور فون نمبر مجھے نوٹ کروا دیا، پھر سرسری انداز میں بولی۔ ''وہ بالکل بے کار آدمی ہے۔''

''بعض اوقات کھوٹا سکہ بھی کام آ جاتا ہے۔'' میں نے ایک حقیقت بیان کی۔ ''وہ تو پھر آپ کا سگا بھائی ہے۔''

اس نے میرے خیالات پر کوئی تبصرہ نہیں کیا۔

بہرحال میں نے اسے صبح سویرے دفتر بلا لیا جہاں وہ کاغذات پر دستخط کر سکتی تھی۔

✻☆✻

آئندہ روز میں نے مکمل تیاری کے بعد اپنی موکل کی جانب سے اپنی وکالت میں خلع کا مقدمہ عدالت میں دائر کر دیا۔ اسی روز میں نے خاص کوشش کر کے پروڈیوسر کے نام عدالت میں طلبی کا حکم نامہ بھی جاری کروا دیا۔

عدالت سے فارغ ہونے کے بعد میں سیدھا اپنے دفتر آیا اور ایک اہم کام یہ کیا کہ اس مقدمے کی ایک نقل متعلقہ یونین کونسل کو بہ ذریعہ رجسٹرڈ ڈاک ارسال کر دی۔ یہ کیس پانچ مئی کو عدالت میں لگا تھا۔ عدالت نے ٹی وی پروڈیوسر کو چودہ مئی کو عدالت میں حاضر ہونے کے احکام صادر کئے تھے۔ مجھے امید تھی اس وقت تک یونین کونسل کی جانب سے بھی اس سے رابطہ کر لیا جائے گا۔

چھ مئی کو میری موکلہ نے فون کر کے مجھے بتایا۔ ''وکیل صاحب! اس خبیث نے ہمارا سراغ لگا لیا ہے۔ وہ سیدھا میری بیٹی کے سکول پہنچ گیا تھا مگر میری بیٹی دھن کی پکی نکلی اور اس کے ساتھ جانے سے صاف انکار کر دیا۔''

''اس کے بعد اس نے آپ سے رابطہ کیا ہو گا!'' میں نے ایک امکانی بات کی۔

وہ بولی۔ ''ابھی تھوڑی دیر پہلے اس سے فون پر میری بات ہوئی ہے...... اور میں نے ساری صورتِ حال اس پر واضح کر دی ہے۔''

''پھر اس کا کیا ردِعمل رہا؟'' میں نے پوچھا۔

اس نے بتایا۔ ''وہ بہت سٹ پٹایا ہوا ہے۔''

''کیا آپ نے عدالت میں دائر مقدمے اور اسے جاری ہونے والے طلبی کے نوٹس کے بارے میں تفصیلاً آگاہ کر دیا ہے؟'' میں نے اپنی تسلی کی خاطر پوچھنا ضروری سمجھا۔

اس نے جواب دیا۔ ''میں نے ہر بات اس پر واضح کر دی ہے۔ وہ اس بات پر مصر ہے کہ میں مقدمے بازی کا خیال دل سے نکال دوں اور خاموشی سے واپس اس کے گھر چلی جاؤں۔''

''پھر آپ نے کیا جواب دیا؟''

''میں اپنے موقف پر ڈٹی ہوئی ہوں۔''

''اس پر اس نے آپ کو سنگین نتائج کی دھمکیاں دی ہوں گی؟'' میں نے پوچھا۔

اس نے بتایا۔ ''پہلے تو وہ نرمی سے مجھے سمجھانے کی کوشش کرتا رہا، جب میں نے اس کی ایک نہ مانی تو وہ چال بازی پر اتر آیا۔'' اتنا کہہ کر وہ خاموش ہو گئی۔

''کیسی چال بازی؟'' میں نے تیز لہجے میں سوال کیا۔

وہ بولی۔ ''اس کا وعدہ ہے اگر میں خلع کا کیس واپس لے کر بیوی کی حیثیت سے اس کے ساتھ رہنے لگوں تو وہ ایسی ویسی تمام غیر نصابی سرگرمیوں سے باز آ کر ایک اچھا، باکردار اور باوفا شوہر بننے کی کوشش کرے گا۔''

میں نے استفسار کیا۔ ''کیا آپ اسے یہ موقع دینے کو تیار ہیں؟''

''سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔'' وہ چٹانی لہجے میں بولی۔ ''وہ بڑا بگلا بھگت ہے۔ میں اس کی مکاری کو سمجھ رہی ہوں۔ وہ حیلے بہانے سے مجھے مقدمے سے روکنا چاہتا ہے۔ اگر میں اس مرتبہ اس کے فریب کے جال میں پھنس گئی تو پھر زندگی بھر نکل نہیں سکوں گی۔ وہ میرا کوئی ایسا ''بندوبست'' کر دے گا کہ میں دم مارنے کی سکت بھی کھو بیٹھوں گی۔ میں اس کی منفی اور مثبت دونوں اقسام کی قوتوں سے واقف ہوں۔ اگر قدرت نے اس شیطان سے نجات حاصل کرنے کا مجھے ایک موقع فراہم کر ہی دیا ہے تو میں اس موقع سے ضرور فائدہ اٹھاؤں گی۔''

وہ ایک لمحے کو سانس لینے کی خاطر متوقف ہوئی، پھر اپنی بات کو مکمل کرتے ہوئے بولی۔

"اور جہاں تک اس کے سدھرنے کا تعلق ہے...... تو ان تلوں میں ایک قطرہ بھی تیل نہیں۔ جس شخص کو عورت کی وفا، سلیقہ مندی، خدمت گزاری اور صلہ رحمی نہ انسان بنا سکے وہ ایک آن میں خود کو کیسے بدل کر رکھ دے گا؟ میں اس کی فطرت اور سرشت سے اچھی طرح واقف ہوں۔ بدکرداری اس کی نس نس میں رچی بسی ہے۔ اس نے اسٹوڈیو کے نام پر جو دفتر بنا رکھا ہے وہاں آڈیشن اور سکرین ٹیسٹ کے پردے میں بڑی ہی بھیانک اور سیاہ داستانیں رقم کی جاتی ہیں۔ چند روز قبل میں نے اس کے اسٹوڈیو جا کر خاصی ہنگامہ آرائی کی تھی اور اس کی ایک شکار حسین و جمیل لڑکی کو تھپڑ بھی مار دیا تھا۔ پتہ نہیں اس موقع پر مجھے کیا ہو گیا تھا۔ میں اپنے ہوش و حواس میں نہیں رہی تھی۔ میں نے اپنے شوہر کو بھی بے نقط سنا ڈالیں اور اس چھیل چھبیلی لڑکی پر ہاتھ اٹھا دیا، بہرحال۔" وہ چند لمحے ٹھہرنے کے بعد اضافہ کرتے ہوئے بولی۔

"میں اب اس کی کسی چال، کسی فریب میں نہیں آؤں گی۔ وہ بلبلاتا ہی رہ جائے گا اور میں ازدواجی بندھن کی گرہ کھول کر آزاد ہو جاؤں گی۔ میں کورٹ کی مدد سے اسے ایسی شکست دوں گی کہ باقی کی زندگی اس کی زخم چاٹتے گزرے گی۔ وہ ہر روز مرے گا اور ہر روز جیے گا۔ لیکن ڈھنگ سے نہ مر سکے گا اور نہ ہی جی سکے گا۔ اس کی زندگی مرقع عذاب بن کر رہ جائے گی۔ یہ قدرت کی طرف سے اس کی سزا ہو گی۔"

میں نے تحمل سے اس کی جذباتی تقریر سنی تاہم میں اس کے خیالات سے متفق نہیں تھا۔ اس نے اب تک اپنے شوہر کا جو نقشہ کھینچا تھا اس کی روشنی میں وہ ٹی وی پروڈیوسر ایک بے حس، ظالم، سفاک اور اپنی خواہش کا غلام ایک بدکردار شخص تھا۔ ایسے لوگ بڑی موٹی کھال کے ہوتے ہیں۔ پچھتانا یا شرمندہ ہونا ان کا شیوہ نہیں ہوتا۔ ان پر کوئی سزا، کوئی عذاب آسانی سے لاگو نہیں ہوتا۔

میں نے اپنے خیالات کا اظہار ضروری نہ سمجھا اور اپنی موکل سے پوچھا۔ "آپ ان حالات میں پریشان تو نہیں ہیں؟"

"قطعاً نہیں......" وہ خاصے مضبوط لہجے میں بولی۔

میں نے اطمینان بھری سانس لیتے ہوئے کہا۔ "بس تو پھر ٹھیک ہے...... آپ اپنے مطالبے پر ڈٹی رہیں۔ پردۂ غیب سے آپ کے لئے بہتری ہی نمودار ہو گی۔"

اس نے میرا شکریہ ادا کیا اور انکشاف انگیز لہجے میں بولی۔ "وہ آپ سے ملنے کی بات بھی کر رہا تھا۔ کہہ رہا تھا وہ آپ کو سمجھانے کی کوشش کرے گا۔"

"آنے دیں...... میں اس کو بھی سمجھ لوں گا۔" میں نے بے پروائی سے کہا۔

اس نے ایک مرتبہ پھر پُر زور انداز میں میرا شکریہ ادا کیا۔

میں نے اس تاکید کے بعد فون بند کر دیا۔ "ایک بات ذہن میں رکھئے گا خاتون! آپ کا شوہر کسی بھی بہانے آپ سے ملنے کی کوشش کرے تو آپ نے اس کی یہ کوشش ناکام بنانا ہو گی۔ اس سے آپ کی ملاقات کورٹ ہی میں ہونا چاہئے۔"

"میں آپ کی ہدایت پر عمل کروں گی۔" وہ گہری سنجیدگی سے بولی۔

پھر الوداعیہ کلمات کے بعد یہ ٹیلی فونک رابطہ موقوف ہو گیا۔

※☆※

آئندہ چند روز میں، میں نے اپنے ذرائع استعمال کر کے یہ معلومات حاصل کر لیں کہ کورٹ کا حکم نامہ ٹی وی پروڈیوسر تک پہنچ گیا اور اس نے یہ نوٹس باقاعدہ ریسیو کر لیا تھا جس سے یہی ظاہر ہوتا تھا وہ مقررہ تاریخ پر عدالت میں حاضر ہونے کا ارادہ رکھتا تھا۔ یونین کونسل نے بھی تحریری شکل میں اس سے رابطہ کر لیا تھا۔ یہ صورتِ حال انتہائی تسلی بخش اور حوصلہ افزا تھی۔ میں مطمئن ہو کر اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔

یہ اطمینان اس وقت پاش پاش ہو گیا جب تیرہ مئی کی شام اس خاتون کی دوست نے میرے دفتر فون کیا۔ اس کی وہ دوست ڈاکٹر تھی۔ میں اس وقت بے حد بزی تھا۔ میری سیکرٹری نے انٹرکام پر مجھے اطلاع دی کہ مذکورہ لیڈی ڈاکٹر فوری طور پر مجھ سے بات کرنا چاہتی ہے۔

میں نے سیکرٹری سے کہا کہ وہ لیڈی ڈاکٹر کی کال مجھ تک ٹرانسفر کر دے۔ میں اگلے ہی لمحے آن لائن ہو گیا۔ اسی وقت لیڈی ڈاکٹر کی بوکھلائی ہوئی آواز میری سماعت سے ٹکرائی۔

"وکیل صاحب! غضب ہو گیا۔ آپ کی موکل کو پولیس نے گرفتار کر لیا ہے۔"

یہ انکشاف میرے لئے کسی دھماکے سے کم نہیں تھا۔ میں اپنی سیٹ پر اچھل کر رہ گیا اور پھر اضطراری لہجے میں استفسار کیا۔ "پولیس نے اسے کس سلسلے میں گرفتار کیا ہے؟"

"اس پر قتل کا الزام ہے۔"

"قتل؟" مجھے ایک بار پھر شدید ذہنی جھٹکا لگا۔

لیڈی ڈاکٹر نے اثبات میں جواب دیا۔

میں نے پوچھا۔ "اس نے کس کا قتل کر دیا...... میرا مطلب ہے کس کے قتل کے الزام میں اسے گرفتار کیا گیا ہے؟" اس سنسنی خیز اطلاع نے وقتی طور پر مجھے بوکھلا کر رکھ دیا تھا۔

"اس پر ایک خوبرو لڑکی کے قتل کا الزام ہے۔" لیڈی ڈاکٹر بتا رہی تھی۔ "چند روز پہلے اپنے شوہر کے اسٹوڈیو میں مقتولہ سے اس کا اچھا خاصا جھگڑا بھی ہوا تھا۔"

میرا دھیان فوری طور پر اس لڑکی کی طرف چلا گیا جس کا ذکر میری موکلہ نے کیا تھا۔ اداکاری کی شوقین وہ لڑکی میری موکلہ کے شوہر پر ڈورے ڈال رہی تھی اور اسی سلسلے میں وہ شوہر کے دفتر پہنچی تھی۔ پھر وہاں جو ہنگامہ آرائی ہوئی اس سے میں آگاہ تھا۔

میں نے لیڈی ڈاکٹر سے پوچھا۔ "میری مؤکل کو کب اور کہاں سے گرفتار کیا گیا ہے؟"

اس نے میرے سوالات کے درست جوابات فراہم کر دیئے۔

میں نے متعلقہ تھانے کے بارے میں دریافت کیا اور فون بند کر دیا۔

☆☆☆

تھانہ انچارج تھوڑی دیر پہلے ہی راؤنڈ سے واپس آیا تھا۔ جب میں تھانے پہنچا تو رات کے نو بج رہے تھے۔ مذکورہ تھانہ انچارج مجھے اچھی طرح جانتا تھا۔ مجھ پر نگاہ پڑتے ہی اس نے برا سا منہ بنایا۔ میں سیدھا اس کے کمرے میں گھس گیا۔

"آئیے آئیے۔" وہ طنز آمیز اخلاق کا مظاہرہ کرتے ہوئے بولا۔ "جناب آج ادھر کا راستہ کیسے بھول گئے؟ کیا ہم سے کوئی کوتاہی ہو گئی؟"

"کوتاہی کے بارے میں تو فی الحال کچھ نہیں کہہ سکتا۔" میں نے اس سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ "البتہ اگر میں راستہ بھول جاتا تو پھر شاید اس وقت میں کہیں اور کھڑا ہوتا۔"

وہ میری چوٹ کو سہلاتے ہوئے بولا۔ "فرمائیے میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟"

انداز ایسا تھا جیسے کہہ رہا ہو...... جاؤ بابا! جان چھوڑو۔

پولیس والوں اور وکیلوں میں ٹسل ایک عام سی بات ہے۔ دونوں فریق ایک دوسرے سے شاکی اور نالاں نظر آتے ہیں۔ دونوں کا یہ دعویٰ ہے دوسرا اس کی راہ کھوٹی کرنے کے لئے کیس کو بگاڑنے کی حتیٰ الامکان کوشش کرتا ہے۔ حقیقت کیا ہے، ہر باشعور شہری بہ خوبی جانتا ہے۔

میں نے تھانہ انچارج کے سوال کا جواب دیتے ہوئے تحمل سے کہا۔ "میری ایک موکلہ کو آپ نے اپنی حوالات میں بند کر رکھا ہے۔ میں ذرا اس سے چار باتیں کرنے آیا ہوں۔"

"میری موکلہ" کے الفاظ پر اس کے کان کھڑے ہو گئے۔ نہایت ہی محتاط لہجے میں مستفسر ہوا۔ "کہیں آپ پروڈیوسر کی بیوی کی بات تو نہیں کر رہے؟ اس وقت میرے تھانے کی حوالات میں صرف ایک ہی عورت بند ہے۔"

"آپ کا اندازہ بالکل درست ہے۔" میں نے معنی خیز نظر سے اسے دیکھا۔

"لیکن......" اس کے انداز میں گہری تشویش در آئی۔ "وہ آپ کی موکلہ کیسے ہو گئی؟ ابھی پانچ بجے تو ہم نے اسے گرفتار کیا ہے۔ اس نے آپ سے اتنی جلدی رابطہ کیسے کر لیا؟"

میں نے تھانہ انچارج کی حیرت میں اضافہ کرتے ہوئے کہا۔ "آپ کی اطلاع کے لئے عرض ہے، موصوفہ دس روز قبل میرے کلائنٹس کی فہرست میں شامل ہو گئی تھی۔"

"کیا واقعی!" اس نے شک زدہ نظر سے مجھے گھورا پھر تیکھے لہجے میں گویا ہوا۔ "اس کا مطلب ہے یہ قتل باقاعدہ سوچے سمجھے منصوبے کے تحت کیا گیا ہے۔ قاتل نے واردات سے پہلے ہی آپ کو اپنا وکیل نامزد کر لیا تھا۔"

میں نے اس موقع پر بھرپور طنز کیا۔ "تھانے دار صاحب! اس قسم کی منصوبہ بندی تو آپ کے شعبے سے منسوب کی جاتی ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے عادی اور پیشہ ور مجرم متعلقہ تھانے میں حاضری لگانے کے بعد ہی واردات کے لئے نکلتے ہیں۔ بہرحال......" میں نے ایک لمحے کا توقف کر کے اس کی آنکھوں میں جھانکا اور اپنی بات مکمل کرتے ہوئے کہا۔

"آپ نے بڑے دھڑلے سے میری موکلہ کو قاتل قرار دے دیا ہے۔ کیا تین چار گھنٹوں ہی میں آپ نے تفتیش مکمل کر لی؟ ملزمہ سے اقبال جرم بھی کروا لیا یا یہ کام ابھی باقی ہے؟"

وہ معاندانہ نظر سے مجھے دیکھتے ہوئے بولا۔ "آپ فکر نہ کریں وکیل صاحب! ملزمہ ہماری حراست میں ہے۔ جرم کا اقرار اور آلۂ قتل کی برآمدگی ہوتے دیر ہی کتنی لگتی ہے؟"

اس کا انداز دھمکی دینے والا تھا۔ میں نے فروعی باتوں میں الجھنا مناسب نہ سمجھا اور روکھے لہجے میں کہا۔ "اگر آپ کی اجازت ہو تو میں اپنی موکلہ سے چند باتیں کر لوں۔" تھوڑے توقف سے میں نے اضافہ کر دیا۔ "اتنا قانون تو آپ بھی جانتے ہوں گے کہ زیر حراست ملزمہ کو اپنے وکیل سے ملنے کا حق حاصل ہوتا ہے۔"

اس نے کھا جانے والی نگاہ سے مجھے دیکھا اور آواز دے کر ایک کانسٹیبل کو اپنے پاس بلایا۔ کانسٹیبل کمرے میں داخل ہوا تو میری جانب اشارہ کرتے ہوئے اس نے کہا۔

"یہ وکیل صاحب ہیں۔ حوالاتی عورت سے ان کی ملاقات کرا دو۔" پھر وہ مجھ سے مخاطب ہوتے ہوئے بولا۔ "بس جناب! دس منٹ میں پوچھ لیں جو پوچھنا ہے۔ ہم پر بھی فرائض کا بہت دباؤ ہوتا ہے۔"

میں نے معنی خیز انداز میں سر ہلایا جیسے تھانے دار کے زریں خیالات کی تائید کر رہا

ہوں۔ پھر میں کانسٹیبل کے ہمراہ لاک اپ کی طرف بڑھ گیا۔

اس تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں کہ اپنی موکلہ سے کامل تنہائی میں بات کرنے کے لئے میں نے کون سا طریقہ اختیار کیا ہوگا۔ اس فارمولے کو کئی مرتبہ بیان کیا جا چکا ہے۔

میری موکلہ بری طرح گھبرائی ہوئی تھی۔ میں اس سے ہم کلام ہوا تو اس نے سراسیمہ آواز میں کہا۔ "وکیل صاحب! یقین مانیں میں نے کسی کو قتل نہیں کیا۔"

"مجھے آپ کی بات کا صد فیصد یقین ہے۔" میں نے اس کی نفسیاتی حالت کے پیش نظر کہا۔ "آپ کوئی انسان کیا، بلی کا ایک بچہ نہیں مار سکتیں۔ ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت آپ کو قتل کی اس واردات میں ملوث کیا جا رہا ہے۔"

میری نرم خوئی اور حوصلہ افزائی نے کسی مرہم کا سا کام دکھایا۔ اس کی گھبراہٹ اور سراسیمگی میں یکلخت کمی واقع ہوئی اور وہ امید افزا نظر سے مجھے دیکھتے ہوئے بولی۔

"وکیل صاحب! اس مصیبت سے آپ ہی مجھے نکال سکتے ہیں۔"

"آپ بالکل بے فکر ہو جائیں۔" میں نے تسلی آمیز لہجے میں کہا۔ "میں تمام معاملات دیکھ لوں گا۔ آپ کے خلاف تیار کی جانے والی یہ سازش کبھی کامیاب نہیں ہوگی۔ آپ قاتل نہیں ہیں۔ بہ فرض محال اگر آپ کسی کو قتل کرنے کا ارادہ کر ہی لیتیں تو پھر وہ شخصیت آپ کا شوہر ٹی وی پروڈیوسر ہوتا۔"

اس نے تشکرانہ نظر سے مجھے دیکھا اور دھیمے لہجے میں بولی۔ "آپ کتنے اچھے ہیں وکیل صاحب۔"

میں اس وقت کتنے، اتنے اور جتنے کی تفصیل میں نہیں جانا چاہتا تھا۔ میرے لئے یہی اطمینان بخش بات تھی کہ اس کا اعتماد بڑی حد تک بحال ہو چکا تھا۔ پہلے جس طرح وہ ڈری سہمی دکھائی دیتی تھی، اب وہ کیفیت زائل ہو گئی تھی۔ یہ ایک طرح سے کیس میں میری پہلی کامیابی تھی۔

میں نے کھنکار کر گلا صاف کیا اور گہری سنجیدگی سے کہا۔ "اس وقت میرے پاس بہت تھوڑی مہلت ہے۔ وہ کانسٹیبل کسی بھی وقت واپس آ سکتا ہے یا پھر تھانہ انچارج کے پیٹ میں اچانک مروڑ اٹھ سکتا ہے اس لئے نہایت ہی سوچ سمجھ کر مختصراً آپ مجھے اس واقعے کے بارے میں بتا دیں۔ تفصیلی گفتگو میں آپ سے بعد میں کر لوں گا۔ وکالت کے شعبے سے وابستگی کے باعث آپ اس بات سے بہ خوبی آگاہ ہیں کہ کون سی ضروری بات مجھے بتانے کی ہے اور کون سی فروعی اور غیر اہم بات نظر انداز کرنے کی ہے۔ آپ میرا مطلب سمجھ رہی

ہیں نا؟"

اس نے نہایت اعتماد کے ساتھ سر کو اثباتی جنبش دی اور مجھے اس واقعے کے بارے میں بتانے لگی۔ میں اس کے بیان میں سے غیر ضروری باتوں کو حذف کر کے انتہائی متعلقہ حصہ آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔

مقتولہ کے بارے میں میری موکلہ پہلے ہی مجھے تفصیل سے بتا چکی تھی۔ شوبز میں کوئی نمایاں کارنامہ انجام دینے کی خواہش مند وہ حسین و جمیل لڑکی پچھلے کچھ عرصے سے اس کے شوہر سے چپکی ہوئی تھی۔ ٹی وی پروڈیوسر نے ایک دو سیریلز میں اسے چھوٹے موٹے رولز بھی دیئے تھے تاہم وہ لیڈنگ رول کی تمنائی تھی۔ اس بات سے بحث نہیں کہ پروڈیوسر نے مقتولہ کو اپنے چنگل میں پھانس رکھا تھا یا وہ پروڈیوسر پر ڈورے ڈال رہی تھی۔ بہر حال وہ دونوں لازم و ملزوم کی طرح پچھلے کچھ عرصے سے ایک ساتھ کچھ زیادہ ہی نظر آ رہے تھے اور اسی سبب میری موکلہ نے چند روز قبل اسٹوڈیو میں ہنگامہ آرائی بھی کی تھی۔

میری موکلہ اور اس مقدمے کی ملزمہ نے مجھے بتایا کہ آج دوپہر ایک بجے مقتولہ نے اسے فون کیا اور اس سے ملاقات کی درخواست کی۔ میری موکلہ ان دنوں اپنی دوست لیڈی ڈاکٹر کے پاس ٹھہری ہوئی تھی۔ اس نے مقتولہ سے پوچھا کہ وہاں کا فون نمبر اسے کس نے دیا؟ اس نے گول مول جواب دیا اور بولی کہ ملزمہ آج ہی اس سے مل لے وہ اس سے نہایت ہی ضروری باتیں کرنا چاہتی ہے۔ ملزمہ کو مقتولہ کے رویے پر سخت حیرت ہوئی۔ کیونکہ چند روز قبل ان دونوں کے بیچ سنگین نوعیت کا جھگڑا ہو چکا تھا اور اس موقع پر ملزمہ نے مقتولہ کو ایک زناٹے دار تھپڑ بھی مار دیا تھا۔ مگر اس وقت وہ نہایت ہی دوستانہ انداز میں بات کر رہی تھی۔ ملزمہ نے اسٹوڈیو میں ہونے والی بدمزگی اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والی کشیدگی کا حوالہ دیا اور مقتولہ سے تلخ لہجے میں استفسار کیا کہ اس صورتِ حال میں کیا ان کے درمیان مکالمت کی کوئی راہ کھلتی ہے؟ مقتولہ نے جواباً وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ وہ اسی سلسلے میں ملزمہ سے ایک اہم ملاقات کرنا چاہتی ہے۔ مقتولہ نے اسے بتایا کہ وہ ملزمہ کی طرف سے دائر شدہ خلع کے کیس سے بھی آگاہ ہے اور اس کے حق میں گواہی دینے کو تیار ہے...... یعنی پروڈیوسر کے خلاف لب کشائی کا ارادہ رکھتی ہے۔

ملزمہ اس کی بات سن کر الجھ گئی۔ اس کے تامل کو دیکھتے ہوئے مقتولہ نے کہا کہ اس کی آنکھوں پر بندھی پٹی کھل گئی ہے۔ وہ ملزمہ کے شوہر کی حقیقت تک پہنچ گئی ہے۔ اس کا اصلی مکروہ چہرہ دیکھنے کے بعد وہ اس سے شدید نفرت کرنے لگی ہے۔ چنانچہ اس نے فیصلہ کیا

ہے وہ پروڈیوسر کی مخالفت میں ملزمہ کا ساتھ دے گی۔ اس کے ساتھ ہی اس نے اپنے سابق سلوک کی معافی بھی چاہی۔

یہ ایک فطری بات ہے کہ انسان کو اپنے مطلب اور فائدے کی شے اچھی لگتی ہے۔ اس وقت مقتولہ ملزمہ کی حمایت میں بول رہی تھی اس لئے اس کی باتیں ملزمہ کو بھا گئیں۔ اس میں شک و شبے کی گنجائش نہیں کہ مقتولہ کی گواہی، ملزمہ کے خلع والے کیس کے لئے بہت معاون ثابت ہوتی۔ اس گواہی کے باعث ٹی وی پروڈیوسر کا کردار واضح ہو جاتا اور عدالت پہلی فرصت میں میری موکلہ کے حق میں فیصلہ کر دیتی۔ اس تناظر میں میری موکلہ نے مقتولہ سے ملنے کا فیصلہ کرلیا اور اسے اپنے پاس آنے کو کہا۔

مقتولہ نے اس تجویز کو نہ مانا اور کہا کہ اس کا ملزمہ کے پاس جانا ٹھیک نہیں۔ جب سے ٹی وی پروڈیوسر سے اس کی اَن بن ہوئی ہے، وہ بہت زیادہ احتیاط سے کام لینے لگی ہے لہٰذا اس ملاقات کے لئے ملزمہ ہی کو گھر سے نکلنا ہوگا۔

ملزمہ چونکہ اس سے ملنے کا فیصلہ کر چکی تھی اس لئے اس نے پوچھا کہ وہ کہاں آئے۔ جواب میں مقتولہ نے اسے اپنی ایک دوست کے فلیٹ کا پتہ سمجھا دیا اور تاکید کی کہ وہ دو اور تین بجے کے درمیان وہاں پہنچ کر اس سے ملاقات کر لے۔ مذکورہ فلیٹ طارق روڈ کے کمرشل علاقے میں ایک عمارت کے تھرڈ فلور پر واقع تھا۔ ملزمہ نے وہ پتہ اور وقت اپنے پاس نوٹ کرلیا۔ اسی وقت دوسری طرف سے مقتولہ نے ٹیلی فونک رابطہ منقطع کر دیا۔

میری موکلہ نے مجھے مزید بتایا کہ جب وہ سوا دو بجے مذکورہ فلیٹ پر پہنچی تو اسے بہت سی حیرتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ اس نے کال بیل بجائی۔ تیسری بیل پر اندر سے آواز آئی، دروازہ کھلا ہے آجاؤ۔ میری موکلہ دو مرتبہ کی ناکام گھنٹی کاری کے بعد مایوس ہو کر واپس جانے کے بارے میں سوچ رہی تھی اور اِتمام حجت کے طور پر اس نے تیسری بار کال بیل کا بٹن دبایا تھا۔ بہرحال اس نے ہینڈل گھما کر دروازے پر تھوڑا سا دباؤ ڈالا تو وہ کھلتا چلا گیا۔ وہ فلیٹ کے اندر داخل ہوگئی۔

اصولی طور پر صاحب خانہ کو گھنٹی کے جواب میں دروازے پر آنا چاہئے تھا۔ مگر یہاں تو گنگا ہی الٹی بہہ رہی تھی۔ میری موکلہ کو اس وقت اور زیادہ حیرت ہوئی جب پورا فلیٹ گزرنے کے بعد مقتولہ سے اس کا سامنا ہوا۔ وہ ایک بیڈروم تھا اور مقتولہ ڈریسنگ کے سامنے بیٹھی اپنی زلفیں سنوار رہی تھی۔ ملزمہ کے اندازے کے مطابق ان دونوں کے سوا اس وقت فلیٹ میں اور کوئی بھی نہیں تھا۔

مقتولہ نے خوش دلی سے مسکرا کر اس کا استقبال کیا اور اسے بیڈ پر بیٹھنے کو کہا اور پھر ڈریسنگ کی جان چھوڑ کر خود بھی بیڈ پر چلی آئی۔ ملزمہ نے جب مقتولہ سے پوچھا کہ اس کی وہ دوست کہاں ہے جس کا یہ فلیٹ ہے؟ تو مقتولہ نے رازداری سے بتایا کہ اس نے اپنی دوست کو تھوڑی دیر کے لئے باہر بھیج دیا ہے تاکہ وہ ملزمہ کے ساتھ اطمینان سے باتیں کر سکے۔ ملزمہ کے اطمینان کے لئے اس نے ایک رڈا چڑھاتے ہوئے گہری سنجیدگی سے کہا کہ وہ نہیں چاہتی اس کی دوست کو اس معاملے کی خبر ہو!

ملزمہ، مقتولہ کی وضاحت سے قدرے مطمئن ہو گئی۔ پھر ان دونوں کے درمیان لگ بھگ آدھا گھنٹہ بات چیت ہوتی رہی۔ اس دوران میں مقتولہ مسلسل ٹی وی پروڈیوسر کے خلاف زہر اُگلتی رہی اور اس کے ساتھ ہی وہ ملزمہ کو اپنے بھرپور تعاون کا یقین دلاتی رہی۔ اس کا انداز اور استدلال اتنا تاثر انگیز تھا کہ اس ملاقات کے اختتام پر ملزمہ نے اپنے سابق رویے پر اس سے باقاعدہ معذرت بھی کی اور نہایت ہی ندامت سے اقرار کیا کہ اس نے جوش و جذبات میں آکر مقتولہ کو تھپڑ مار دیا تھا۔

دو پینتالیس پر میری موکلہ، مقتولہ سے رخصت ہوئی اور ٹھیک پانچ بجے اسے لیڈی ڈاکٹر کے بنگلے سے گرفتار کرلیا گیا...... اسی حسینہ کے قتل کے الزام میں جس سے وہ آدھے گھنٹے تک دوستانہ ماحول میں تسلی تشفی کی باتیں سن کر آئی تھی۔

میں نے یہ قصہ سنا تو مجھے بے حد افسوس ہوا۔ اس کے ساتھ ہی مجھے اپنی موکلہ کی حماقت پر غصہ بھی آیا۔ تاہم اس موقع پر غصے کا اظہار انتہائی نامناسب ہوتا چنانچہ میں نے معتدل انداز میں اس سے پوچھا۔

''آپ طارق روڈ والے فلیٹ کی طرف جانے سے پہلے کم از کم مجھے فون تو کر سکتی تھیں؟''

وہ شرمندہ سی صورت بنا کر بولی۔ ''وکیل صاحب! پتہ نہیں اس وقت میرے دماغ کو کیا ہو گیا تھا۔ بعد میں مجھے احساس ہوا کہ مجھے آپ سے ضرور رابطہ کرنا چاہئے تھا۔ واپس گھر پہنچ کر میں نے اس واقعے پر کافی غور و خوض کیا۔ اس لڑکی کا رویہ کبھی مجھے الجھانے لگتا اور کبھی میں مطمئن ہو جاتی۔ اس کشمکش میں کافی وقت گزر گیا۔ پھر میں اس نتیجے پر پہنچی کہ آپ کو فون کر کے اس کی اطلاع تو دے دوں۔ مگر آپ کا نمبر ڈائل کرنے کی نوبت نہیں آئی اور پولیس مجھے گرفتار کرنے کے لئے اس بنگلے پر پہنچ گئی...... اور اب میں آپ کے سامنے ہوں۔''

میں نے حوالات کی سلاخوں کی دوسری جانب موجود اپنی ہم پیشہ خاتون کو گہری نظر سے دیکھا اور متاسفانہ انداز میں کہا۔

''بہر حال کمان سے نکلا ہوا تیر اور گزرا ہوا وقت واپس نہیں آتا۔ آپ اچھی طرح سوچ کر مجھے بتائیں کہ کسی نے آپ کو طارق روڈ والے فلیٹ پر آتے جاتے ہوئے دیکھا تو نہیں؟''

''میرا تو خیال ہے، میں کسی شناسا کی نظر میں نہیں آئی۔'' وہ متاملانہ لہجے میں بولی۔ ''ویسے طارق روڈ ایک مصروف کمرشل شاپنگ ایریا ہے، ہزاروں لوگوں کی نگاہ مجھ پر پڑی ہوگی۔'' پھر وہ چونکی اور اتنا کہہ کر خاموش ہوگئی۔ ''لیکن......''

''لیکن کیا؟'' میں نے جلدی سے پوچھا۔

اس نے بتایا۔ ''لیکن پولیس والے کہہ رہے ہیں، ان کے پاس ایسے عینی شواہد موجود ہیں جو اس فلیٹ میں میرے دخول اور خروج کی گواہی دے سکتے ہیں۔''

میں سمجھ گیا پولیس نے اس قسم کی بات محض اسے خوف زدہ کرنے کے لئے کی ہوگی۔ ورنہ اتنی کم مہلت میں وہ کس طرح عینی شاہد پیدا کر سکتے ہیں۔ اس محکمے کی کارکردگی کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں۔ میں نے اپنی موکلہ سے دو تین مزید اہم سوالات کئے پھر پوچھا۔

''آپ نے اس فلیٹ میں مختلف اشیاء کو چھوا تو ہوگا؟''

وہ اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولی۔ ''داخلی دروازے سے لے کر آخری بیڈ روم تک متعدد مقامات سے میرے فنگر پرنٹس حاصل کئے جا سکتے ہیں۔''

اس کے جواب سے ظاہر ہوا کہ وہ میرے سوال کی نزاکت اور اہمیت کو سمجھ گئی تھی۔ میں نے پوچھا۔ ''کیا آپ مقتولہ کی اس دوست کے بارے میں کچھ جانتی ہیں جس کے فلیٹ پر آپ لوگوں کی ملاقات ہوئی تھی؟''

اس نے نفی میں جواب دیا۔ میں نے دریافت کیا۔ ''گفتگو میں کہیں اس دوست کا نام تو آیا ہوگا؟''

''قطعاً نہیں۔'' وہ مایوس لہجے میں بولی۔ ''اس دوران میں وہ زیر بحث نہیں آئی۔''

میں نے کہا۔ ''چلو کوئی بات نہیں۔ میں اس کے بارے میں تفصیلات حاصل کرلوں گا۔''

''وکیل صاحب! میں تو ایک چھوٹی سی مصیبت سے نجات حاصل کرنے کے لئے ہاتھ پاؤں مار رہی تھی، مجھ پر ناگہانی افتاد آن پڑی ہے۔ اب کیا ہوگا؟''

میں نے اس کا حوصلہ بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''مصیبت چھوٹی ہو یا بڑی، وہ مصیبت ہی

ہوتی ہے۔ اور اب جو کچھ ہوگا، اسے بھی دیکھ لیں گے۔ بس آپ اپنی ہمت کو تھام کر رکھیں، باقی میں بھگت لوں گا۔''

''اللہ کے بعد میں صرف آپ سے امید رکھتی ہوں۔'' وہ گلوگیر لہجے میں بولی۔

میں نے پوچھا۔ ''آپ نے پولیس کو کیا بیان دیا ہے؟''

وہ جیسے کسی گہرے خیال سے چونک گئی۔ ''آں...... ابھی تک انہوں نے کوئی باقاعدہ بیان نہیں لیا۔'' اس نے بوکھلاہٹ آمیز لہجے میں بتایا۔

''ٹھیک ہے...... آپ پولیس والوں کو بھی وہی بیان دیں جو باتیں مجھے بتائی ہیں۔ اس سلسلے میں اپنے شوہر کے کردار اور عدالت میں دائر خلع کے کیس کا تذکرہ کرنا نہ بھولیں۔ باقی عدالت میں، میں نمٹ لوں گا۔''

اس نے مجھے ہدایت پر عمل کرنے کا یقین دلایا۔

میں نے پوچھا۔ ''آپ کا شوہر آپ سے ملنے کے لئے تھانے تو نہیں آیا تھا؟''

''نہیں۔'' وہ نفی میں گردن ہلاتے ہوئے بولی۔ ''اس حوالات میں میرے پہلے ملاقاتی آپ ہیں وکیل صاحب!''

''پولیس کل صبح آپ کو عدالت میں پیش کرے گی اور ریمانڈ لینے کی کوشش کرے گی۔'' میں نے کہا۔ ''میں آپ کی درخواست ضمانت کے ساتھ وہاں موجود ہوں گا۔ گھبرانے کی قطعاً ضرورت نہیں۔''

''آپ کے ہوتے ہوئے میں کیوں گھبراؤں گی وکیل صاحب!'' اس نے قدرے مضبوط لہجے میں کہا۔

میں نے حتیٰ الامکان تسلی تشفی سے اس کا حوصلہ بڑھایا۔ چند ضروری کاغذات پر اس کے دستخط لئے اور تھانے سے باہر آ گیا۔

✻☆✻

آئندہ روز پولیس نے ملزمہ کو عدالت میں پیش کیا اور تفتیش کے نام پر پندرہ روز کا ریمانڈ مانگ لیا۔ میں نے اپنی موکلہ کی درخواست ضمانت اپنے وکالت نامے کے ساتھ جج کے سامنے میز پر رکھ دی۔ وکیل استغاثہ نے ضمانت کی مخالفت کرتے ہوئے کہا۔

''جناب عالی! یہ ایک قتل کا کیس ہے۔ جائے وقوعہ پر جابجا ملزمہ کی انگلیوں کے نشانات پائے گئے ہیں۔ پولیس کو اپنی تفتیش مکمل کرنے کے لئے ریمانڈ کی ضرورت ہے۔ لہٰذا ملزمہ کی ضمانت انصاف کے اصولوں کے منافی ہوگی۔''

میں نے ضمانت کے حق میں دلائل دیتے ہوئے کہا۔
''جناب عالی! میری مؤکل اور اس مقدمے کی ملزمہ ایک معزز شہری ہے۔ پیشے کے اعتبار سے وہ ایک وکیل ہے اور......''
میری بات مکمل ہونے سے پہلے ہی وکیل استغاثہ بول اٹھا۔ ''وکالت کے پیشے سے وابستگی کا یہ مطلب تو نہیں کہ انسان جرم میں ملوث نہیں ہوسکتا۔''
''میں نے ایسی تو کوئی بات نہیں کی۔'' میں نے ترکی بہ ترکی کہا۔ ''اور آپ نے جرم کا ذکر کر کے میری موکلہ کو مجرم ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے۔ کیا آپ معزز عدالت کو یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ملزمہ قاتل ثابت ہو چکی ہے؟''
میرے اس سوال میں طنز کے ساتھ ساتھ بے پناہ خفگی بھی شامل تھی۔ وکیل استغاثہ نے ایک نامعقول بات کر کے مجھے تاؤ دلا دیا تھا۔
وہ ڈھٹائی سے بولا۔ ''جرم ثابت نہیں ہوا تو بہت جلد ہو جائے گا۔'' پھر وہ جج کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔
''جناب عالی! معصوم صورتیں اکثر دھوکا دیتی ہیں۔ ملزمہ ایک خطرناک عورت ہے۔ مقتولہ سے اس کی پرانی دشمنی تھی۔ چند روز قبل ملزمہ مقتولہ کو جان سے مارنے کی دھمکی بھی دے چکی ہے۔ اس واقعے کے چشم دید گواہ بھی موجود ہیں۔ مناسب موقع پر اگر ضرورت محسوس ہوئی تو انہیں عدالت میں بھی پیش کر دیا جائے گا۔''
وہ غالباً اس ناخوشگوار واقعے کا حوالہ دے رہا تھا جب میری موکلہ نے غصے میں آ کر مقتولہ کے گال پر ایک تھپڑ جڑ دیا تھا۔ وکیل استغاثہ ضمانت دشمن دلائل کو آگے بڑھاتے ہوئے بولا۔ اس کا مخاطب جج تھا۔
''ازیں علاوہ، استغاثہ کے پاس ایسے گواہ بھی ہیں جنہوں نے ملزمہ کو جائے وقوعہ پر آتے اور وہاں سے رخصت ہوتے ہوئے دیکھا ہے۔ قتل کا محرک بہت واضح ہے۔ اگر ملزمہ کی ضمانت منظور کر لی گئی تو تفتیش کے راستے میں بے شمار رکاوٹیں کھڑی ہو جائیں گی۔ ابھی تک آلہ قتل بھی برآمد نہیں ہوا۔ لہٰذا معزز عدالت سے میری استدعا ہے، ملزمہ کی درخواست ضمانت کو رد کرتے ہوئے پندرہ روز کا ریمانڈ دے دیا جائے تا کہ جلد از جلد عدالت میں اس مقدمے کا چالان پیش کیا جا سکے۔''
میں نے نہایت ہی ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''جناب عالی! میری موکلہ بے گناہ ہے۔ ایک گہری سازش کے تحت اسے قتل کے کیس میں ملوث کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے

اور اس موقف کے لئے میرے پاس ٹھوس دلائل اور حقائق موجود ہیں جو عدالت کی باقاعدہ کارروائی سے پہلے سامنے لانا مناسب نہ ہوگا۔ صرف اتنا عرض کرتا چلوں کہ میری موکلہ اپنے شوہر کے ساتھ نہیں رہنا چاہتی تھی اور اس سلسلے میں اس نے فیملی کورٹ میں خلع کا مقدمہ دائر کر رکھا ہے۔
اس کے بعد میں نے متعلقہ عدالت اور خلع کے مقدمے کی تفصیل بیان کی اور کہا۔
''جناب عالی! آج یعنی چودہ مئی کو خلع کے کیس کی پہلی پیشی تھی لیکن میری موکلہ کو ایک روز پہلے ہی قتل کے الزام میں گرفتار کر لیا گیا۔ یہ بات تو کوئی بچہ بھی سمجھ سکتا ہے کہ جس شوہر سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے میری موکلہ نے عدالت کا دروازہ کھٹکھٹایا ہے، پہلی پیشی سے ایک روز قبل وہ اس شخص کی داشتہ کی جان لینے جیسی سنگین غلطی نہیں کر سکتی۔''
''داشتہ!'' جج نے چونک کر مجھے دیکھا۔ ''کیا مقتولہ ملزمہ کے شوہر سے کسی قسم کا تعلق رکھتی تھی؟''
''آبجیکشن یور آنر!'' وکیل استغاثہ نے چیخ سے مشابہ آواز میں کہا۔ ''جناب عالی! وکیل صفائی حد سے تجاوز کر رہے ہیں۔ ان کا الزام مقتولہ کی کردار کشی کے برابر ہے اور اس صورت میں اس الزام کی سنگینی اور بھی بڑھ جاتی ہے کہ مرنے والوں کو ہمیشہ اچھے الفاظ میں یاد کرنا چاہئے۔''
وکیل استغاثہ نے یہ جملہ نوٹ کر کے اپنی دانست میں گویا بہت بڑا کارنامہ انجام دے ڈالا تھا۔ بات ختم کرنے کے بعد وہ فاتحانہ انداز میں مجھے دیکھنے لگا۔ میں نے جج کو مخاطب کیا اور نہایت ہی سنجیدگی سے کہا۔
''جناب عالی! عدالت صرف حقائق، ثبوت اور سچ کی بنیاد پر فیصلے صادر کرتی ہے۔ یہاں جذباتی جملوں کی کوئی اہمیت نہیں۔ اگر جذبات کے اظہار کو مدِ نظر رکھتے ہوئے فیصلے کئے جانے لگے تو سب سے زیادہ رونے دھونے اور واویلا مچانے والے کو مظلوم اور بے گناہ مان لیا جائے گا۔'' میں نے ایک لمحے کا توقف کیا پھر اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔
''جناب عالی! افسوس اس بات کا ہے کہ ہم خاصے مردہ پرست واقع ہوئے ہیں۔ انسان کی زندگی میں اس کی ایسی تیسی کر کے رکھ دیتے ہیں، اسے سکھ کا ایک لمحہ نہیں گزارنے دیتے لیکن مرنے کے بعد اچانک اس کی خوبیاں اور عظمتیں ہم پر کھلنا شروع ہو جاتی ہیں۔ پھر اٹھتے بیٹھتے ہم اس ورد کو نہیں بھولتے کہ...... مرنے والوں کو ہمیشہ اچھے الفاظ میں یاد کرنا چاہئے۔ مگر عدالت کسی شخص کے اچھا یا برا ہونے کے لئے ثبوت مانگتی ہے۔ یہاں ہر بات

ثابت کرنا پڑتی ہے۔''

وکیل استغاثہ نے اچھل کر کہا۔''جناب عالی! وکیل صفائی منطقی موشگافیاں کر کے معزز عدالت کا وقت برباد کر رہے ہیں۔ میں عدالت سے درخواست کرتا ہوں کہ ملزمہ کا ریمانڈ منظور کر کے اسے حوالہ پولیس کیا جائے تاکہ اس کیس کی کوئی شکل نکل کر سامنے آ سکے۔''

''گویا آپ یہ فرما رہے ہیں کہ آج کے بعد سے عدالت میں منطق کا داخلہ ممنوع قرار دے دیا جائے؟'' میں نے وکیل استغاثہ پر ایک گہری چوٹ کی۔

اس سے پہلے کہ ہم آپس میں الجھ پڑتے، جج نے مجھ سے مخاطب ہوتے ہوئے ایک انتہائی معقول سوال کیا۔''وکیل صاحب! آپ نے تھوڑی دیر پہلے کہا ہے کہ عدالت میں ہر بات کا ثبوت پیش کرنا پڑتا ہے۔ آپ نے مقتولہ اور ملزمہ کے شوہر کے حوالے سے جو بات کی ہے، اس سلسلے میں آپ کے پاس کوئی ٹھوس ثبوت ہے؟''

میں نے کھنکار کر گلا صاف کیا اور کہا۔''جناب عالی! میں اس تعلق اور سلسلے کی تفصیل بعد میں عدالتی کارروائی کے دوران میں بیان کروں گا۔ فی الحال اتنا بتاتا چلوں کہ میری موکلہ اپنے شوہر کی انہی بے راہ رویوں سے تنگ آ کر خلع کے فیصلے تک پہنچی تھی۔ کسی شوہر کے بارے میں اس کی بیوی کی رائے کو بڑی اہمیت حاصل ہوتی ہے۔ میری موکلہ اور اس مقدمے کی ملزمہ اپنے بیان میں ان معاملات کی قلعی کھول دے گی۔''

وکیل استغاثہ خفگی آمیز لہجے میں بولا۔''یور آنر! ملزمہ ایک خطرناک عورت ہے۔ اس نے اپنے جذبۂ انتقام کو سرد کرنے کے لئے مقتولہ کو موت کے گھاٹ اتارا ہے۔ لہٰذا اسے ضمانت پر رہا کرنا ٹھیک نہیں۔''

''جناب عالی!'' میں نے بڑے جوشیلے لہجے میں جج کو مخاطب کیا۔''میں براہِ راست اپنے فاضل دوست سے ایک سوال کرنا چاہتا ہوں۔''

وکیل استغاثہ کی ایک غلطی میرے ہاتھ لگ گئی تھی۔ جج نے میرے حسب منشا اجازت مرحمت فرما دی تو میں نے وکیل مخالف کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''آپ اس گھاٹ پر کھڑے کیا کر رہے تھے جہاں آپ کے دعوے کے مطابق میری موکلہ نے مقتولہ کو حوالہ موت کیا تھا؟''

''کیا مطلب ہے آپ کا؟'' وہ سٹ پٹا گیا۔

میں نے بڑی رسانیت سے کہا۔''مطلب سیدھا سادھا اور آسان ہے۔ آپ نے تھوڑی دیر پہلے معزز عدالت کے سامنے فرمایا ہے، ملزمہ بہت خطرناک عورت ہے۔ اس نے جذبۂ

انتقام کو ٹھنڈا کرنے کے لئے مقتولہ کو موت کے گھاٹ اتارا ہے۔ اتنے وثوق سے تو وہی شخص یہ دعویٰ کر سکتا ہے جو جائے وقوعہ یعنی موت کے گھاٹ پر بہ نفس نفیس موجود ہو۔ کیا خیال ہے آپ کا؟''

''آپ تو الفاظ پکڑنے کی کوشش کر رہے ہیں!'' وہ بوکھلاہٹ آمیز لہجے میں بولا۔

''عدالت میں کبوتر یا بٹیر نہیں پکڑے جاتے میرے فاضل دوست۔ یہاں الفاظ کا کھیل کھیلا جاتا ہے۔'' میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔''کیونکہ یہ الفاظ دلائل، حقائق، شہادت اور بیان کو جنم دیتے ہیں۔ معزز عدالت کے فیصلے بھی مختلف نوعیت اور مختلف تاثیر کے الفاظ پر ہی مبنی ہوتے ہیں۔ کسی مجرم کو سزا اور کسی بے گناہ کو جزا بھی انہی الفاظ کے ذریعے دی جاتی ہے۔ لہٰذا.....''

میں نے جملہ ادھورا چھوڑ کر ذرا توقف کیا پھر وکیل استغاثہ کے چہرے پر نگاہ جماتے ہوئے کہا۔''آپ کو بھی میں یہی مشورہ دوں گا کہ سوچ سمجھ کر اپنے منہ سے الفاظ نکالا کریں۔ کیونکہ جو الفاظ انسان کے قابو میں نہیں رہتے، دوسرے انہیں اپنے قابو میں لے آتے ہیں۔ آپ کی الفاظ پکڑنے کی شکایت جائز نہیں۔''

میں نے میٹھی چھری سے اچھے خاصے چرکے لگا دیئے تھے۔ وہ تلملا کر رہ گیا۔ برا سا چہرہ بناتے ہوئے جج سے کہنے لگا۔

''جناب عالی! وکیل صفائی بات کو الجھانے اور عدالتی کارروائی کو تاخیری حربوں سے روکنے کے لئے خاصے مشہور ہیں۔ یہ الفاظ کی بازی گری سے معاملے کو کچھ کا کچھ بنا دیتے ہیں۔''

وکیل استغاثہ کی اس بات کا کوئی سر پاؤں نہیں تھا۔ میں اس موقع پر کہاں چوکنے والا تھا۔ میں نے زیرلب مسکراتے ہوئے کہا۔

''کیا آپ یہ بات مجھے لکھ کر دینے کو تیار ہیں..... اپنے اصلی دستخط کے ساتھ؟ یقین جانئے، آپ کی یہ مختصر سی تحریر میرے لئے باعث افتخار ہو گی۔''

اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ میں کس نمبر کی ریتی سے اسے گھسنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ میں نے اس کی الجھن کے باوجود بھی جب کوئی وضاحت نہیں کی تو وہ خجالت آمیز نظر سے مجھے دیکھتے ہوئے بولا۔

''پہلے میں اس کیس سے نمٹ لوں، پھر آپ کی فرمائش بھی پوری کر دوں گا۔''

جج بڑی دلچسپی سے ہماری نوک جھونک ملاحظہ کر رہا تھا۔ میں نے فراخ دلی کی اداکاری

کرتے ہوئے دوستانہ لہجے میں وکیل استغاثہ سے کہا۔ میرا انداز مبہم اور معنی خیز تھا۔

''آپ کا بہت بہت شکریہ میرے فاضل دوست۔ یہی بات زیادہ مناسب ہو گی کہ ہم پہلے اس مقدمے کی نیا کو کسی کنارے لگا دیں۔ پھر آپ اس بات کی وضاحت کر دیں کہ میری موکلہ نے کس انتقامی جذبے کی تسکین کی خاطر بہ قول آپ کے مقتولہ کی جان لی ہے؟''

''اس میں ڈھکا چھپا کیا ہے۔ ملزمہ کو یہ شک تھا کہ اس کا شوہر مقتولہ میں دلچسپی لیتا ہے۔'' وہ مضبوط لہجے میں بولا۔ ''اسی بناء پر اپنے شوہر کے اسٹوڈیو میں بھی اچھا خاصا ہنگامہ مچایا تھا اور مقتولہ کو ایک زور دار چانٹا بھی رسید کر دیا تھا۔ یہ تمام واقعات ریکارڈ پر ہیں اور اس کے گواہ بھی موجود ہیں۔''

میں خاموشی اور گہری دلچسپی سے وکیل استغاثہ کی وضاحت سنتا رہا۔ میرا انداز ایسا ہی تھا کہ میں اس وقت دنیا کے عظیم اور سنگین انکشاف سے بہرہ مند ہو رہا ہوں۔ وہ اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے بولا۔

''ملزمہ کے دل میں موجود انتقامی جذبات نے اسے ایک انتہائی خطرناک قدم اٹھانے پر اکسایا اور اس نے مقتولہ کا قصہ تمام کر دیا...... تاکہ نہ رہے بانس اور نہ بجے بانسری۔''

''ویل ڈن!'' میں نے سراہنے والے انداز میں وکیل استغاثہ کو دیکھا، پھر جج سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔

''یور آنر! تھوڑی دیر پہلے معزز عدالت نے مجھ سے ایک بات کا ثبوت مانگا تھا اور میں نے سر دست وہ ثبوت فراہم کرنے کے سلسلے میں معذرت چاہی تھی۔ اللہ کا شکر ہے، وکیل استغاثہ نے میری مشکل آسان کر دی ہے...... میرا اشارہ مقتولہ اور ملزمہ کے شوہر کے مابین تعلقات کی جانب ہے۔''

وکیل استغاثہ اچھل پڑا۔ ''میں نے ایسا کیا کر دیا ہے؟'' بے ساختہ اس کی زبان سے نکلا۔

جج نے مجھ سے کہا۔ ''وکیل صاحب! آپ اپنی بات کی تھوڑی وضاحت کریں۔''

''تھینک یو یور آنر!'' میں نے گردن کو ذرا سا خم دیتے ہوئے کہا۔ ''معزز عدالت نے مقتولہ اور ملزمہ کے شوہر کے بیچ قائم شدہ تعلقات کا کوئی ٹھوس ثبوت فراہم کرنے کا حکم دیا تھا۔ وکیل استغاثہ نے اسٹوڈیو میں ہونے والے ہنگامے اور قتل کی اس واردات کو آپس میں نتھی کرنے کی کوشش کی ہے۔ میرے فاضل دوست کا دعویٰ ہے، ملزمہ نے انتقامی جذبے

سے مغلوب ہو کر مقتولہ کی جان لی ہے۔ یہ تمام تر کہانی تو یہ ظاہر کرتی ہے، مقتولہ اور ملزمہ کے شوہر کے درمیان واقعی کوئی سنجیدہ تعلق تھا...... گویا میں نے ایک حقیقت بیان کی تھی، مقتولہ کی کردار کشی نہیں۔''

''آپ اس سلسلے میں کیا کہتے ہیں وکیل صاحب؟'' جج نے وکیل استغاثہ سے پوچھا۔

وہ سنبھالا لیتے ہوئے بولا۔ ''یور آنر! میں نے ملزمہ کے شک کی بات کی ہے۔ جب کہ درحقیقت ایسا کوئی معاملہ نہیں تھا۔''

''یعنی آپ یہ کہنا چاہتے ہیں، ان دونوں کے درمیان اس نوعیت کا کوئی تعلق نہیں تھا جس کا اظہار وکیل صفائی نے کیا؟'' جج نے پوچھا۔

''ہاں، میں یہی کہنا چاہتا ہوں۔'' وہ سر کو اثباتی جنبش دیتے ہوئے بولا۔ ''ان کے بیچ ایک پروڈیوسر اور اداکارہ کا تعلق تھا لیکن ملزمہ کے بے جا شک نے ایک خطرناک فتنے کو جنم دیا...... اور اس کے بعد پیدا ہونے والی صورتِ حال سب کے سامنے ہے۔''

جج معنی خیز انداز میں سر ہلا کر خاموش ہو گیا، گویا اس نے وکیل استغاثہ کو فارغ کر دیا۔ میں نے اس فارغ شخص کو فوراً پکڑ لیا۔

''میرے فاضل دوست! آپ نے تھوڑی دیر پہلے معزز عدالت کے روبرو فرمایا ہے کہ ملزمہ نے اپنے انتقامی جذبے کی تسکین کے لئے مقتولہ کا قصہ تمام کر دیا تاکہ...... نہ رہے بانس اور نہ بجے بانسری۔'' میں سانس لینے کی خاطر متوقف ہوا، پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ ''آپ کے اس حکمت بھرے جملے سے تو یہی ظاہر ہے کہ ملزمہ نے ایک خاص مقصد کے حصول کے لئے مقتولہ کی جان لی تاکہ اس کا شوہر محفوظ ہو جائے...... یعنی وہ صرف اسی کا ہو کر رہے۔''

''ہر بیوی کی یہی خواہش...... یہی کوشش ہوتی ہے۔'' وہ ایک ایک لفظ پر زور دے کر بولا۔

میں نے کہا۔ ''ہاں، ہر اس بیوی کی جو اپنے شوہر کے ساتھ ہنسی خوشی رہنا چاہتی ہے۔''

وہ تامل کرتے ہوئے بولا۔ ''تو......؟''

''تو...... یہ کہ یہاں صورتِ حال مختلف ہے۔'' میں نے گمبھیر انداز میں کہا۔

''کیا مختلف ہے؟'' وہ روانی میں بول گیا۔

میں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ ''شاید آپ نے عدالتی کارروائی کو غور سے نہیں سنا۔ میں تھوڑی دیر پہلے معزز عدالت کو بتا چکا ہوں کہ میری موکلہ اپنے شوہر کی شکل دیکھنے کی روادار

نہیں، ایک ساتھ ہنسی خوشی زندگی بسر کرنا تو بہت دور کی بات ہے۔ آپ نے خلع کے مقدمے کا ذکر نہیں سنا میرے فاضل دوست؟''

آخری جملہ میں نے بڑے چبھتے ہوئے انداز میں ادا کیا تھا۔ وہ چونک اٹھا۔ غالباً اسے ہوش آ گیا تھا، جلدی سے بولا۔

''وہ دوسرا معاملہ ہے۔''

وہ مجھ سے کنی کاٹتے ہوئے جج سے مخاطب ہو کر بولا۔ ''جناب عالی! وکیل صفائی اِدھر اُدھر کی بحث میں پڑ کر اصل معاملے کی طرف سے توجہ ہٹانا چاہتے ہیں۔ یہ ان کا ہمیشہ سے وطیرہ رہا ہے۔ لہٰذا میں معزز عدالت سے ایک مرتبہ پھر استدعا کرتا ہوں کہ ملزمہ کی ضمانت کو رد کرتے ہوئے پولیس کو اپنی تفتیش مکمل کرنے کا موقع فراہم کیا جائے۔''

''یور آنر!'' وکیل استغاثہ کے خاموش ہوتے ہی میں بول پڑا۔ ''میری موکلہ قطعی بے گناہ ہے۔ ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت اسے قتل کے اس مقدمے میں گھسیٹنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ قتل کا محرک جذباتی حسد بیان کیا جا رہا ہے۔ میری موکلہ پر الزام ہے کہ اس نے اپنے شوہر کو محفوظ رکھنے کے لئے مقتولہ کو راستے سے ہٹایا ہے۔ جبکہ صورتِ حال کسی اور ہی جانب اشارہ کر رہی ہے۔''

میں نے لمحاتی توقف کیا پھر ضمانت کی حمایت میں دلائل کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے مزید کہا۔ ''جناب عالی! فی الحال میں تفصیل میں نہیں جانا چاہتا۔ تاہم میری موکلہ کی طرف سے دائر خلع کا کیس اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ اپنے شوہر کے ساتھ رہنے کی خواہش مند نہیں ہے۔ نیز اس کی بیٹی نے جس طرح باپ کو چھوڑ کر اس کا ساتھ دیا ہے، اس سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ماں بیٹی اب اس گھر میں جانے اور وہاں زندگی گزارنے کے حق میں ہرگز نہیں ہیں۔ اس روشنی میں میری موکلہ کا کسی قتل میں ملوث ہونا سمجھ میں آنے والی بات نہیں۔ واقعات و حالات کا جائزہ تو بعد میں عدالتی کارروائی کے دوران ہی میں لیا جائے گا۔ سر دست میں معزز عدالت سے پُر زور اپیل کرتا ہوں کہ میری موکلہ کی ضمانت منظور کرتے ہوئے اس کی ہتھ کڑی کھولنے کے احکام صادر کئے جائیں تاکہ انصاف کے تقاضے پورے ہو سکیں۔ دیٹس آل یور آنر۔''

''جناب عالی!'' وکیل استغاثہ نے ضمانت رکوانے کے لئے ایک مرتبہ پھر زور مارنا چاہا۔ ''ملزمہ ایک خطرناک عورت ہے۔ اس نے مقتولہ کو عبرتناک انجام سے دوچار کرنے کے لئے اس کی جان لی ہے......''

جج نے بہ غور اسے دیکھا اور پوچھا۔ ''یہ باتیں آپ پہلے بھی کر چکے ہیں۔ ضمانت کی مخالفت میں آپ کچھ اور کہنا چاہتے ہیں؟''

وہ بولا۔ ''جناب عالی! پولیس ابھی تک آلہ قتل برآمد نہیں کر سکی۔ اگر ملزمہ کی ضمانت منظور کر لی گئی تو تفتیش کے راستے میں بہت سی رکاوٹیں کھڑی ہو جائیں گی۔''

جج نے معنی خیز انداز میں پہلے مجھے دیکھا پھر اس کی نگاہ وکیل استغاثہ پر جا ٹکی۔ ہم دونوں بڑے انہماک سے اس کے بولنے کا انتظار کرنے لگے۔ ہمیں بہ غور دیکھنے کے بعد وہ اپنی میز پر پھیلے ہوئے کاغذات کا جائزہ لینے لگا۔ ان کاغذات میں میری موکلہ کی ضمانت کے کاغذات بھی شامل تھے۔

تھوڑی دیر بعد جج نے گردن اٹھائی اور میری موکلہ کی ضمانت کو نامنظور کرتے ہوئے اس کیس کی ملزمہ کو سات روزہ ریمانڈ پر پولیس کی تحویل میں دے دیا۔ اس کے ساتھ ہی جج نے بڑے واضح الفاظ میں انکوائری آفیسر کو تنبیہ بھی کر دی کہ ریمانڈ کی مدت کے دوران میں ملزمہ کے ساتھ کسی قسم کا ناروا سلوک نہ کیا جائے۔

ہم عدالت سے باہر آئے تو لیڈی ڈاکٹر نے مجھ سے کہا۔

''وکیل صاحب! میری دوست کی تو ضمانت نہیں ہو سکی۔ یہ بیٹھے بٹھائے کس آفت کی زد میں آ گئی ہے؟'' میری موکلہ کی وہ دوست اس کی بیٹی کے ساتھ اس دن عدالت آئی تھی اور وہیں اس نے اپنا تعارف کرایا تھا۔

میری موکلہ کی نوجوان بیٹی بھی اس کے ساتھ تھی اور خاصی آزردہ خاطر نظر آتی تھی۔ میں نے ان کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے لیڈی ڈاکٹر سے کہا۔

''قتل کے ملزمہ کی ضمانت کے امکانات ایک فیصد سے زیادہ نہیں ہوتے۔ تاہم آج کی کارروائی بڑی تسلی بخش رہی ہے۔ میں نے اپنی موکلہ کے حق میں ایک کشادہ راہ بچھا دی ہے۔ ان شاء اللہ کامیابی ہی حصے میں آئے گی۔''

ملزمہ کی بیٹی نے بڑی امید بھری نظر سے مجھے دیکھا اور پوچھ بیٹھی۔ ''وکیل صاحب! میری ممی کو سزا تو نہیں ہو گی نا؟''

اس کے اس مختصر سے سوال میں زمانے بھر کا کرب چھپا ہوا تھا۔ میں نے شفقت بھری نگاہ سے اسے دیکھا اور تسلی آمیز لہجے میں کہا۔ ''نہیں بیٹا! تمہاری ممی اس کیس سے باعزت بری ہو جائے گی۔ تم اس کے لئے دعا کرنا۔ اور اگر تمہاری گواہی کی ضرورت پیش آئی تو میں تمہیں عدالت میں بھی پیش کروں گا۔ تم بے خوف و خطر سب کچھ سچ سچ بتا دینا۔''

وہ میری تشفی بھری باتوں سے بڑی حد تک مطمئن نظر آنے لگی اور خاموشی سے اثبات میں سر ہلا کر رہ گئی۔ میں لیڈی ڈاکٹر کی جانب متوجہ ہو گیا اور گہری سنجیدگی سے کہا۔

''اس ایک ہفتہ کے ریمانڈ کے دوران میں ہمیں ہاتھ پر ہاتھ رکھے نہیں بیٹھے رہنا۔ کیس کی تیاری کے لئے تھوڑا ہوم ورک اور تھوڑا فیلڈ ورک کرنے کی ضرورت ہے۔'' وہ بڑی توجہ سے میری بات سن رہی تھی۔ میں نے مزید کہا۔ ''ہوم ورک میرے فرائض کا حصہ ہے جب کہ فیلڈ ورک میں مجھے آپ کے اور ملزمہ کے بھائی کے تعاون کی ضرورت ہے۔''

وہ بولی۔ ''میں ہر طرح کے تعاون کے لئے تیار ہوں۔ لیکن ملزمہ کے بھائی کے بارے میں، میں کچھ نہیں جانتی وہ کہاں رہتا ہے، کیا کرتا ہے اور آیا یہ کہ وہ تعاون کے لئے تیار بھی ہوتا ہے یا نہیں۔ میری معلومات کے مطابق ان بہن بھائی کے تعلقات خاصے کشیدہ تھے۔''

''تعاون والا معاملہ آپ مجھ پر چھوڑ دیں۔'' میں نے اس کی مشکل آسان کرتے ہوئے کہا۔ ''آپ آج یا کل کسی وقت اس شخص کو اپنے ساتھ لے کر میرے دفتر آ جائیں۔ میں تفصیل سے سمجھا دوں گا کہ آپ لوگوں نے کس نوعیت کا فیلڈ ورک کرنا ہے۔ میں سہ پہر کے بعد سے رات آٹھ بجے تک اپنے دفتر میں موجود ہوتا ہوں۔'' میں نے تھوڑا توقف کیا پھر اضافہ کرتے ہوئے کہا۔ ''آپ اپنی دوست کے بھائی کا ایڈریس نوٹ کر لیں۔''

پھر میں نے غریب آباد میں رہائش پذیر ملزمہ کے بھائی کا پتہ اور فون نمبر لیڈی ڈاکٹر کو نوٹ کروا دیا۔ وہ دفتر آنے کا وعدہ کر کے رخصت ہو گئی۔ میں پارکنگ میں موجود اپنی گاڑی کی جانب بڑھ گیا۔

آئندہ روز حسب وعدہ لیڈی ڈاکٹر ملزمہ کے بھائی کے ہمراہ میرے دفتر آ گئی۔ ملزمہ کی بیٹی بھی ان کے ساتھ تھی۔ میں نے حالات و واقعات کو دیکھتے ہوئے بڑی تفصیل سے ان تینوں کو ان کے فرائض سے آگاہ کر دیا۔ انہوں نے مجھے اپنے تعاون کا یقین دلایا۔

ملزمہ کا بھائی ایک دُبلا پتلا، دراز قامت شخص تھا۔ اس نے ہلکی پھلکی داڑھی بھی رکھی ہوئی تھی۔ اپنی بات چیت اور چہرے کے تاثرات سے وہ اکھڑ مزاج اور غصیلا لگتا تھا تاہم میں نے اس کی شخصیت میں ایک خاص بات نوٹ کی اور وہ یہ کہ وہ اصول کا بندہ تھا۔ قانون و قاعدے کے پابند لوگ تھوڑے کرخت اور سخت مزاج ہی ہوا کرتے ہیں۔ میں نے اسے صورت کی نزاکت کا احساس دلایا تو وہ فوراً بہن کی مدد کرنے پر تیار ہو گیا۔

الغرض ریمانڈ کی مدت پوری ہونے تک ان تینوں نے میری مطلوبہ معلومات مجھ تک پہنچا دیں۔ میں نے اس دوران میں کیس کی تحریری اور تقریری تیاری کر لی تھی لہٰذا میں اس

طرف سے مطمئن ہو گیا۔ اب جو بھی ہونا تھا، آئندہ پیشی پر ہی ہونا تھا۔

☆☆☆

ایک ہفتے بعد پولیس نے عدالت میں چالان پیش کر دیا۔

اس چالان یعنی استغاثہ کے موقف کو میں اختصار سے بیان کروں گا تاکہ عدالتی کارروائی کے دوران میں میری موکلہ پر عائد کردہ الزام پر روشنی پڑ سکے اور اس روشنی میں کیس کے سارے زاویئے نمایاں طور پر ابھر کر سامنے آ سکیں۔

استغاثہ کے مطابق اس قتل کا محرک ملزمہ کا شک تھا جو وہ اپنے شوہر پر کرتی تھی۔ اس کے خیال میں اس کا شوہر شوبز کی عورتوں کے ساتھ ملوث تھا اور انہی عورتوں میں ایک مقتولہ بھی تھی۔ مقتولہ کی طرف سے ملزمہ کو کچھ زیادہ ہی تشویش تھی۔ اسے یوں نظر آ رہا تھا اگر اس نے روک تھام نہ کی تو اس کا شوہر مقتولہ سے شادی کر لے گا۔ چنانچہ جب یہ معاملہ اس کی برداشت سے باہر ہو گیا تو وہ اپنے شوہر کے اسٹوڈیو پہنچ گئی اور وہاں جو ہنگامہ آرائی ہوئی اس کی تفصیلات الگ سے درج تھیں۔

استغاثہ کے مطابق، ملزمہ کے شوہر نے اس اقدام کا سنجیدہ نوٹس نہ لیا اور یہی وضاحت پیش کرتا رہا کہ ان کے بیچ کوئی قابل اعتراض تعلق نہیں۔ شوبز کی دنیا میں اس پیشے سے منسلک خواتین سے میل جول اس کی مجبوری اور پیشے کا تقاضا ہے لہٰذا وہ کسی قسم کے شک و شبے میں نہ پڑے۔ مگر ملزمہ کو اس صفائی کا یقین نہ آیا اور چند روز بعد اس نے موقع پا کر مقتولہ تک رسائی حاصل کی اور اس کے جسم میں تین گولیاں اتار کر اسے موت کی نیند سلا دیا۔ استغاثہ کے دعوے کے مطابق میری موکلہ وقوعہ کے روز دوپہر دو بجے کے بعد مقتولہ کے فلیٹ پر پہنچی تھی اور تین بجے سے پہلے وہاں سے رخصت ہو گئی تھی۔ اس کی آمد و شد کا عینی شاہد بھی موجود تھا۔ علاوہ ازیں ملزمہ کے فنگر پرنٹس اس فلیٹ میں کئی مقامات پر پائے گئے تھے۔ پولیس نے ''کوشش'' کر کے آلۂ قتل بھی برآمد کر لیا تھا جو کہ اعشاریہ تین آٹھ کا ایک ریوالور تھا۔ آلۂ قتل اسی فلیٹ کی ایک ڈسٹ بن کے اندر سے ملا تھا۔ اس ڈسٹ بن میں کچرا بھرا ہوا تھا۔

پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کے مطابق مقتولہ کی موت تیرہ مئی کے دن دو اور چار بجے کے درمیان واقع ہوئی تھی۔ مقتولہ پر تین فائر کئے گئے تھے۔ پہلا فائر پیشانی پر، دوسرا فائر سینے میں عین دل کے مقام پر اور تیسرا پیٹ میں۔ یہ تینوں فائر پے در پے کئے گئے تھے اور فائر کرنے والا یعنی قاتل، مقتولہ سے تین چار فٹ کے فاصلے پر رہا تھا۔ پوسٹ مارٹم کی رپورٹ

کے مطابق، مقتولہ کی موت دل یا دماغ میں لگنے والی گولیوں میں سے کسی ایک کے سبب واقع ہوئی تھی۔ اغلب امکان پیشانی میں دھنسنے والی گولی کو ظاہر کیا گیا تھا۔ پہلے دو فائرز میں چار سے پانچ سیکنڈ کا وقفہ بتایا گیا تھا۔ یہ اتنی قلیل مدت تھی کہ ان فائرز کو پے در پے ہی کہا جا سکتا تھا۔

منصف اپنی مخصوص سیٹ پر براجمان ہو چکا تو عدالت کی باقاعدہ کارروائی کا آغاز ہوا۔ استغاثہ کے موقف اور چالان کا میں ذکر کر چکا ہوں۔ سب سے پہلے اس کیس کا انکوائری آفیسر اپنی کارکردگی کی تفصیل بتانے کٹہرے میں آیا اور ایک چھوٹے سے بیان کے بعد مختلف نوعیت کی واقعاتی شہادتوں کی وضاحت کرنے لگا۔ برآمد شدہ آلہ قتل، اعشاریہ تین آٹھ کا ریوالور سیلوفین تھیلی کے اندر جج کی میز پر رکھا تھا۔

انکوائری آفیسر اپنے حصے کا کام نمٹا چکا تو میں جج سے اجازت حاصل کرنے کے بعد اس کے کٹہرے کی جانب بڑھ گیا۔ وہ انکوائری آفیسر اپنے رینک کے اعتبار سے ایک سب انسپکٹر تھا اور خاصا اسمارٹ دکھائی دیتا تھا۔

''تفتیشی افسر صاحب!'' میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے سوال کیا۔ ''آپ کو اس واردات کی اطلاع کب اور کیسے ملی تھی؟''

اس نے کھنکار کر گلا صاف کیا اور بولا۔ ''پولیس روزنامچے کے مطابق اس واقعے کی اطلاع ہمیں بذریعہ فون سہ پہر تین بجے ملی تھی۔ یہ فون ایک عمر رسیدہ خاتون نے کیا تھا جو جائے واردات کے قریب ہی رہائش پذیر ہے۔''

''ٹھیک ہے آئی او صاحب۔'' میں نے سوالات کے سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''آپ کتنے بجے جائے وقوعہ پر پہنچ گئے تھے؟'' ایک لمحے کو رک کر میں نے اضافہ کیا۔ ''اور یہ بھی بتاتے چلیں، اطلاع فراہم کرنے والی خاتون نے آپ سے کیا کہا تھا؟''

اس نے ناگواری سے مجھے دیکھا لیکن جواب دینا اس کی مجبوری تھی، لہٰذا بلا تردّد بتایا۔ ''میں دو کانسٹیبلز کے ساتھ ساڑھے تین بجے وقوعہ پر پہنچا تھا اور ...... اطلاع دینے والی بڑی بی کے الفاظ تھے، یہاں قتل کی ایک واردات ہوگئی ہے۔ آپ فوراً پہنچیں۔''

اس کے جواب پر میں زیرلب مسکرایا اور پوچھا۔ ''پھر جب آپ موقع واردات پر پہنچے تو وہاں واقعی ایک قتل ہو چکا تھا۔ مقتولہ اپنے بیڈ پر مردہ پڑی تھی۔ اس کے جسم میں اعشاریہ تین آٹھ کیلی برکی تین گولیاں اتاری جا چکی تھیں، بالترتیب کھوپڑی، دل اور پیٹ میں۔ میں کچھ غلط تو نہیں کہہ رہا ہوں؟''

''آپ حقیقت بیان کر رہے ہیں۔'' وہ سنجیدگی سے بولا۔

میں نے پوچھا۔ ''آپ کو یہ کیسے پتہ چلا کہ وہ قتل میری موکلہ نے کیا ہے؟''

''ہمیں موقع پر ایک ایسا بندہ مل گیا تھا جس نے انہی اوقات میں ملزمہ کو مقتولہ کے گھر جاتے اور آتے ہوئے دیکھا تھا۔ وہ شخص ملزمہ کو جانتا تھا۔ اسی کی زبانی ہمیں پتہ چلا، ملزمہ ایک معروف ٹی وی پروڈیوسر کی بیوی ہے۔'' ایک لمحے کے توقف سے اس نے اضافہ کرتے ہوئے بتایا۔ ''اب وہ شخص استغاثہ کے گواہوں میں شامل ہے۔''

اس شخص کا ذکر پولیس رپورٹ اور استغاثہ میں موجود تھا۔ وکیل استغاثہ نے میری موکلہ کی ضمانت رکوانے کے لئے اس کا حوالہ بھی دیا تھا۔ میں نے جرح کے سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے استفسار کیا۔

''اس کے بعد آپ نے کیا کیا؟''

''ہم سیدھے مذکورہ پروڈیوسر کے بنگلے پر پہنچ گئے۔'' اس نے بتایا۔ ''مگر وہاں جا کر پتہ چلا، ملزمہ کافی دنوں سے وہ گھر چھوڑ کر جا چکی تھی۔''

''یہ اطلاع آپ کو کس نے فراہم کی تھی؟''

''ٹی وی پروڈیوسر کے ایک گھریلو ملازم نے۔''

''کیا اسی ملازم نے لیڈی ڈاکٹر کے بنگلے کے بارے میں آپ کو بتایا تھا؟''

''نہیں، وہ ملزمہ کی موجودہ قیام گاہ سے آگاہ نہیں تھا۔'' انکوائری آفیسر نے جواب دیا۔ ''پولیس کی بات سننے کے بعد اس نے اپنے مالک یعنی پروڈیوسر کو فون کیا اور اسے صورتِ حال کے بارے میں بتایا۔ ٹی وی پروڈیوسر سے ہمیں معلوم ہوا کہ ملزمہ کہاں دستیاب ہوگی۔ پھر ٹھیک پانچ بجے ہم نے اسے لیڈی ڈاکٹر کے بنگلے واقع گلشن اقبال سے گرفتار کرلیا۔''

میں نے پوچھا۔ ''پروڈیوسر کو اس واقعے کے بارے میں بتانے کے لئے ملازم نے کہاں فون کیا تھا؟'' پھر ایک لمحے کے توقف سے میں نے مزید کہا۔ ''اور کتنے بجے؟''

''اس کے اسٹوڈیو میں۔'' تفتیشی افسر نے جواب دیا۔ ''ہم سوا چار بجے وہاں پہنچے تھے اور میرے خیال میں چار بیس پر پروڈیوسر کو فون کیا گیا تھا۔''

''ٹی وی پروڈیوسر نے اس واقعے کی خبر پا کر کیا ردِعمل ظاہر کیا تھا؟''

''اس نے سنتے ہی غصے میں کہا تھا...... یہ کم بخت باز نہیں آئی۔ حالانکہ میں نے اسے سختی سے منع بھی کیا تھا۔ اب بھگتے خود ہی۔'' انکوائری آفیسر نے بہ آواز بلند کہا۔

میں نے اس کے چہرے پر نگاہ جماتے ہوئے خیال آرائی کی۔ ''تفتیشی افسر صاحب!

ملزمہ کے پروڈیوسر شوہر کے الفاظ سے خاصی الجھن پیدا ہو رہی ہے، مثلاً کم بخت باز نہیں آئی، سختی سے منع کیا تھا اور بھگتنے جیسے الفاظ واضح طور پر کسی فریق کی جانب اشارہ نہیں کرتے۔ ممکن نظر آتا ہے، پروڈیوسر نے یہ الفاظ اپنی بیوی کے لئے استعمال کئے ہوں اور یہ بھی ناممکن دکھائی نہیں دیتا کہ اس کے غصے کا نشانہ مقتولہ ہو۔ بہر حال......''

وہ قطع کلامی کرتے ہوئے تیز آواز میں بولا۔ ''وکیل صاحب! اس بات میں کسی شک و شبے کی گنجائش نہیں کہ ٹی وی پروڈیوسر کا وہ غصیلا اظہارِ خیال اپنی بیوی ہی کے لئے تھا۔''

''اچھا......'' میں نے بڑی رسانیت سے کہا۔ ''چلو، میں آپ کی بات مان لیتا ہوں۔'' ذرا رک کر میں نے اضافہ کیا۔ ''اس روشنی میں تو پھر بالکل واضح نظر آ رہا ہے کہ ملزمہ کے شوہر کو اس واردات کا پہلے سے اندیشہ تھا۔''

وہ پُر جوش انداز میں بولا۔ ''بالکل یہی بات ہے وکیل صاحب۔ ٹی وی پروڈیوسر کے اسٹوڈیو میں ملزمہ نے مقتولہ کے خلاف جو ہنگامہ آرائی کی تھی، وہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں۔ اس نے مقتولہ کو نہ صرف ایک زوردار تھپڑ مارا تھا بلکہ بڑے سنگین الفاظ میں یہ دھمکی بھی دی تھی کہ اگر مقتولہ اپنی حرکتوں سے باز نہ آئی تو اسے اپنے راستے سے ہٹانے کے لئے وہ کچھ بھی کر سکتی ہے...... اور بالآخر ملزمہ نے اپنی دھمکی پر عمل کر کے بھی دکھا دیا۔''

وہ خاموش ہو کر فاتحانہ نگاہ سے مجھے دیکھنے لگا، پھر اپنی بات مکمل کرتے ہوئے بولا۔ ''ٹی وی پروڈیوسر اپنی بیوی کے خطرناک عزائم سے غافل نہیں تھا۔ اسی لئے جب اس نے سنا کہ طارق روڈ والے فلیٹ پر قتل کی ایک واردات ہو گئی اور قتل ہونے والی لڑکی وہی ٹی وی آرٹسٹ ہے جو اس کی بیوی کو ایک آنکھ نہیں بھاتی تھی۔ علاوہ ازیں جائے وقوعہ پر ملزمہ کی آمد و شد بھی نوٹ کی گئی ہے تو اس نے بے اختیار یہ الفاظ استعمال کئے، یہ کم بخت باز نہیں آئی......!''

انکوائری آفیسر نے من و عن وہ الفاظ ایک مرتبہ پھر دوہرا دیئے۔

میں نے سوالات کے سلسلے کو سمیٹتے ہوئے کہا۔ ''آئی او صاحب! پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کے مطابق مقتولہ کی موت انہی تین گولیوں میں سے پہلی دو گولیوں کے سبب واقع ہوئی ہے جو اعشاریہ تین آٹھ کے ریوالور سے چلائی گئی تھیں۔ آلہ قتل کی لیبارٹری رپورٹ بھی اس بات کی تصدیق کرتی ہے۔ لہٰذا اس بات پر کسی بحث و مباحثے کی گنجائش نہیں۔ آپ سے میرا سوال یہ ہے کہ آلہ قتل کب برآمد کیا تھا؟ کیونکہ ملزمہ کی گرفتاری اور عدالت میں پیشی تک تو آلہ قتل آپ کی دسترس میں نہیں پہنچا تھا۔''

''آلہ قتل ہم نے سترہ مئی کو برآمد کیا تھا۔''

''میری معلومات کے مطابق کچرے کے ایک ڈسٹ بن میں سے وہ ریوالور ملا تھا جس سے فائرنگ کر کے مقتولہ کو موت کے گھاٹ اتارا گیا تھا۔ کیا آپ معزز عدالت کو بتائیں گے، مذکورہ ڈسٹ بن کہاں پڑی تھی؟''

''مقتولہ کے فلیٹ پر۔'' اس نے الجھی ہوئی نظر سے مجھے دیکھا۔

میں نے کہا۔ ''آپ نے جائے وقوعہ کی تو اچھی خاصی تلاشی لے لی تھی لیکن تیرہ مئی کو آلہ قتل آپ کے ہاتھ نہیں آ سکا تھا۔ کیا آپ نے اس ڈسٹ بن کو کھکھوڑنے کی کوشش کی تھی؟''

''وہ ڈسٹ بن ابتدائی تلاشی میں کسی طرح نظر سے رہ گئی تھی۔'' اس نے سرسری انداز میں کہا۔ ''بہر حال دوبارہ تفصیلی تلاشی پر آلہ قتل ہمارے ہاتھ آ گیا۔''

میں نے کہا۔ ''انکوائری آفیسر صاحب! جس مقام پر بہیمانہ قتل کی کوئی ایسی واردات ہو جاتی ہے پولیس کچھ عرصے کے لئے اس گھر کو سیل کر دیتی ہے تاکہ قانونی کارروائی میں کسی قسم کی رکاوٹ پیدا نہ ہو۔ کیا آپ نے بھی مذکورہ فلیٹ کو سیل کر دیا تھا؟''

اس نے اثبات میں جواب دیا۔ میں نے پوچھا۔ ''اس کا مطلب ہے، تیرہ مئی اور سترہ مئی کے درمیانی وقفے میں کوئی شخص اس فلیٹ میں داخل نہیں ہوا؟''

''سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔'' وہ قطعیت سے بولا۔ ''ہم نے بڑے بندوبست سے اس فلیٹ کو مقفل کیا تھا۔''

میں نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ''تو اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آلہ قتل اس وقت بھی مذکورہ ڈسٹ بن میں موجود تھا جب آپ نے پہلی مرتبہ جائے واردات کو کھنگالا تھا۔ یہ الگ بات کہ اس ڈسٹ بن کی طرف اتفاق سے آپ کا دھیان نہیں گیا تھا؟''

''جی ہاں، بالکل یہی بات ہے۔'' اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

میں نے سوالات کا زاویہ تبدیل کر دیا۔ ''تفتیشی افسر صاحب! جائے وقوعہ پر جابجا ملزمہ کے فنگر پرنٹس پائے گئے ہیں۔ کیا آپ کو آلہ قتل پر ملزمہ کی انگلیوں کے نشانات ڈھونڈنے میں کوئی کامیابی حاصل ہوئی؟''

اس نے چونک کر مجھے دیکھا اور بولا۔ ''حیرت انگیز طور پر آلہ قتل پر ملزمہ کی انگلیوں کے نشانات نہیں ملے۔ لیبارٹری رپورٹ بھی اسی جانب اشارہ کرتی ہے۔''

''اس سے کیا ظاہر ہوتا ہے؟''

''ظاہر ہے، ملزمہ نے ریوالور کو ڈسٹ بن میں پھینکنے سے پہلے اس پر سے اپنی انگلیوں کے پرنٹس صاف کر دیئے ہوں گے۔'' اس نے جواب دیا۔

''کر دیئے ہوں گے یا کر دیئے تھے؟''

''کر دیئے تھے!''

''مجھے اور کچھ نہیں پوچھنا جنابِ عالی!'' میں نے جج کی جانب رخ پھیرتے ہوئے کہا۔

استغاثہ کا اگلا گواہ وہ عمر رسیدہ بیوہ تھی جس نے پولیس کو اس واقعے کی اطلاع دی تھی۔ اس کی عمر ستّر سے متجاوز تھی۔ صحت غیر اطمینان بخش اور کمر جھکی ہوئی تھی۔ بنیادی طور پر وہ پستہ قامت تھی اور کمر کے جھکاؤ کے باعث وہ کوئی بچی ہی نظر آتی تھی... قد کے حوالے سے! بڑی بی نے سچ بولنے کا حلف اٹھایا اور اپنا بیان ریکارڈ کروا دیا۔ وکیل استغاثہ نے اس پر رسمی سی جرح کی پھر میری باری آ گئی۔ میں گواہ والے کٹہرے کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا۔

''محترمہ!'' میں نے گواہ کو شائستگی سے مخاطب کیا۔ ''میری معلومات کے مطابق آپ مقتولہ کے پچھواڑے رہائش پذیر ہیں ...... میرا مطلب ہے آپ دونوں کی عمارتوں کے درمیان ایک تنگ سی گندی گلی موجود ہے جس میں انسانوں سے زیادہ آوارہ کتے بلیوں کی آمدورفت جاری رہتی ہے۔ آپ دونوں کے فلیٹس اپنی اپنی عمارت کے تھرڈ فلور پر واقع ہیں، اس طرح کہ دونوں عقبی حصے ایک دوسرے کے رخ پر ہیں۔ میں غلط تو نہیں کہہ رہا؟''

وہ ایک لمحے تک سوچتی ہوئی نظر سے مجھے دیکھنے کے بعد بولی۔ ''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ یہی پوزیشن بنتی ہے۔''

میں نے کہا۔ ''مقتولہ اس فلیٹ میں اکیلی رہتی تھی۔ کیا آپ بھی......؟''

میں نے دانستہ جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔ وہ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولی۔ ''جی۔''

ایک بات کی وضاحت کر دوں کہ میری موکلہ نے مجھے بتایا تھا کہ مقتولہ نے اسے اپنی کسی دوست کے فلیٹ پر بلایا تھا۔ تھوڑی تحقیق کے بعد میں نے یہ معلوم کر لیا تھا کہ اس فلیٹ میں مقتولہ ہی رہائش پذیر تھی۔ میری موکلہ کو اپنے پاس بلانے کے لئے اس نے غلط بیانی سے کام لیا تھا۔ اس فلیٹ سے متعلق مجھے چند مزید اہم باتیں بھی پتہ چلی تھیں جن کا ذکر بعد میں مناسب موقع پر آئے گا۔

میں نے گواہوں والے کٹہرے میں کھڑی بڑی بی پر توجہ مرکوز کر دی۔ اس کی عمر اور صحت کا تقاضا تھا کہ اسے جلد از جلد فارغ کر دوں لہٰذا میں اِدھر اُدھر کی باتیں چھوڑ کر مقصد پر آ گیا۔ اس عورت کے بارے میں، میں اچھا خاصا معلوم کر چکا تھا۔ ان معلومات کا موجودہ

کیس سے کوئی تعلق نہیں بنتا تھا۔

''محترمہ! پولیس کو اس واقعے کی اطلاع آپ نے دی تھی۔ معزز عدالت یہ جاننا چاہتی ہے کہ آپ کو کیسے معلوم ہوا آپ کے عقبی فلیٹ میں قتل کی کوئی واردات ہو گئی ہے؟''

''میں نے اس فلیٹ میں فائرنگ اور چیخوں کی آوازیں سنی تھیں۔'' اس نے نحیف آواز میں بتایا۔

''فائرنگ اور چیخوں کی آوازیں......'' میں نے پُرخیال انداز میں اسی کے الفاظ کو دہرایا اور پوچھا۔ ''پہلے فائرنگ ہوئی تھی یا چیخوں کی آواز ابھری تھی؟''

وہ الجھن زدہ نظر سے مجھے دیکھنے لگی۔ میں نے جلدی سے کہا۔ ''ذرا اچھی طرح سوچ کر جواب دیجئے گا۔ یہ بہت اہم ہے۔''

وہ تھوڑی دیر متامل رہنے کے بعد مضبوط لہجے میں بولی۔ ''پہلے چیخیں ابھری تھیں اور پھر فائرنگ ہوئی تھی۔'' ایک لمحے کے توقف سے اس نے لرزتی ہوئی آواز میں اضافہ کیا۔ ''یکے بعد دیگرے تین گولیاں چلی تھیں۔''

''ٹھیک ہے......'' میں نے اس کے چہرے کے تاثرات کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔ ''ایک مرتبہ پھر آپ اپنے ذہن پر زور ڈالیں، یادداشت کو کھنگالیں اور معزز عدالت کو بتائیں کہ وقوعہ کے روز آپ کے پچھواڑے والے مقتولہ کے فلیٹ میں فائرنگ سے پہلے چیخیں سنائی دی تھیں یا محض چیخ کی آواز ابھری تھی؟''

''آبجیکشن یور آنر!'' وکیل استغاثہ نے فوراً مداخلت کر ڈالی۔ ''میرے فاضل دوست خواہ مخواہ کے سوالات کر کے معزز گواہ کو ہراساں کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ انہیں گواہ کی عمر کا بھی کچھ احساس نہیں ......کوئی حد ہوتی ہے۔''

میں نے ترکی بہ ترکی کہا۔ ''مجھے گواہ کی عمر، صحت اور تکلیف کا پوری طرح احساس ہے اسی لئے میں اس پر اپنی جرح جلد از جلد مکمل کرنا چاہتا ہوں۔ لیکن اگر آپ یونہی رکاوٹ ڈالتے رہے تو مجھے نہیں لگتا میں انہیں فارغ کر سکوں گا ...... اور جہاں تک استغاثہ کی گواہ کو ہراساں کرنے کا تعلق ہے تو میں نے ایسی کوئی کوشش نہیں کی۔ آپ اپنے گواہ سے تصدیق کر سکتے ہیں۔''

وہ اس بروقت اور ''موثر'' چوٹ پر سلگ کر رہ گیا۔ تلملا کر بولا۔ ''اگر آپ گواہ کو ہراساں نہیں کر رہے تو پھر آپ بے تکے سوال کیوں اٹھا رہے ہیں؟ چیخ ابھری ہو یا چیخیں، اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟''

"بہت فرق پڑتا ہے میرے فاضل دوست!" میں نے تلخی سے کہا۔

جج مجھ سے مخاطب ہوتے ہوئے بولا۔ "وکیل صاحب! آپ لوگ آپس میں نہ الجھیں اور عدالت کی کارروائی کو آگے بڑھائیں۔"

"جنابِ عالی! یہ سارا الجھاؤ میرے فاضل دوست پیدا کر رہے ہیں۔" میں نے کہا۔

جج نے وکیل استغاثہ سے پوچھا۔ "کیا آپ کا گواہ وکیل صفائی کے سوال کا جواب دینے پر معترض ہے یا آپ کو اس میں کوئی قباحت نظر آ رہی ہے؟"

جج کا لہجہ قدرے سخت تھا، وکیل استغاثہ نے خفیف ہو کر کہا۔ "کوئی قباحت نظر نہیں آ رہی جنابِ عالی!"

"خاتون! وکیل صفائی آپ سے جو کچھ پوچھ رہے ہیں، اس کا درست جواب دیں۔" جج نے براہِ راست گواہ کو ہدایت دی۔

ہماری اس نوک جھونک نے بڑی بی کو خاصا نروس کر دیا تھا۔ وہ تو پہلے ہی بڑی اَپ سیٹ زندگی گزار رہی تھی۔ زندگی کا ساتھی عرصہ ہوا، ساتھ چھوڑ کر دوسرے جہاں کا باسی ہو گیا تھا۔ اولاد جوان ہوئی تو پرندوں کی مانند انہوں نے بھی گھونسلا چھوڑ دیا اور اپنی اپنی من پسند سمت میں پرواز کر گئے۔ اب وہ تھی اور اس کی تنہائی تھی! یہ زندگی بھی بھلا کوئی زندگی تھی!

میں نے اس قابلِ رحم بیوہ کی مشکل آسان کرتے ہوئے ایک مرتبہ پھر اپنے سوال کو دہرایا تو اس نے جواب دیا۔ "مجھے یاد پڑتا ہے، وہ ایک طویل نسوانی چیخ تھی ......خوف و دہشت میں ڈوبی ہوئی ایک درد انگیز چیخ۔"

"اور اس چیخ کے ساتھ ہی فائرنگ کی آواز گونج اٹھی تھی؟" میں نے سوالیہ انداز میں کہا۔

"جی ہاں......" اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ "پھر پے در پے فائر ہوئے تھے۔"

"اور آپ نے پولیس کو فون کھڑکا دیا تھا؟"

"یہ میرا فرض تھا۔"

"کیا آپ نے چیخنے والی کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا؟"

"نہیں......" وہ قطعیت سے بولی۔ "میرے بیڈروم کی کھڑکی سے مقتولہ کے بیڈروم کی کھڑکی دکھائی دیتی ہے۔ چیخ اور پھر فائرنگ کی آواز سننے کے بعد میں نے اپنے بیڈروم والی کھڑکی کھول کر دوسری طرف کا جائزہ لینے کی کوشش کی تھی لیکن مجھے مذکورہ کھڑکی بند ملی تھی۔ اس لئے میں مقتولہ کے بیڈروم میں جھانکنے میں ناکام رہی تھی۔"

میں نے جرح کے سلسلے کو جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "اس کا مطلب ہے آپ نے قاتل کی جھلک بھی نہیں دیکھی ہو گی۔ مقتولہ کے بدن میں تین گولیاں اتارنے والی شخصیت کے بارے میں آپ کچھ نہیں جانتیں؟"

اس نے اثبات میں جواب دیا۔ میں نے کہا۔ "گویا وہ قتل آپ کی نگاہ کے سامنے نہیں ہوا؟"

"جی ہاں، میں نے صرف ایک وحشت ناک نسوانی چیخ اور پے در پے تین فائرز کی آوازیں سنی تھیں۔" اس نے تصدیق کرنے والے انداز میں کہا۔ "یہ تو مجھے بعد میں معلوم ہوا کہ اس فلیٹ میں رہنے والی ٹی وی آرٹسٹ کو کسی نے قتل کر دیا ہے۔"

میں نے فاتحانہ نظر سے باری باری وکیل استغاثہ اور تفتیشی افسر کو دیکھا پھر روئے سخن استغاثہ کی جانب موڑتے ہوئے قدرے سخت لہجے میں پوچھا۔

"محترمہ! جب آپ نے چیخنے والی کی شکل نہیں دیکھی، فائرنگ کرنے والے کی صورت آپ کو نظر نہیں آئی تو پھر آپ نے یہ فتویٰ کیسے جاری کر دیا کہ اس فلیٹ میں قتل کی ایک واردات ہو گئی ہے؟"

وہ حیرت بھری نظر سے مجھے تکتے ہوئے بولی۔ "میں نے تو ایسا کوئی فتویٰ نہیں دیا۔"

اس کے جھریوں بھرے چہرے پر حیرت اور الجھن کی آمیزش نے ایک عجیب سا تاثر پیدا کر دیا تھا۔ میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے پوچھا۔

"کیا آپ نے پولیس کو اطلاع دیتے وقت یہ الفاظ استعمال نہیں کئے تھے...... یہاں قتل کی ایک واردات ہو گئی ہے، آپ فوراً پہنچیں؟"

"نن......نہیں......" وہ ہکلائی۔ "آ......آپ کو یہ بات کس نے بتائی ہے؟"

میں نے نشان دہی کرنے والے انداز میں انکوائری آفیسر کی جانب انگلی اٹھا دی۔

اس کے ساتھ ہی عدالت کا وقت ختم ہو گیا۔

⁂☆⁂

آئندہ پیشی پر استغاثہ کی جانب سے تین گواہ عدالت میں پیش ہوئے۔ ان تینوں گواہوں کا تعلق پروڈیوسر کے اسٹوڈیو سے تھا اور گواہی میں اس بات پر زور دیا گیا تھا کہ ہنگامہ آرائی کے موقع پر ملزمہ نے مقتولہ کو نہ صرف ایک زوردار تھپڑ مارا تھا بلکہ خطرناک نتائج کی دھمکی بھی دی تھی۔

وکیل استغاثہ نے اس ایشو کو ممکنہ حد تک اچھالنے کی کوشش کی تھی کہ میری موکلہ نے

مقتولہ کو ایک خطرناک دھمکی دی تھی۔ گواہوں پر جرح کرتے ہوئے مختلف زاویوں سے وکیل مخالف نے ملزمہ کی دھمکی کو قتل کے عزائم سے تعبیر کرنے کی سعی کی۔ ان تین گواہوں میں ایک کیمرا مین، دوسرا میک اپ مین اور تیسرا اسسٹنٹ پروڈیوسر تھا۔ میں نے اول الذکر دو افراد کو سرسری جرح سے نمٹا دیا اور اسسٹنٹ پروڈیوسر کی ''خبر گیری'' شروع کر دی۔

استغاثہ کے گواہ اس اسسٹنٹ پروڈیوسر کی عمر چالیس کے قریب ہو گی۔ رنگ گہرا سانولا، قد متناسب اور بدن فربہ۔ چندیا صاف ہو چکی تھی تاہم کناروں پر بالوں کی ایک جھالر سی باقی تھی جو احساس دلاتی تھی کہ کبھی یہ کھیتی ہری بھری ہوا کرتی تھی۔ اس شخص کی ایک آنکھ میں تھوڑا عیب تھا جس کے سبب یہ معلوم ہوتا تھا جیسے وہ آپ کو نہیں بلکہ آپ کے دائیں بائیں کسی کو دیکھ رہا ہو۔

میں نے کھنکار کر گلا صاف کیا اور وٹنس باکس میں موجود اس ہٹے کٹے شخص سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔ ''آپ ابھی اسسٹنٹ کے طور پر کام کر رہے ہیں۔ مستقبل میں آپ بھی مکمل پروڈیوسر بن جائیں گے۔ اگر میں ابھی سے آپ کو پروڈیوسر کہنا شروع کر دوں تو آپ کو کوئی اعتراض تو نہیں ہو گا؟''

''نہیں صاحب! اس میں اعتراض والی کون سی بات ہے؟'' وہ سنجیدگی سے بولا۔

''میں نے کہا۔ ''پروڈیوسر صاحب! آپ کے باس اور ملزمہ کے شوہر نے دفتر کے نام پر ایک اچھا خاصا اسٹوڈیو بنا رکھا ہے۔ وہاں پر کس قسم اور کس نوعیت کی شوٹنگز ہوتی ہیں؟''

''ہم دفتر والے اسٹوڈیو میں شوٹنگ نہیں کرتے۔''

''پھر وہاں کیا کیا جاتا ہے؟''

''آڈیشن اور اسکرین ٹیسٹ وغیرہ۔'' اس نے جواب دیا۔

میں نے سادگی سے کہا۔ ''گویا وہ اسٹوڈیو ایک لیبارٹری کی حیثیت رکھتا ہے؟''

''آپ ایسا کہہ سکتے ہیں۔'' وہ مبہم سے انداز میں بولا۔

میں دانستہ اسسٹنٹ پروڈیوسر سے ملزمہ اور مقتولہ کے درمیان ہونے والی ہنگامہ آرائی کے بارے میں کچھ نہیں پوچھ رہا تھا، میں جانتا تھا اس قسم کے سوالات کا کوئی معقول جواب موصول نہیں ہو گا۔ گواہ مجھ سے اسی موضوع کی توقع کر رہا تھا۔ میری اس غیر متعلق گفتگو نے اسے الجھا کر رکھ دیا۔ وہ تھوڑی تھوڑی دیر بعد نگاہ اٹھا کر وکیل استغاثہ کو دیکھنے لگا۔

میں نے پوچھا۔ ''پروڈیوسر صاحب! آپ اپنے باس یعنی ملزمہ کے شوہر کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں؟''

''نہایت ہی بڑھیا!'' وہ ترنت بولا۔

''یعنی...... آپ کی رائے یا باس؟''

''میں باس کی بات کر رہا ہوں۔'' وہ گڑبڑا گیا۔

میں نے کہا۔ ''میں نے سنا ہے آپ کا باس اچھے کردار کا مالک نہیں؟''

''آپ نے بالکل غلط سنا ہے۔'' وہ جزبز ہوتے ہوئے بولا۔

''کیا اس سلسلے میں آپ ملزمہ کی رائے کو بھی رد کریں گے؟'' میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

''ملزمہ کا دماغ خراب ہے۔'' وہ جھنجلا کر بولا۔ ''اس کا شمار ان بیویوں میں ہوتا ہے جو بلاوجہ اپنے شوہروں کے کرداروں کو شک کی نظر سے دیکھتی ہیں اور بالآخر اپنی زندگی میں زہر گھول لیتی ہیں۔'' وہ ایک لمحے کا توقف کرنے کے بعد مزید بولا۔ ''میرے باس اس قسم کے آدمی نہیں ہیں جیسا انہیں بیان کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے ...... اور اس کوشش میں ملزمہ کا غالب ہاتھ نظر آتا ہے۔''

''کیا آپ ماہر نفسیات بھی ہیں؟'' میں نے رازدارانہ انداز میں کہا۔ ''یا دماغی ڈاکٹری میں کچھ کر رکھا ہے؟''

''میں سمجھا نہیں آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟'' وہ الجھن زدہ لہجے میں مستفسر ہوا۔

میں نے کہا۔ ''تھوڑی دیر پہلے آپ نے فتویٰ دیا ہے کہ میری موکلہ اور اس مقدمے کی ملزمہ کا دماغ خراب ہے۔ اس کے بعد آپ نے خرابی دماغ کی تفصیل بیان کی ہے۔ میں سمجھا کہیں آپ......؟''

میں نے دانستہ جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔ وہ تلملا کر بولا۔ ''میں نے وہ بات یوں کی تھی کہ ملزمہ اپنے شوہر کی نیت اور کردار پر بلاوجہ شک کرتی ہے حالانکہ میرے باس ایک نوبل اینڈ ڈیسنٹ شخص ہیں۔ ملزمہ نے ان کی قدر نہیں کی۔ کوئی صحیح الدماغ عورت اس قسم کا رویہ ظاہر نہیں کر سکتی جیسا ملزمہ نے اپنا رکھا ہے۔''

''آپ کی باتوں سے ظاہر ہوا ہے، آپ اپنے باس کو اس کی بیوی یعنی ملزمہ سے زیادہ جانتے ہیں؟'' میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔ ''شاید اس کی وجہ یہ بھی ہو کہ آپ کا باس بیوی کی بہ نسبت اسٹوڈیو کو زیادہ وقت دیتا ہے جہاں آپ پیش پیش ہوتے ہیں ...... اور اداکاری کے شوقین نئے نئے چہرے پیش کرنے کا سہرا بھی آپ ہی کے سر بندھتا ہے۔ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں مستقبل کے پروڈیوسر صاحب؟''

اس کی آنکھوں میں ایسے تاثرات نمودار ہوئے جیسے وہ میرے سوال کے مفہوم کو بڑی وضاحت سے سمجھ گیا ہو تاہم جواب سے کنّی کاٹتے ہوئے اس نے کہا۔

''ظاہر ہے جب بیوی شوہر پر توجہ نہیں دے گی تو اس کا زیادہ تر وقت گھر سے باہر ہی گزرے گا۔'' یہ الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے کی تفسیر تھی۔''باس کے لئے سب سے زیادہ محفوظ پناہ گاہ ان کا اسٹوڈیو ہی ہے۔''

''یعنی وہ لیبارٹری جہاں آڈیشن اور اسکرین ٹیسٹ بڑی فراوانی سے ہوتے ہیں؟''

''یہ ہمارے کاروبار کا حصہ ہے۔'' وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔''شاید آپ کو شوبز سے متعلق زیادہ معلومات نہیں ہیں؟''

''زیادہ نہ سہی تاہم میں اس شعبے کی اچھی خاصی معلومات رکھتا ہوں۔'' میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔''لیکن آپ کے اسٹوڈیو میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ فکر انگیز اور افسوس ناک ہے۔''

''کیا مطلب ہے آپ کا؟'' وہ اچھل پڑا۔

میں نے بڑی وضاحت سے ملزمہ کی بیٹی کی کلاس فیلو کے ساتھ پیش آنے والا واقعہ دہرایا اور دیگر دو تین معلوم اہم واقعات کی روشنی میں ملزمہ کے شوہر کا کردار واضح کرنے کی کوشش کی۔ میری یہ کوشش ابھی ناتمام ہی تھی کہ وکیل استغاثہ بیچ میں کود پڑا۔

''مجھے سخت اعتراض ہے جناب عالی!'' اس نے احتجاجی لہجے میں کہا۔''یہاں قتل کے ایک انتہائی سنجیدہ معاملے کی کارروائی جاری ہے اور وکیل صفائی ملزمہ کے شوہر کے کردار کو بیٹھے رو رہے ہیں۔ انہیں غیر متعلق باتوں سے باز رہنے کی تلقین کی جائے تاکہ عدالت کا قیمتی وقت برباد نہ ہو۔''

میں نے سرتاپا اپنا جائزہ لیا اور اپنی آنکھوں کو چھو کر دیکھا، پھر دونوں ہاتھ پھیلاتے ہوئے مصنوعی حیرانی کا اظہار کیا اور وکیل استغاثہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''میرے فاضل دوست! میں نہ تو رو رہا ہوں اور نہ ہی بیٹھا ہوا ہوں۔ پتہ نہیں آپ کیا کہنا چاہ رہے ہیں؟''

اس سے پہلے کہ ہماری بحث طول پکڑتی، کٹہرے میں موجود گواہ نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔''باس کی بیٹی کی اس کلاس فیلو کو شدید قسم کی غلط فہمی ہو گئی تھی ورنہ ایسی کوئی بات نہیں تھی۔''

''اور ملزمہ کو مقتولہ کے حوالے سے کوئی شدید غلط فہمی ہی ہوئی ہو گی۔''

''شوبز زندگی کا ایسا شعبہ ہے کہ.....'' اس نے وضاحتی انداز اختیار کیا ہی تھا کہ میں نے اس کی بات کاٹ دی اور کہا۔

''کہ..... جہاں قدم قدم پر شدید نوعیت کی غلط فہمیاں جنم لیتی رہتی ہیں؟''

''آپ میری بات کو سمجھنے کی کوشش تو کریں.....!''

''سمجھ گیا..... بہت اچھی طرح سمجھ گیا!''

پھر عدالت کا مخصوص وقت ختم ہو گیا۔ جج نے ایک ہفتہ بعد کی تاریخ دے کر عدالت برخاست کر دی۔

✲☆✲

منظر اسی عدالت کا تھا اور گواہوں کے کٹہرے میں استغاثہ کا وہ اہم گواہ کھڑا تھا جس نے ملزمہ کو جائے وقوعہ پر آتے اور جاتے دیکھا تھا۔ وہ ایک دراز قامت نوجوان تھا۔ عمر بیس اور بائیس کے درمیان رہی ہو گی۔ اس نے فلمی ہیروز کے اسٹائل میں بال بنوا رکھے تھے۔ مجموعی طور پر وہ ایک خوبصورت لڑکا تھا۔

وہ اپنے حلفیہ بیان سے فارغ ہوا تو وکیل استغاثہ نے اس سے چند رسمی سوالات کئے اور جرح موقوف کر دی۔ میں اٹھ کر گواہ والے کٹہرے کے قریب آ گیا۔ میں نے گواہ کا سرتاپا تنقیدی جائزہ لیا اور اس سے پوچھا۔

''مسٹر! آپ کرتے کیا ہیں؟''

''فی الحال تو کچھ نہیں کرتا۔'' وہ ڈائیلاگ مارنے والے انداز میں بولا۔

''اسٹوڈنٹ ہیں؟'' میں نے استفسار کیا۔

اس نے نفی میں گردن ہلائی۔ اس حرکت میں اداکاری کی بھرمار تھی۔ پھر ایکٹنگ ہی کے اسٹائل میں بولا۔''نہ پڑھائی اور نہ کمائی۔ فی الحال فراغت ہی فراغت ہے۔''

میں نے مشورتاً کہا۔''مسٹر! آپ اپنے حلیے اور بول چال سے بنے بنائے ہیرو نظر آتے ہیں۔ فلم انڈسٹری میں ٹرائی کیوں نہیں کرتے؟''

اس غیر متعلق گفتگو پر وکیل استغاثہ پیچ و تاب کھا رہا تھا۔ اس کے چہرے کے تیزی سے بدلتے ہوئے تاثرات اس بات کی گواہی دے رہے تھے کہ وہ اب تب میں پھٹنے ہی والا ہے۔ میں اس قسم کی حرکت دانستہ کر رہا تھا۔ مقصد وکیل استغاثہ کو تپانا تھا..... اور اس کے ساتھ ساتھ گواہ سے دوستانہ ماحول قائم کرنا بھی مقصود تھا۔

یہ ایک بہت ہی اہم نکتہ ہے۔ وکیل صفائی کو عموماً استغاثہ کے گواہ کا دشمن تصور کیا جاتا

ہے اور گواہ وکیل کی جرح کا سامنا کرتے ہوئے بے حد محتاط ہو جاتا ہے۔ اگر وکیل صفائی، استغاثہ کے گواہ کے ساتھ تھوڑی بے تکلفی قائم کر لے تو اسے اپنے جال میں جکڑنا بہ نسبت آسان ہو جاتا ہے۔ میں اس ٹیکنیک کو استعمال کرنا کبھی نہیں بھولتا!

میرا متذکرہ بالا حربہ کامیاب رہا اور گواہ میرے سوال کے جواب میں گویا ہوا۔ ''فلم انڈسٹری تو بہت دور کی بات ہے، البتہ میں ٹی وی کے لئے ٹرائی کر رہا ہوں۔''

''ٹرائی کر رہا ہوں ...... کا تو مطلب یہ ہوا کہ ابھی تک آپ کو کوئی چانس نہیں ملا؟''

''ایسی ہی بات ہے۔'' وہ غیر واضح انداز میں بولا۔ ''بہر حال، پروڈیوسر صاحب نے وعدہ تو کیا ہے۔ مجھے امید ہے وہ اپنی نئی سیریل میں مجھے ضرور کاسٹ کریں گے۔''

میں استغاثہ کے اس گواہ کے بارے میں تفصیلی معلومات حاصل کر چکا تھا۔ مجھے معلوم تھا، آج کل یہ شخص میری موکلہ کے پروڈیوسر شوہر کے پاؤں کا جوتا بنا ہوا ہے۔ تاہم اپنی معلومات کو یہاں ظاہر کرنا ضروری نہیں تھا اس لئے میں نے انجان بنتے ہوئے گواہ سے سوال کیا۔

''آپ کس پروڈیوسر کا حوالہ دے رہے ہیں؟''

''میں ان محترمہ کے شوہر کی بات کر رہا ہوں۔'' اس نے کٹہرے میں کھڑی ملزمہ کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''اوہ...... میں نے ایک گہری سانس خارج کی۔ ''وہ تو بہت ہی معروف ٹی وی پروڈیوسر ہیں۔'' پھر چونکنے کی اداکاری کرتے ہوئے کہا۔

''اب سمجھا ...... آپ ملزمہ کو کس طرح جانتے ہیں۔ آپ نے یقیناً اسے اسٹوڈیو میں دیکھا ہوگا؟''

''جی ہاں ...... میں نے دو تین مرتبہ اسے اسٹوڈیو میں آتے جاتے دیکھا ہے۔'' اس نے بڑے رسان سے جواب دیا۔ ''اسی لئے میں نے جب وقوعہ کے روز اسے مقتولہ کے فلیٹ میں داخل ہوتے دیکھا تو فوراً پہچان گیا۔''

میں نے اس موقع پر اسے ڈاج دینے کی حکمت عملی اپنائی۔ وہ میرے بچھائے ہوئے جال میں قدم ڈال چکا تھا لہٰذا اب ضرورت اس بات کی تھی کہ جال سمیٹتے ہوئے بہت احتیاط سے کام لیا جائے۔ شکار کو مطلق یہ احساس نہیں ہونا چاہئے تھا کہ وہ شکار کیا جا چکا ہے۔ میں نے یک دم سوالات کا زاویہ تبدیل کر دیا اور اسے بہلانے کی خاطر پوچھا۔

''مسٹر ایکٹر! آپ ایکٹنگ کے شوق میں اکثر پروڈیوسر کے پاس اس کے اسٹوڈیو جاتے

رہتے تھے۔ آپ نے تھوڑی دیر پہلے بتایا ہے، ملزمہ کو دو تین بار آپ نے اسی اسٹوڈیو میں دیکھا تھا۔ استغاثہ کے مطابق اسٹوڈیو میں ملزمہ اور مقتولہ میں ایک سنگین نوعیت کا جھگڑا بھی ہوا تھا جس میں ملزمہ نے طیش میں آ کر مقتولہ کے گال پر ایک زناٹے دار تھپڑ جڑ دیا تھا۔ کہا اور بتایا یہ جا رہا ہے، اس موقع پر ملزمہ نے مقتولہ کو خطرناک نتائج کی دھمکی بھی دی تھی اس دھمکی کو استغاثہ قتل سے تعبیر کر رہا ہے۔ آپ سے میرا یہ سوال ہے کہ......''

میں نے دانستہ جملہ ادھورا چھوڑ کر تھوڑا توقف کیا۔ گواہ خاصا الجھا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا، میں اپنی کوشش میں کامیاب ہو رہا تھا۔ اس کا دھیان بٹ چکا تھا اور اب وہ پوری ذہنی توانائی صرف کر کے صرف اور صرف یہ سوچ رہا تھا کہ میں اس سے کون سا سوال پوچھنے جا رہا ہوں۔ وہ اس وقت انتظاری کیفیت سے گزر رہا تھا۔

میں نے اپنے نامکمل بیان کو مکمل کرتے ہوئے کہا۔ ''کہ...... آیا اس موقع پر آپ بھی اسٹوڈیو میں موجود تھے؟''

''نہیں ...... اتفاق سے اس روز میں اسٹوڈیو نہیں گیا تھا۔'' اس نے جواب دیا۔

''اوہ!'' میں نے قدرے مایوسی کی اداکاری کرتے ہوئے کہا۔ ''پھر تو آپ سے یہ پوچھنا فضول ہی ہوگا کہ کیا واقعی اس روز ملزمہ نے مقتولہ کو کوئی سنگین نوعیت کی دھمکی دی تھی؟''

''میں نے اس دھمکی کے بارے میں سنا ضرور ہے۔'' وہ سادگی سے بولا۔

''مستقبل کے ہونہار اداکار صاحب! سنی سنائی باتوں کی اس عدالت میں کوئی گنجائش نہیں۔'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''ہم دیکھی بھالی کی طرف آتے ہیں۔''

میں خاموش ہوا تو وہ پوری توجہ سے میرے بولنے کا انتظار کرنے لگا۔ میں نے کھنکار کر گلا صاف کیا اور کہا۔ ''آپ نے وقوعہ کے روز ملزمہ کو جائے واردات پر آتے اور جاتے دیکھا ہے۔ کیا آپ معزز عدالت کو بتائیں گے کہ اس نے کس رنگ کا لباس پہن رکھا تھا؟''

وہ کسی رٹو طوطے کی طرح جلدی سے بولا۔ ''بالکل جناب! میں نے اس روز ملزمہ کو بڑی توجہ سے دیکھا تھا۔ لہٰذا اس کا پہناوا مجھے ازبر ہے۔'' پھر اس نے کھٹا کھٹ بتا دیا۔ ''ملزمہ نے اس روز سرخ قمیص کے ساتھ سفید شلوار پہن رکھی تھی۔ سینڈل، پرس اور دوپٹہ بھی سفید ہی تھا۔ اس نے آنکھوں پر دھوپ کا سیاہ چشمہ لگا رکھا تھا۔''

میں نے اس کی غیر ارادی غفلت میں اضافہ کرتے ہوئے کہا۔ ''یو مین سن گلاسز؟''

یہ ایک فضول اور انتہائی غیر متعلق سوال تھا تاہم وہ اس وقت تک میرے ٹرانس میں آ چکا

تھا، اس لئے بے ساختہ تصدیقی انداز میں بولا۔ ’’یس آئی مین اٹ!‘‘
میں نے جرح کے سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ ’’مجھے امید ہے، آپ نے اس روز ملزمہ کے ہاتھوں کو بھی غور سے دیکھا ہوگا؟‘‘

وہ الجھی ہوئی سوالیہ نظر سے مجھے تکنے لگا۔ میں نے چکر بازی جاری رکھتے ہوئے کہا۔ ’’آلہ قتل کے لیبارٹری ٹیسٹ نے بتایا ہے کہ اس پر ملزمہ کے فنگر پرنٹس نہیں پائے گئے۔‘‘ یہ ایک صد فیصد سچ تھا لیکن میں اس حقیقت کا استعمال بڑی فنکاری سے کر رہا تھا۔ ’’ایسا لگتا ہے ملزمہ نے واردات کے وقت اپنے ہاتھوں پر دستانے چڑھا رکھے تھے۔ آپ اس سلسلے میں کیا کہتے ہیں؟ آپ تو اس روز موقع پر موجود تھے اور آپ نے ملزمہ کو وہاں آتے اور جاتے بڑے غور سے دیکھا تھا؟‘‘

وہ میری چال میں آ گیا اور بے اختیار بولتا چلا گیا۔ ’’آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں وکیل صاحب! ملزمہ نے سفید ہی رنگ کے دستانے بھی پہن رکھے تھے۔‘‘

’’یعنی وہ مکمل ریڈ اینڈ وہائٹ بنی ہوئی تھی؟‘‘

’’جی ہاں...... جی ہاں......‘‘ وہ تائیدی انداز میں بولا۔

میں نے پوچھا۔ ’’مسٹر ایکٹر! ملزمہ کے ہاتھوں پر سفید دستانے آپ کو دونوں دفعہ نظر آئے تھے؟ یعنی آتے ہوئے بھی اور جاتے ہوئے بھی؟‘‘

اس نے اثبات میں جواب دیا۔ ’’بالکل، بالکل!‘‘

اس وقت استغاثہ کا گواہ پوری طرح میری جانب متوجہ تھا۔ اگر وہ وکیل استغاثہ کی صورت دیکھ لیتا تو اس کے ہاتھوں کے طوطے اُڑ جاتے کیونکہ وکیل موصوف اسے تنبیہی نظر سے گھور رہا تھا۔ وکیل استغاثہ کو میری پھیلائی ہوئی گڑبڑ کا کچھ کچھ احساس ہو چکا تھا تاہم میں اسے مکمل آگہی کا موقع فراہم نہیں کر سکتا تھا ورنہ وہ فوراً ’’آبجیکشن یور آنر‘‘ کا نعرہ بلند کر دیتا...... میں اس بنے بنائے ٹیمپو میں کوئی رخنہ نہیں چاہتا تھا۔

میں نے اپنی جرح کو متعلقات کے اندر رکھتے ہوئے گواہ سے سوال کیا۔ ’’آپ نے وقوعہ کے روز کتنے بجے ملزمہ کو وہاں آتے دیکھا تھا؟‘‘

’’ڈھائی بجے!‘‘ اس نے رٹا رٹایا جواب دیا۔

’’اور وہ واپس کب گئی تھی؟‘‘ میں نے پوچھا۔

وہ کھٹک سے بولا۔ ’’ساڑھے تین بجے!‘‘

میری موکلہ مجھے بتا چکی تھی، وہ وقوعہ کے روز سوا دو بجے مقتولہ کے فلیٹ پر پہنچی تھی اور

آدھے گھنٹے بعد یعنی پونے تین بجے وہاں سے رخصت ہو گئی تھی۔ ان حقائق کی روشنی میں استغاثہ کا گواہ اور اداکاری کا شوقین وہ دراز قامت لڑکا سراسر جھوٹ بول رہا تھا۔ پوسٹ مارٹم رپورٹ کے مطابق مقتولہ کی موت دو اور چار بجے کے درمیان واقع ہوئی تھی شاید اسی لئے گواہ ڈھائی سے ساڑھے تین کو ملزمہ کی آمد و شد کا وقت بتا رہا تھا تاکہ اس کا جرم واضح ہو سکے۔ میں نے اسے گھسنے اور مانجھنے کا عمل جاری رکھا اور سوالات کے سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

’’ڈھائی سے ساڑھے تین بجے تک ایک گھنٹہ بنتا ہے۔ آپ ایک گھنٹے تک وہاں کھڑے کیا کر رہے تھے؟‘‘

’’میں مستقل وہاں کھڑا نہیں رہا تھا‘‘ اس نے جلدی سے کہا۔ ’’بلکہ یہ ایک اتفاق ہے کہ ملزمہ کی آمد و شد کے مواقع پر میں وہاں موجود تھا۔‘‘

’’کیا تمہاری رہائش طارق روڈ کے کمرشل علاقے ہی میں ہے؟‘‘ میں اب ’’آپ‘‘ سے ’’تم‘‘ پر اتر آیا تھا اور لہجے میں بھی قدرے سختی شامل ہو گئی تھی۔

اس نے بتایا۔ ’’میں ایکچوئلی خداداد کالونی میں رہتا ہوں۔‘‘

’’پھر تم اتفاق سے وہاں کیا کر رہے تھے؟‘‘ میں نے زور دے کر پوچھا۔

اس نے وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ دراصل اس گلی کے کونے پر ایک لیڈیز ٹیلر کی دکان ہے اور وہ اس دکان سے اپنی بہن کے کپڑے اٹھانے آیا تھا۔ کپڑوں کی تیاری میں تھوڑی کسر باقی تھی لہٰذا ٹیلر ماسٹر نے اسے ایک گھنٹے بعد بلا لیا۔ اس طرح وہ ایک گھنٹے کے وقفے سے دو مرتبہ اس ٹیلرنگ شاپ پر گیا اور اس نے ملزمہ کو آتے جاتے دیکھ لیا۔ گواہ اس دو بار کے نظارے کو ’’اتفاق‘‘ قرار دے رہا تھا لیکن میں اس کے خیالات سے متفق نہیں تھا اس لئے جرح کا سلسلہ دراز ہو گیا۔

میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا۔ ’’کیا تمہیں یہ بات معلوم تھی کہ مقتولہ اسی فلیٹ میں رہتی تھی جہاں اس کا قتل ہوا ہے؟‘‘

’’نہیں...... یہ بات مجھے بعد میں پتہ چلی تھی۔‘‘

میں نے کڑے لہجے میں سوال کیا۔ ’’مسٹر موہوم اداکار! میں تمہاری بات مان لیتا ہوں کہ تم اپنی بہن کے کپڑے لینے کے لئے اس علاقے میں گئے تھے۔ مقتولہ والی گلی کے کارنر پر کوئی ٹیلرنگ شاپ ہے جہاں ایک گھنٹے کے وقفے سے تمہیں دو مرتبہ جانے کا اتفاق ہوا اور تم نے وہاں ملزمہ کو دیکھا۔ ذرا سوچ اور سمجھ کر بتاؤ، کیا دونوں بار تم نے اسی ٹیلرنگ شاپ پر

کھڑے کھڑے ملزمہ کو دیکھا تھا؟''

وہ تھوڑا سا متامل ہوا۔ اس کے چہرے پر الجھن کے آثار نمودار ہوئے۔ پھر اس نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ ''جی ہاں ...... میں نے جب ملزمہ کو وہاں آتے اور جاتے دیکھا تو میں اسی شاپ پر موجود تھا۔''

میرے لہجے میں اچانک بے پناہ اضافہ ہو گیا۔ ''مسٹر ایکٹر!'' میں نے اس کی آنکھوں میں نگاہ گاڑتے ہوئے کہا۔ ''تھوڑی دیر پہلے تم معزز عدالت کے رو بہ رو یہ اقرار کر چکے ہو کہ وقوعہ کے روز تم نے ملزمہ کو مقتولہ کے فلیٹ میں داخل ہوتے دیکھا تھا۔ پولیس کو بھی تم نے یہی بیان دیا ہے جو کہ عدالت کے ریکارڈ پر موجود ہے ...... اور اب تم کہہ رہے ہو کہ تم نے ٹیلرنگ شاپ پر کھڑے کھڑے ملزمہ کی آمد و رفت نوٹ کی تھی۔ تمہاری دونوں باتوں میں واضح تضاد پایا جاتا ہے۔ ذرا وضاحت کرو، ان میں سے کون سی بات درست ہے؟''

ایک لمحے کے توقف سے میں نے اضافہ کرتے ہوئے کہا۔

''دونوں بیانات بہ یک وقت غلط تو ہو سکتے ہیں لیکن درست نہیں ہو سکتے۔ ان میں سے ایک غلط اور ایک صحیح ہے۔ بتاؤ تمہارا کون سا بیان صحیح ہے؟''

میرے اس سنسنی خیز سوال نے اسے بوکھلا کر رکھ دیا۔ اس کے لئے نہ پائے رفتن، نہ جائے ماندن والی صورت حال تھی۔ آگے کنواں پیچھے کھائی کو دیکھتے ہوئے اس نے آنکھیں بند کر کے چھلانگ لگا دی۔ گھبراہٹ آمیز لہجے میں اس نے بتایا۔

''میرا خیال ہے ...... میں ...... وقوعہ کے روز ملزمہ کا تعاقب کرتے ہوئے ...... مقتولہ کے فلیٹ تک گیا تھا......'' بات ختم کر کے وہ پریشان نظر سے مجھے دیکھنے لگا۔

''یہ تمہارا خیال ہے یا واقعتاً تم نے ملزمہ کا تعاقب کیا تھا؟'' میں نے کڑے لہجے میں پوچھا۔

''مم...... میں واقعی ملزمہ کے پیچھے گیا تھا۔''

''اور تم نے ملزمہ کو مقتولہ کے فلیٹ میں داخل ہوتے دیکھا تھا؟''

''جی ہاں......'' اس نے مریل سی آواز میں جواب دیا۔

میں نے تیز لہجے میں پوچھا۔ ''پھر تم نے کیا، کیا تھا؟''

''میں واپس آ گیا تھا۔''

''کیا تمہیں یقین تھا، ملزمہ مقتولہ ہی کے فلیٹ میں داخل ہوئی تھی؟''

''جی ہاں، اس میں شک والی کون سی بات ہے؟''

''تمہیں کس نے بتایا تھا کہ مذکورہ فلیٹ مقتولہ ہی کا ہے؟''

''یہ بات مجھے پہلے سے معلوم تھی۔''

میں نے طنزیہ نظر سے وکیل استغاثہ کو دیکھا، پھر دوبارہ گواہ کی جانب متوجہ ہو گیا۔ جج بڑی دلچسپی سے عدالتی کارروائی کو دیکھ رہا تھا۔ غنیمت تھا کہ کافی دیر سے وکیل استغاثہ نے ''اعتراض'' کی لٹھ نہیں گھمائی تھی ...... اور میں ان لمحات میں وکیل مخالف کو ایسا کوئی موقع دینے کے حق میں نہیں تھا۔

میں نے گواہ سے استفسار کیا۔ ''تم نے تھوڑی دیر پہلے میرے ایک سوال کے جواب میں بتایا تھا کہ تم مقتولہ سے واقف نہیں تھے۔ تم نے مزید بتایا کہ تمہیں یہ بات معلوم نہیں تھی کہ جب فلیٹ میں مقتولہ کو قتل کیا گیا، اس کی رہائش اسی فلیٹ میں تھی۔ تمہاری اس تضاد بیانی کا کیا مقصد ہے؟ اب تم بتا رہے ہو تمہیں یہ بات پہلے سے معلوم تھی کہ مقتولہ اسی فلیٹ میں رہتی تھی جس میں تم نے وقوعہ کے روز ملزمہ کو داخل ہوتے دیکھا تھا؟''

اس کے چہرے پر ہوائیاں اُڑنے لگیں۔ لکنت زدہ لہجے میں بولا۔ ''پپ...... پانی......!''

میں نے ترش لہجے میں کہا۔ ''پانی بعد میں ملے گا، پہلے میرے سوال کا جواب دو۔''

اس کی حالت غیر ہونے لگی۔ اس نے کٹہرے کی چوبی ریلنگ تھام لی اور امداد طلب نظر سے وکیل استغاثہ کو دیکھنے لگا۔ اس سے پہلے کہ وکیل استغاثہ اس کی مدد کے لئے اپنی زبان کو زحمت دیتا، میں نے گواہ کو آڑے ہاتھوں لیا۔

''مسٹر ایکٹر! تم نے ابھی تک میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔ میں نے تم سے پوچھا تھا......''

میری بات پوری ہونے سے پہلے ہی وہ سراسیمہ لہجے میں فریاد کرنے لگا۔ ''مم...... میں...... کوئی گواہی نہیں دوں گا۔'' اس کا مخاطب وکیل استغاثہ تھا۔ ''پلیز! استغاثہ کے گواہوں کی فہرست میں سے میرا نام خارج کر دیں۔ پلیز مجھے معاف کر دیں...... اب میں کبھی عدالت میں قدم بھی نہیں رکھوں گا۔''

جج نے گواہ کو سخت ڈانٹ پلائی اور وکیل استغاثہ سے پوچھا۔ ''یہ کیا ماجرا ہے وکیل صاحب؟''

وکیل استغاثہ بھی گواہ کے اس رویے سے خاصا الجھ کر رہ گیا۔ اس کی سمجھ میں نہ آیا، جج کے سوال کا کیا جواب دے۔ بس اتنا کہہ کر رہ گیا۔

''جناب عالی! پتہ نہیں اچانک اسے کیا ہو گیا ہے۔''

جج نے گواہ کو مخاطب کیا اور تنبیہی انداز میں کہا۔ ''مسٹر! وکیل صفائی کے سوال کا سیدھی طرح جواب دو، ورنہ میں تمہیں توہین عدالت کے جرم میں جیل بھجوا دوں گا۔''

گواہ نے جب جیل کا نام سنا تو اس کی گھبراہٹ میں بے پناہ اضافہ ہو گیا۔ میں نے اس کے وجود میں باقاعدہ کپکپاہٹ محسوس کی۔ اس سے پہلے کہ وہ کٹہرے میں ڈھے جاتا میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے نہایت ہی ٹھہرے ہوئے لہجے میں استفسار کیا۔

''مسٹر ایکٹر! معزز عدالت یہ جاننے کے لئے بے قرار ہے کہ تم نے وقوعہ کے روز ملزمہ کو دیکھ کر اس کا تعاقب کیوں کیا تھا ...... اور یہ بات تمہیں کس نے بتائی تھی کہ ملزمہ جس فلیٹ میں داخل ہوئی تھی وہاں مقتولہ رہتی تھی؟''

وہ دونوں ہاتھوں کو نفی کرنے والے انداز میں لہراتے ہوئے احتجاجی لہجے میں بولا۔ ''خدا کے لئے مجھے جانے کی اجازت دے دیں ...... میں کسی کے حق میں یا کسی کے خلاف گواہی نہیں دینا چاہتا۔ سمجھ لیں، میں اس ٹیسٹ میں فیل ہو گیا۔ میں اداکاری کے شوق سے باز آیا۔ مجھے ٹی وی آرٹسٹ نہیں بننا۔ خدارا مجھے معاف کر دیں۔ پتہ نہیں میں کس مصیبت میں گرفتار ہو گیا ہوں۔''

گواہ کے آخری جملوں نے حاضرین عدالت کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا۔ وکیل استغاثہ کو گویا سانپ سونگھ گیا تھا۔ میں فاتحانہ نظر سے ایک ایک اہم شخص کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔ جج نے سوالیہ نظر سے مجھے دیکھا۔ میں نے سر کو اثباتی جنبش دی اور گواہ کی جانب متوجہ ہو گیا۔

''مسٹر ایکٹر!'' میں نے اسے مخاطب کیا ہی تھا کہ وہ با آواز بلند چلا اٹھا۔

''مجھے ایکٹر نہ کہیں وکیل صاحب! میں اس شعبے میں ناکام ہو گیا ہوں۔''

''عدالت یہی جاننا چاہتی ہے کہ تمہاری ناکامی کا کیا مطلب ہے؟'' میں نے گمبھیر انداز اختیار کرتے ہوئے کہا۔ ''تم نے ایکٹنگ سے تائب ہونے کی بات کی ہے، آخر کیوں؟ تم نے کسی ٹیسٹ میں فیل ہونے کا ذکر کیا ہے، یہ کیسا ٹیسٹ تھا؟ تم نے خود کو کس مصیبت میں گرفتار قرار دیا ہے؟ تم پر یہ مصیبت کس نے مسلّط کی ہے؟''

اس کی ہمت جواب دے گئی اور اس نے بڑے واضح اور اقبالی الفاظ میں معزز عدالت کے روبہ رو بتایا کہ ملزمہ کے پروڈیوسر شوہر نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ اگر وہ ایکٹنگ کے ایک چھوٹے سے ٹیسٹ میں کامیاب ہو گیا تو وہ اسے اپنی نئی ٹی وی سیریل میں کاسٹ کر لے گا۔ اسے بتایا گیا کہ فلاں وقت پر اسے استغاثہ کے ایک گواہ کی حیثیت سے عدالت میں پیش ہو کر اداکاری کرنا ہو گی۔ اسکرپٹ اسے اچھی طرح یاد کرا دیا گیا تھا جو پولیس کو دیئے

جانے والے بیان سے لے کر عدالتی گواہی تک تھا۔ تاہم میری جرح کا سامنا کرتے ہوئے یا یوں کہہ لیں میرے سوالات سے گھبرا کر اس نے اسکرپٹ میں بہت سی باتیں اپنی جانب سے شامل کر لی تھیں جو میری پکڑ میں آ گئیں اور میں نے انہی نکات کی بنیاد پر استغاثہ کو کلین بولڈ کر دیا۔

گواہ کے اعترافی بیان کے ساتھ ہی عدالت کا وقت ختم ہو گیا۔

✲☆✲

آئندہ پیشی پر سب سے پہلے وکیل استغاثہ نے ملزمہ کے خلاف دلائل دیئے۔ اس کے دلائل میں کوئی جامعیت اور وزن نہیں تھا۔ اپنی باری پر میں دلائل کے لئے اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور اپنی موکلہ کی بریت کے لئے زور مارنا شروع کیا۔ میں نے کھنکار کر گلا صاف کیا اور جج سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔

''جناب عالی! سچ روزِ روشن کی طرح عیاں ہے۔ میری موکلہ بے گناہ ہے۔ اسے قتل کے اس کیس میں ایک گہری سازش کے تحت ملوث کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ حالات و واقعات نے استغاثہ کے جھوٹ کی قلعی کھول کر رکھ دی ہے۔ جو حقائق ابھر کر سامنے آئے ہیں وہ میری موکلہ کو بے گناہ ثابت کرنے کے لئے کافی ہیں۔ میں ان اہم پوائنٹس کو ترتیب وار پیش کرتا ہوں۔''

ایک لمحے کا توقف کرنے کے بعد میں نے دوبارہ بولنا شروع کیا۔ ''یور آنر! سب سے پہلے میں استغاثہ کی اس گواہ کا ذکر کروں گا جس نے پولیس کو اس واقعے کی اطلاع دی تھی۔ ان معمر خاتون کا دعویٰ ہے کہ پولیس کو فون کرتے وقت انہوں نے صرف چیخوں اور فائرنگ کا ذکر کیا تھا جب کہ انکوائری آفیسر نے غلط بیانی سے کام لیتے ہوئے گواہ سے منسوب کر دیا کہ اس نے کہا تھا ...... یہاں ایک قتل کی واردات ہو گئی ہے، آپ فوراً پہنچیں۔ انکوائری آفیسر کا یہ ترمیم و اضافہ اس کی بدنیتی کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

''جنابِ عالی! استغاثہ کے مطابق مقتولہ کے فلیٹ میں متعدد مقامات پر ملزمہ کی انگلیوں کے نشانات پائے گئے ہیں جب کہ آلۂ قتل پر کسی قسم کے فنگر پرنٹس نہیں ملے۔ انکوائری آفیسر نے معزز عدالت کو بتایا ہے کہ ملزمہ نے آلۂ قتل سے اپنی انگلیوں کے نشانات کو صاف کر کے اسے ڈسٹ بن میں چھپا دیا تھا۔ ان حالات کی روشنی میں ہم استغاثہ کے آخری گواہ کے بیان کا جائزہ لیتے ہیں۔ گواہ کے مطابق ملزمہ نے فلیٹ کی طرف جاتے ہوئے اور وہاں سے واپس آتے ہوئے سفید دستانے پہن رکھے تھے۔ اس صورت میں تو اس فلیٹ میں کسی بھی

جگہ ملزمہ کے فنگر پرنٹس نہیں ملنا چاہئے تھے۔ جب کہ حقائق اس کے برعکس اشارہ کرتے ہیں۔"

میں سانس لینے کی خاطر ذرا متوقف ہوا، پھر دوبارہ جج کی جانب متوجہ ہوتے ہوئے کہا۔"جناب عالی! استغاثہ کا سارا زور اس بات پر ہے کہ میری موکلہ نے اپنے جذبۂ انتقام کو سرد کرنے کے لئے مقتولہ کی جان لی ہے۔ ملزمہ، مقتولہ سے شدید نفرت کرتی تھی۔ اگر اس موقف کو چند لمحات کے لئے درست مان لیا جائے تو پھر استغاثہ کے آخری گواہ، ایکٹنگ کے شوقین اس نوجوان کا بیان استغاثہ کی نفی کرتا ہے۔ گواہ نے معزز عدالت کے رو بہ رو اقرار کیا ہے کہ اس نے وقوعہ کے روز ملزمہ کو ٹھیک ڈھائی بجے مقتولہ کے فلیٹ میں داخل ہوتے دیکھا تھا اور ساڑھے تین بجے اس کی واپسی ہوئی۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ملزمہ ایک گھنٹے تک مقتولہ کے فلیٹ میں کیا کرتی رہی؟

استغاثہ کے مطابق ملزمہ، مقتولہ کی بدترین دشمن تھی اور اسے سنگین نتائج کی دھمکی دے چکی تھی۔ پھر اس نے اپنی دشمن کے لئے فلیٹ کا دروازہ کیوں کھولا......؟ علاوہ ازیں مقتولہ کے بدن میں جو تین گولیاں اتاری گئی ہیں وہ یکے بعد دیگرے فائر ہوئی تھیں ...... اور اس فائرنگ میں چند سیکنڈ صرف ہوئے ہوں گے۔

جنابِ عالی! یہ نہایت ہی نازک نکتہ ہے۔ پولیس کے روزنامچے کے مطابق معمر خاتون نے تین بجے تھانے فون کر کے اس واقعے کی اطلاع دی تھی۔ ایکٹر گواہ کے مطابق ملزمہ ٹھیک ڈھائی بجے مقتولہ کے فلیٹ میں داخل ہوئی تھی۔ استغاثہ کے مطابق مقتولہ اور ملزمہ کی آپس میں ٹھیک ٹھاک دشمنی تھی۔ یہ بات حلق سے اترنے والی نہیں کہ مقتولہ آدھے گھنٹے تک ملزمہ کو اپنے فلیٹ میں کیوں برداشت کرتی رہی...؟ اور اس بات میں بھی کوئی منطق نظر نہیں آتی کہ ملزمہ، مقتولہ کو موت کے گھاٹ اتارنے کے بعد مزید آدھا گھنٹہ وہاں کیوں رکی رہی؟"

میں نے تھوڑا وقفہ کر کے حاضرین عدالت پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالی، پھر میرا زاویۂ نظر وکیل استغاثہ کی جانب مڑ گیا۔ میں نے اس وقت وکیل مخالف کو بڑی الجھن میں پایا۔ بے ساختہ ایک زہریلی سی مسکراہٹ میرے لبوں پر پھیل گئی۔

"جنابِ عالی!" میں دوبارہ جج کی طرف متوجہ ہو گیا۔"استغاثہ کی چھوٹی بڑی کئی خامیاں معزز عدالت کے ریکارڈ پر آ چکی ہیں۔ میں ان باتوں کو بار بار دہرا کر عدالت کا قیمتی وقت برباد نہیں کروں گا۔ معزز عدالت سے میری اتنی سی استدعا ہے کہ وہ ملزمہ کے

پروڈیوسر شوہر کو شاملِ تفتیش کرنے کے احکام صادر کرے تا کہ یہ معمہ حل ہو سکے کہ اس نے استغاثہ کے گواہ کو کس قسم کے امتحان میں ڈال دیا تھا...... اور کیوں؟ میں یہ بات دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ مذکورہ پروڈیوسر، قاتل تک ہماری رہنمائی کرنے میں خاصا معاون ثابت ہو گا۔" ایک لمحے کے توقف سے میں نے نہایت ہی سنگین الفاظ میں یہ بھی کہہ دیا۔

"ٹی وی پروڈیوسر نے اگر گواہ کو کسی اسکرپٹ کے مطابق ایکٹنگ کا اسائنمنٹ دیا تھا تو اس کا یہی مطلب نکلتا ہے، قتل کے اس کیس میں وہ پوری طرح ملوث ہے ...... قاتل کی حیثیت سے...... یا پھر عینی شاہد کے طور پر!"

جج نے وکیل استغاثہ سے پوچھا۔"آپ اس سلسلے میں کچھ کہنا چاہیں گے وکیل صاحب؟ آپ ہی کے گواہ نے اس کیس کا پانسا پلٹ دیا ہے۔"

میں نے وکیل استغاثہ کے کچھ بولنے سے پہلے ہی نشتر چلا دیا۔"اسی کو کہتے ہیں گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے!"

"جنابِ عالی! جو صورتحال سامنے آئی ہے اس کے مطابق تو ملزمہ کے شوہر کو تفتیش میں شامل کرنا ضروری ہو گیا ہے۔" وکیل استغاثہ نے شکست خوردہ انداز میں کہا۔

میں نے کہا۔"جنابِ عالی! میں حالات و واقعات کی روشنی میں معزز عدالت سے پُرزور اپیل کرتا ہوں کہ میری موکلہ کو باعزت بری کرنے کے احکام صادر کئے جائیں تا کہ انصاف کے تقاضے پورے ہو سکیں۔"

جج نے پانچ روز بعد کی تاریخ دے کر عدالت برخاست کر دی۔

میں اپنی موکلہ کی بے گناہی کو واضح طور پر ثابت کر چکا تھا۔ سارے حالات و واقعات عدالت کے ریکارڈ پر آ چکے تھے۔ گویا میں نے اپنا فرض پورا کر دیا تھا۔ مقتولہ کو کس نے قتل کیا تھا، یہ معلوم کرنا پولیس کا کام تھا۔ مجھے امید تھی، آئندہ پیشی پر عدالت میری موکلہ کو باعزت بری کر دے گی۔ اس امید کے استحکام کے لئے میں نے اپنی سی کوشش کر ڈالی تھی۔

میری امید بر آئی۔ اگلی پیشی پر میری موکلہ اور کیس کی ملزمہ کو بری کر دیا گیا۔

عدالتی احکام پر پولیس نے نہ صرف میری موکلہ کے پروڈیوسر شوہر کو شامل تفتیش کر لیا تھا بلکہ اس سے بہت سے راز بھی اُگلوا لئے تھے۔

یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ پروڈیوسر کا کیا بنا! ذہین قارئین نے پلک جھپکتے میں اندازہ لگا لیا ہو گا۔ آپ کا کیا خیال ہے؟

٭٭٭

کیس کو عدالت میں لگے کم و بیش دو ماہ ہوئے تھے لیکن آج پہلی باقاعدہ سماعت تھی۔
عدالت کا کمرا ایک سرے سے دوسرے سرے تک آباد تھا، کوئی کرسی خالی دکھائی نہیں دیتی تھی سوائے اس کے جس پر منصف کو براجمان ہونا تھا...... پھر کرسی انصاف بھی بھر گئی۔

جج نے حاضرین عدالت پر ایک جائزہ نگاہ ڈالی۔ تمام متعلقہ افراد کو موجود پا کر اس نے اثبات میں گردن ہلائی اور عدالتی کارروائی کا آغاز کر دیا۔ میرے موکل، اس کیس کے ملزم رستم کو اس کے جرم سے آگاہ کیا گیا۔ ملزم نے صحت جرم سے انکار کر دیا۔

میرے موکل پر ایک خوبصورت عورت مونا کے قتل کا سنگین الزام تھا۔ ازیں علاوہ استغاثہ نے ایک جڑاؤ طلائی سیٹ کی چوری بھی اس کے کھاتے میں ڈال رکھی تھی اور ظاہر ہے میرے موکل نے سونے کا کوئی جڑاؤ سیٹ چرایا تھا اور نہ ہی اس سیٹ کی مالک مونا نامی اس دل کش عورت کو قتل کیا تھا۔

صحت جرم سے انکار کے بعد ملزم کا حلفیہ بیان ریکارڈ کیا گیا، پھر جرح کا سلسلہ شروع ہوا۔ وکیل استغاثہ جج کی اجازت حاصل کرنے کے بعد ملزم والے کٹہرے کے نزدیک جا کر کھڑا ہو گیا اور گہری نظر سے اس کا جائزہ لینے لگا۔ ملزم اس جائزے سے تھوڑا بوکھلایا پھر ریلنگ تھام کر پُرسکون ہو گیا۔

چند لمحات کی خاموشی کے بعد وکیل استغاثہ نے اپنی جرح کا آغاز کیا۔ اس نے کھنکار کر گلا صاف کیا اور بہ دستور ملزم کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

''کیا میں پوچھ سکتا ہوں، تم کہاں کے رستم ہو؟''

یہ ایک غیر متعلق سوال تھا۔ رستم گڑبڑا گیا اور جواب دیا۔ ''میں صرف نام کا رستم ہوں۔''

''اوہ......'' وکیل استغاثہ نے بھویں اچکائیں۔ ''تم نے گاما بارکہ مونچھیں رکھ چھوڑی ہیں۔ میں سمجھا، شاید تم بھی رستمِ پاکستان یا رستم زماں ہو...... خیر۔'' وہ لمحاتی طور پر متوقف ہوا پھر اپنی بات پوری کرتے ہوئے بولا۔ ''کوئی اور رستم ہو یا نہ ہو، بہرحال تم چھپے رستم ضرور

ہو۔ تمہارے چہرے کی معصومیت اور انداز کی سادگی کو دیکھ کر کوئی سوچ بھی نہیں سکتا کہ تم ایک خطرناک مجرم ہو۔''

''آبجیکشن یور آنر!'' میں نے تیز آواز میں کہا۔ ''میرے موکل پر عائد کردہ الزامات ابھی تک ثابت نہیں ہو سکے لہٰذا اسے مجرم یا خطرناک مجرم قرار دینا انصاف کے منافی ہے۔''

جج نے میرے اعتراض کو درست تسلیم کرتے ہوئے وکیل استغاثہ کو ہدایت کی کہ وہ اپنے بیان میں سے مجرم کا لفظ خارج کر دے اور جرح کے سلسلے کو جاری رکھے۔ وکیل استغاثہ جج کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے دوبارہ ملزم کی جانب متوجہ ہو گیا۔

''مسٹر رستم! کیا تمہیں اپنی مونچھوں سے بہت محبت ہے؟''

میرا موکل چھ فٹ قد کا مالک ایک صحت مند شخص تھا۔ اس تندرستی پر گاما مارکہ مونچھیں بڑی بھلی لگتی تھیں اور اس کی شخصیت کے تاثر کو ابھارنے کا سبب بھی تھیں۔ میں نے رستم سے اب تک دو تین ملاقاتیں ہی کی تھیں جن کے نتیجے میں وہ بہت پُر اعتماد ہو گیا تھا۔ وکیل استغاثہ کی طنزیہ اور نکیلی جرح اس کے لئے گھبراہٹ کا باعث نہیں تھی۔

رستم نے وکیل استغاثہ کے سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا۔ ''ایک مونچھیں ہی نہیں، مجھے اپنی ہر شے سے بہت محبت ہے۔''

''کیا یہ صحیح ہے کہ یہ مونچھیں تمہارے لئے ایک ہتھیار کی حیثیت رکھتی ہیں؟''

''پتہ نہیں آپ کیا کہہ رہے ہیں ...... مونچھیں اور ہتھیار؟''

''تم بہ خوبی سمجھ رہے ہو، میں جو کہہ رہا ہوں۔'' وکیل استغاثہ نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

میں اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑا ہوا پھر اپنے موکل کی مدد کرتے ہوئے وکیل استغاثہ سے کہا۔ ''میرے فاضل دوست! پہیلیاں ڈال کر آپ ملزم کو ہراساں نہ کریں۔ آپ کو جو بھی کہنا ہے واضح الفاظ میں کہیں۔'' پھر میں نے روئے سخن جج کی طرف موڑتے ہوئے کہا۔

''جنابِ عالی! مونچھوں کا تذکرہ جرح کو کسی اور رخ پر ڈال رہا ہے جب کہ معزز عدالت میں اس وقت ایک قتل کے مقدمے کی سماعت ہو رہی ہے۔''

''وکیل صاحب! آپ ملزم کی مونچھوں کو زیر بحث لا کر کیا ثابت کرنا چاہتے ہیں؟'' جج نے وکیل استغاثہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''اور یہ ہتھیار سے آپ کی کیا مراد ہے؟''

''یور آنر! ملزم ان پلی پلائی صحت مند مونچھوں کے ذریعے صنفِ مخالف کو اپنی جانب راغب کرتا ہے۔ یہ مونچھیں اس کا ایک آزمودہ ہتھیار ہیں ...... اور موجودہ کیس میں اس ہتھیار نے بڑا کام دکھایا ہے۔''

''وکیل صاحب! آپ اپنے دعوے کی وضاحت کریں۔'' جج نے وکیل استغاثہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

وہ گہری سنجیدگی سے بولا۔ ''جناب عالی! میری بات کو سمجھنے کے لئے عورت کی نفسیات کو مدِ نظر رکھنا ضروری ہے۔ عورت بنیادی اور فطری طور پر کمزور اور تحفظ کی متلاشی ہوتی ہے۔ اسے مضبوط، طاقت ور اور کڑیل مرد اچھے لگتے ہیں۔ ملزم ان اوصاف پر پورا اترتا ہے اور اس کی مونچھیں اس کے طریقۂ واردات میں بہت معاون ثابت ہوتی ہیں۔''

میں نے ٹھوس لہجے میں کہا۔ ''میرے فاضل دوست! آپ نے عورت کی نفسیات کے حوالے سے جو کچھ بیان کیا ہے اسے فارمولا نہیں بنایا جا سکتا۔''

''بے شک یہ کوئی فارمولا نہیں۔'' وہ ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے بولا۔ ''میں نے عورت کی عمومی نفسیات کا ذکر کیا ہے۔''

جج وکیل استغاثہ سے مخاطب ہوتے ہوئے بولا۔ ''وکیل صاحب! اس وقت ملزم پر استغاثہ کی طرف سے دو الزامات عائد کئے گئے ہیں۔ اول اس نے مونا کو قتل کیا۔ دوم اس کا جڑاؤ طلائی سیٹ چرا کر لے گیا۔'' وہ تھوڑا متوقف ہوا پھر بولا۔ ''ابھی آپ نے ملزم کی شخصیت اور عورت کی عمومی نفسیات کا جو فلسفہ پیش کیا ہے اس سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے ملزم اور مقتولہ کے درمیان کوئی اور کہانی بھی تھی۔''

''یس یور آنر!'' وکیل استغاثہ نے جوش بھرے لہجے میں کہا۔ ''میں یہی اہم پوائنٹ معزز عدالت کے سامنے کھولنا چاہتا ہوں۔ ملزم نے اپنی پُر تاثر شخصیت کا جادو جگا کر پہلے مقتولہ کے دل ...... اور ازاں بعد گھر میں راہ بنائی پھر اپنا کام کر کے چلتا بنا۔''

''دل میں راہ!'' میں نے استہزائیہ انداز میں کہا۔ ''آپ کی بات سے تو محسوس ہوتا ہے جیسے ایک پلمبر اور ایک آرٹسٹ کی خوبصورت بیوی کے درمیان کوئی دھانسو قسم کا عشق چل رہا تھا؟''

میرا موکل اور اس مقدمے کا ملزم رستم پیشے کے اعتبار سے ایک پلمبر تھا۔ جب کہ مقتولہ ایک کمرشل آرٹسٹ خاور کی بیوی تھی۔ خاور میکلوڈ روڈ پر واقع ایک ایڈورٹائزنگ کمپنی میں ملازم تھا۔

میرے ترش سوال کے جواب میں وکیل استغاثہ کے لبوں پر معنی خیز مسکراہٹ نمودار ہوئی، پھر وہ بڑے پُر اعتماد لہجے میں بولا۔

''میں اسے دھانسو قسم کا عشق نہیں سمجھتا۔ یہ ایک طرف سے محض پسندیدگی اور دوسری

جانب سے گہری چال کا مجموعہ تھا۔''

جج نے دلچسپی لیتے ہوئے وکیل استغاثہ سے کہا۔ ''محض پسندیدگی'' اور ''گہری چال'' کی وضاحت معزز عدالت کے ریکارڈ پر آنا چاہئے۔''

''جناب عالی!'' وکیل استغاثہ اپنے سر کو تعظیمی جنبش دیتے ہوئے بولا۔ ''مقتولہ مونا، ملزم کی صحت مند مونچھوں کو بہت پسند کرتی تھی لہٰذا ان ہتھیار مونچھوں کے حامل کو بھی پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتی تھی۔ جب کہ ملزم مقتولہ کو متاثر کر کے اپنا مقصد حاصل کرنا چاہتا تھا۔ وہ مقتولہ کی کمزوری سے آگاہ ہو گیا تھا لہٰذا اس نے اپنے ہتھیار کا استعمال کرتے ہوئے مقتولہ کا اعتماد حاصل کیا اور اس کا قیمتی زیور چرا کر وہاں سے نکل گیا۔

''اور مونا کا قتل؟'' میں نے سوالیہ نظر سے وکیل استغاثہ کو دیکھا۔

وہ بولا۔ ''مقتولہ نے ملزم کی چوری پکڑ لی ہو گی۔ اس کے بعد مقتولہ کی طرف سے مزاحمت ضروری تھی۔ چنانچہ ملزم نے اپنا راز فاش ہونے سے بچانے کے لئے مقتولہ کی مزاحمت کے جواب میں اسے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خاموش کر دیا تاکہ نہ رہے بانس اور نہ بجے بانسری!''

''ویل ڈن مائی فرینڈ!'' میں نے ڈرامائی انداز میں کہا۔ ''کہانی بہت خوبصورت ہے۔ لیکن اس میں سب کچھ فرض کیا گیا ہے کہ...... ایسا ہوا ہو گا، ویسا ہوا ہو گا۔'' میں ایک لمحے کو سانس لینے کے لئے رکا پھر بات جاری رکھتے ہوئے کڑے انداز میں کہا۔

''میرے فاضل دوست! آپ کے پاس کیا ثبوت ہے کہ میرے موکل نے مقتولہ کا قیمتی زیور چرایا ہے؟ اسے چوری کرتے دیکھ کر مقتولہ نے مزاحمت پیش کی؟ میرے موکل نے مقتولہ کی مزاحمت پر اسے قتل کر دیا؟'' میں نے پے در پے تین سوالات پوچھ ڈالے۔

وہ چند لمحے سوچنے کے بعد بولا۔ ''اگر کسی گھر میں سے جڑاؤ طلائی زیور کے سیٹ والا بکس غائب ہو اور گھر کی مالکن اپنے بیڈ روم میں مردہ پائی جائے تو اس کا ایک ہی مطلب نکلتا ہے، چور نے چوری کی اور خاتونِ خانہ کو موت کے گھاٹ اتار کر نو دو گیارہ ہو گیا اور....''

وکیل استغاثہ نے جملہ ادھورا چھوڑ کر حاضرین عدالت پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالی پھر میری طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ ''اور اگر مقتولہ کی لاش کے قریب ہی آلۂ قتل بھی پڑا ہوا ملے۔ نہ صرف پڑا ہوا ملے بلکہ اس پر ملزم کی انگلیوں کے نشانات بھی پائے جائیں تو پھر ان واقعاتی شواہد سے جو نتیجہ اخذ ہوتا ہے اس کو سمجھنے کے لئے کسی اسپیشل دماغ کی ضرورت نہیں۔''

آلۂ قتل ''پائپ کٹر'' نامی ایک اوزار تھا۔ یہ اوزار ایک بڑے رینچ پانے سے مشابہ ہوتا

ہے مگر اس کے منہ (جبڑوں) میں گرفت کے ساتھ ساتھ ایک تیز دھار بلیڈ کا بندوبست بھی ہوتا ہے۔ جس پائپ کو کاٹنا مقصود ہو، اسے اس اوزار کے منہ میں ڈال کر کس دیا جاتا ہے۔ گرفت صرف اتنی رکھی جاتی ہے کہ پائپ وہاں پھنسا رہے اور گھمانے پر مخصوص حرکت کر سکے۔ پھر پائپ کے دوسرے حصے کو رینچ پانے میں جکڑ کر گھمایا جاتا ہے۔ پائپ کی اس مخصوص گردش سے کٹر کے دہانے میں نصب بلیڈ اپنا کام دکھاتا ہے اور پائپ کو مطلوبہ مقام سے کاٹ ڈالتا ہے۔

آلہ قتل یعنی مذکورہ پائپ کٹر کی لیبارٹری رپورٹ ظاہر کرتی تھی کہ اسی اوزار کی ایک جچی تلی ضرب نے مقتولہ مونا کی جان لی تھی۔ پائپ کٹر کو مقتولہ کی کھوپڑی کے عقبی حصے پر آزمایا گیا تھا جس نے کھوپڑی کو چٹخا کر رکھ دیا تھا۔ آلہ قتل پر مقتولہ کے خون کے دھبے پائے گئے تھے۔ ازیں علاوہ مقتولہ کے سر کے چند بال بھی کٹر کے جبڑے پر چپکے ہوئے ملے تھے۔ اس بات میں بھی کسی شک وشبے کی گنجائش نہیں تھی کہ کٹر کے ہینڈل پر ملزم رستم کے فنگر پرنٹس موجود تھے۔ لیکن مجھے یقین تھا میرے موکل نے کوئی قتل کیا ہے اور نہ ہی وہ کسی قسم کی چوری میں ملوث ہے۔

وکیل استغاثہ اپنی وضاحت کے بعد خاموش ہوا تو میں نے پوچھا۔ ''کیا استغاثہ یعنی پولیس نے چوری ہونے والا طلائی زیورات کا جڑاؤ سیٹ برآمد کرلیا ہے؟''

''نہیں!'' اس نے نفی میں گردن ہلاتے ہوئے مختصر جواب دیا۔

میں نے کہا۔ ''کیا استغاثہ کے پاس کوئی ایسا عینی شاہد ہے جس نے ملزم کو قتل کی واردات کرتے دیکھا ہو؟''

''اس کے لئے کسی عینی شاہد کی کیا ضرورت ہے؟'' وہ دونوں ہاتھ فضا میں پھیلاتے ہوئے بولا۔ ''آلہ قتل پر ملزم کی انگلیوں کے نشانات پائے گئے ہیں۔''

''آپ ''ہاں'' یا ''نہ'' میں میرے سوال کا جواب دیں۔'' میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے ٹھوس لہجے میں کہا۔ ''آپ کے پاس واردات کا عینی شاہد ہے یا نہیں؟''

''نہیں!'' وہ بے بسی سے کندھے اچکاتے ہوئے بولا۔ ''واقعات وشواہد......''

''واقعات وشواہد کو بعد میں دیکھیں گے!'' میں نے اس کی بات کاٹ دی۔

وہ تلملا کر رہ گیا۔ میں نے ایک لمحہ ضائع کئے بغیر سوال کیا۔

''میرے فاضل دوست! آپ کو یہ بات کس نے بتائی کہ مقتولہ ان مونچھوں کے سبب ملزم کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھنے لگی تھی؟'' بات ختم کرتے ہی میں نے رستم کی مونچھوں کی

جانب اشارہ کر دیا۔

''یہ ایک حقیقت ہے، کسی کو بتانے کی کیا ضرورت ہے؟''

''آپ اس حقیقت کو معزز عدالت کے سامنے کیسے ثابت کریں گے؟''

''حقیقت کسی ثبوت کی محتاج نہیں ہوتی۔'' وہ گردن اکڑاتے ہوئے بولا۔ ''ملزم اس وقت کٹہرے میں موجود ہے۔ اصولی طور پر یہ سوال اسی سے کیا جانا چاہئے۔ مجھے صد فی صد یقین ہے، ملزم اس حقیقت سے انکار نہیں کرسکتا۔''

اس موقع پر جج کی دلچسپی عروج کو پہنچ گئی۔ اس نے براہِ راست ملزم سے مخاطب ہوتے ہوئے پوچھا۔ ''مسٹر رستم! تم اس سلسلے میں کیا کہتے ہو؟''

رستم جج کو جواب دینے کے لئے مناسب الفاظ کا چناؤ کر ہی رہا تھا کہ وکیل استغاثہ نے اپنی ایفی شینسی کے چکر میں اس پر چڑھائی کر دی۔ اس کوشش سے وہ یہ ظاہر کرنا چاہتا تھا کہ وہ معزز عدالت پر گویا کوئی احسان فرما رہا تھا۔ اس نے ملزم کے چہرے پر نظر جماتے ہوئے سوال کیا۔

''مسٹر رستم! کیا یہ سچ ہے کہ تم مقتولہ کے گھر میں پہلی مرتبہ پچیس جنوری کو گئے تھے؟ انہیں واش روم اور بیسن کے نل تبدیل کروانا تھے۔ تم نے اسٹیمیٹ بنایا اور مقتولہ کے شوہر خاور نے تمہیں اس کام کا ٹھیکہ دے دیا۔ تم نے جب کام ختم کیا تو مقتولہ نے تمہاری اجرت کے علاوہ پچاس روپے تمہیں زیادہ دیئے تھے۔ اس رقم کو لیتے ہوئے تم نے جب سوالیہ نظروں سے مقتولہ کو دیکھا تو وہ مسکرا کر بولی، رکھ لو۔ تمہارا کام مجھے بہت پسند آیا ہے۔ یہ تمہارا انعام ہے۔ تم نے ہچکچاہٹ کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا یہ انعام خاصا بھاری ہے تو اس نے مذاق کے رنگ میں ہنس کر کہا تھا، تمہاری مونچھوں سے زیادہ بھاری تو نہیں! یہ رقم تم اپنی مونچھوں کی صحت اور نگہداشت پر خرچ کرنا۔ تم نے مقتولہ سے کوئی جرح نہیں کی اور اس کے فلیٹ سے رخصت ہو گئے۔ مگر مقتولہ کی صورت تمہارے ذہن سے چپک کر رہ گئی۔ آج تک تم سے کام کروانے والے کسی مرد و زن نے اس قسم کے رویے کا مظاہرہ نہیں کیا تھا۔ تمہارے لئے مقتولہ کا برتاؤ چونکہ ناقابل یقین اور حیرت انگیز تھا لہٰذا تم نے رات میں اپنے روم میٹ فرید سے اس واقعے کا ذکر کیا۔ فرید نے پوری بات سننے کے بعد ایک قہقہہ لگایا اور چھیڑنے والے انداز میں تم سے کہا کہ مقتولہ تمہاری مونچھوں پر مرمٹی ہے۔ یہ سن کر تمہارے دل میں لڈو پھوٹ گئے لیکن بظاہر تم نے فرید سے یہی کہا کہ ایسی کوئی بات نہیں۔ پتہ نہیں مقتولہ نے کس پنک میں تمہیں پچاس روپے زیادہ دے دیئے۔ پھر تم......''

"آپ بالکل غلط کہہ رہے ہیں، حقیقت کو بدل رہے ہیں۔" ملزم نے احتجاجی لہجے میں کہا۔

"پھر حقیقت کیا ہے؟" وکیل استغاثہ نے تیز لہجے میں دریافت کیا۔

رستم چند لمحات کے توقف کے بعد بولا۔ "یہاں تک ٹھیک ہے کہ مقتولہ نے مجھے ایک بھاری رقم انعام میں دی تھی (اس وقت پچاس روپے کی ٹپ معنی رکھتی تھی) اور مونچھوں کے حوالے سے میرا مذاق بھی اُڑایا تھا۔ لیکن جب فرید نے الٹی سیدھی باتیں شروع کیں تو میرے دل میں ہرگز کوئی لڈو نہیں پھوٹا بلکہ میں تو مقتولہ کی اس حرکت سے خاصا پریشان ہو گیا تھا۔"

"اور تمہاری یہ پریشانی بڑی خوش گوار تھی۔" وکیل استغاثہ نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "تم اتنے زیادہ پریشان ہو گئے تھے کہ دوسرے روز تم نے اپنے ساتھ کام کرنے والے دوسرے پلمبر الیاس کو خصوصی ہدایت بھی دے دی!" وکیل استغاثہ ذرا دیر کو خاموش ہوا پھر روئے سخن جج کی جانب پھیرتے ہوئے بولا۔

"یور آنر! جیسا کہ دائر استغاثہ میں تفصیلاً اس کیس کے پس منظر کو واضح کیا گیا ہے، میں اس کے ایک حصے کو دوبارہ معزز عدالت کے سامنے دہراؤں گا تاکہ میری بات کی وضاحت ہو سکے۔ ملزم نرسری مارکیٹ میں واقع "معظم ہارڈ ویئر اینڈ سینیٹری اسٹور" نامی ایک دکان پر کام کرتا ہے۔ اس کے علاوہ الیاس نامی ایک پلمبر بھی اسی دکان سے وابستہ ہے۔ جس شخص کو کام کروانا ہو وہ دکان کے مالک معظم سے رجوع کرتا ہے۔ معظم انہی دو میں سے کسی کو طالب کے ساتھ روانہ کر دیتا ہے۔ یہ دونوں اس طرح اپنا روزگار کماتے ہیں اور دکان دار کا سامان فروخت ہوتا ہے۔ جیسا کہ عام طور پر ہوتا ہے۔"

وہ ایک لمحے کو سانس لینے کی خاطر متوقف ہوا پھر سلسلۂ کلام کو جاری رکھتے ہوئے بتانے لگا۔ "جناب عالی! ملزم معزز عدالت کے روبہ رو سراسر دروغ گوئی کا مظاہرہ کر رہا ہے کہ اپنی مونچھوں کی تعریف سن کر اس کے دل میں لڈو نہیں پھوٹے تھے۔ میری بات کی سچائی اس بات سے ظاہر ہوتی ہے کہ اس واقعے کے اگلے روز ملزم نے اپنے ساتھ کام کرنے والے الیاس نامی شخص کو خصوصی ہدایت دی کہ اگر خاور یا اس کی بیوی مقتولہ مونا کے گھر سے کوئی فون بھی آئے اور انہیں کسی کام کے سلسلے میں ہماری ضرورت ہو تو وہاں الیاس نہیں، یہ خود جائے گا۔ الیاس نے استفسار کیا ایسا کیوں؟ تو اس نے بہانہ بناتے ہوئے جواب دیا۔ "ان کی طرف میری اجرت کے کچھ پیسے رکے ہوئے ہیں۔ میں ہی دوبارہ بھی جاؤں گا تو

رقم وصول ہو گی ورنہ پیسے مارے جائیں گے۔" الیاس نے اپنا ساتھی ہونے کے ناتے اس کا خیال کیا اور اسے یقین دلایا کہ یہ اس سلسلے میں بے فکر ہو جائے۔" وہ ڈرامائی انداز میں خاموش ہوا پھر جج کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "جنابِ عالی! اس شخص کی عیاری اور مکاری میں کوئی کلام باقی ہے کیا؟"

آخری جملہ اس نے سوالیہ انداز میں ادا کیا تھا۔ جج نے ملزم کی جانب دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "کیا وکیل صاحب ٹھیک کہہ رہے ہیں؟ تم نے اپنے ساتھی سے ایسی کوئی بات کہی تھی؟"

"جی ہاں، میں نے الیاس سے ایسی بات کی تھی۔" ملزم نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "لیکن اس سے میرا مقصد وہ نہیں تھا جیسا وکیل صاحب ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔"

"پھر تمہارا کیا مطلب تھا؟" جج نے استفسار کیا۔

"دراصل بات یہ ہے کہ الیاس کی خوبیوں اور خامیوں سے میں اچھی طرح آگاہ ہوں۔" میرے موکل نے وضاحتی انداز اختیار کرتے ہوئے کہا۔ "وہ اپنے کام کا تو ماہر ہے لیکن معاملات میں ڈنڈی مارنے سے نہیں چوکتا۔ بعض اشیاء کی وہ دُگنا تگنا رقم لگا لیتا ہے۔ بس اسے یہ اندازہ ہو جائے کہ کام کروانے والا اشیاء اور سامان کی اصل قیمت سے واقف نہیں، پھر وہ اسے کند چھری سے ذبح کرنے میں ایک لمحے کی تاخیر مناسب نہیں سمجھتا۔ میں نے اس خیال سے کہ مقتولہ کے ساتھ کوئی زیادتی نہ ہو جائے، الیاس سے کہا تھا کہ اس گھر میں صرف میں ہی جاؤں گا۔ مقتولہ نے پچاس روپے اضافی دے کر مجھ پر گویا ایک احسان کیا تھا۔ میں اس احسان کو بھلا کیسے بھول سکتا تھا!"

"تم واقعی مقتولہ کے احسان کو نہیں بھولے۔" وکیل استغاثہ نے زہریلے لہجے میں کہا۔ "بلکہ چند روز بعد تم نے اس کا احسان مع سود واپس کر دیا...... اس کا قیمتی طلائی زیور چرا کر...... اسے موت کے گھاٹ اتار کر۔"

"یہ جھوٹ ہے۔" رستم نے چیخ سے مشابہ آواز میں کہا۔ "میں نے کوئی چوری کی ہے اور نہ ہی کسی کی جان لی ہے۔ مجھے ایک سازش کے تحت اس کیس میں ملوث کیا جا رہا ہے۔"

رستم بڑا سمجھ دار اور بالغ ذہن شخص تھا۔ مجھ سے ہونے والی ملاقاتوں میں، میں نے اسے اچھی طرح "تیار" کر دیا تھا۔ وہ بے گناہ تھا۔ چنانچہ اسے کوئی ڈر خوف بھی نہیں تھا۔ اس پر میری شہ اور یقین دہانی کہ وہ باعزت بری ہو جائے گا۔ ان تمام عوامل نے مل کر اس

کے اندر بلا کا اعتماد بھر دیا تھا۔ وہ وکیل مخالف سے ذرا بھی خائف دکھائی نہیں دیتا تھا اور وکیل استغاثہ ہر پل اس کوشش میں تھا کہ اسے چت ڈال دے۔

''مسٹر رستم!'' وکیل استغاثہ نے اس کے چہرے پر نظر گاڑتے ہوئے سوال کیا۔ ''پچیس جنوری کے روز تم کتنے بجے مقتولہ کے گھر کام کرنے گئے تھے؟''

''دس بجے صبح۔'' رستم نے جواب دیا۔

''کیا اس وقت مقتولہ کا شوہر گھر میں موجود تھا؟''

''جی ہاں موجود تھا۔''

''جب تم اپنا کام نمٹا کر وہاں سے رخصت ہوئے تو کیا اس وقت بھی خاور گھر میں موجود تھا؟''

''میں وثوق سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔'' اس نے بتایا۔ ''میری اجرت مقتولہ نے دی تھی۔ میں نے اس کے شوہر کو دیکھا نہیں۔''

وکیل استغاثہ نے جرح کے سلسلے کو دراز کرتے ہوئے پوچھا۔ ''کیا تمہیں معلوم ہے، خاور کے اوقات کیا ہیں؟''

رستم شاید اس کی بات سمجھ نہیں سکا تھا اس لئے الجھن زدہ نظر سے اسے تکنے لگا۔

وہ وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ ''معزز عدالت یہ جاننا چاہتی ہے، کیا تم جانتے ہو، مقتولہ کا آرٹسٹ شوہر خاور دفتر جانے کے لئے کتنے بجے گھر سے روانہ ہوتا ہے اور اس کی واپسی کب ہوتی ہے؟''

''پہلے میں یہ بات نہیں جانتا تھا، بعد میں پتہ چل گئی۔''

''بعد میں......؟'' وکیل استغاثہ نے چبھتی ہوئی نظر سے اسے دیکھا۔ ''جب تم خاور کی غیر موجودگی میں ان کے گھر گئے۔ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟''

''نہیں، آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔''

''دوبارہ تم کب مقتولہ کے گھر گئے؟''

رستم نے ایک لمحہ سوچنے کے بعد جواب دیا۔ ''تیس جنوری کو۔''

''کتنے بجے؟''

''تین بجے سہ پہر۔''

''اس بار انہیں تمہاری کیا ضرورت پیش آ گئی تھی؟''

''کوئی ائر لاک کا مسئلہ تھا۔''

''میری معلومات کے مطابق تمہاری دکان پر صبح گیارہ بجے اس مسئلے کی شکایت درج کرائی گئی تھی پھر تم اتنی تاخیر سے وہاں کیوں پہنچے؟''

''دکان میں کچھ ضروری کام تھا، میں اسے نمٹا کر ادھر کا رخ کرنا چاہتا تھا۔''

''کیا ضروری کام تھا؟'' وکیل استغاثہ نے بڑے جارحانہ انداز میں استفسار کیا۔ ''میں یہ ثابت کر سکتا ہوں کہ تم دکان میں موجود ہی نہیں تھے۔ الیاس تمہاری غیر موجودگی کی گواہی دے گا۔ تم جھوٹ بول کر جان نہیں چھڑا سکتے۔''

رستم تھوڑا سا گڑبڑایا، پھر تامل کرتے ہوئے بولا۔ ''دراصل میں دکان ہی کے کام سے گیا ہوا تھا۔ معظم صاحب نے مجھے کہیں بھیجا تھا۔''

''ٹھیک ہے...... میں تمہاری بات کا یقین کر لیتا ہوں۔'' وکیل استغاثہ نے حاتم طائی کی قبر پر گویا لات مارتے ہوئے کہا۔ ''اب یہ بتاؤ، کیا تم نے مقتولہ کے گھر جا کر اس کا کام کر دیا؟''

''بہت معمولی سا فالٹ تھا۔ میں نے دس منٹ میں ٹھیک کر دیا۔'' رستم بڑی سادگی سے بولا۔ ''گھر کے تمام نلوں میں گرم پانی نہیں آ رہا تھا۔ گیزر کی سپلائی لائن میں ائر پھنس گئی تھی۔ میں نے وہ ائر نکال دی تو مسئلہ حل ہو گیا۔''

''یہ مسئلہ حل کر کے تم فوراً وہاں سے رخصت ہو گئے ہو گے؟'' وکیل استغاثہ نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''یعنی تین بج کر دس منٹ پر؟''

جواب دینے سے پہلے رستم تھوڑا متذبذب دکھائی دیا، پھر اس نے پُر اعتماد لہجے میں کہا۔

''میں لگ بھگ ساڑھے تین بجے وہاں سے واپس آیا تھا۔

''کیوں بھئی!'' وکیل استغاثہ نے مصنوعی حیرت کا اظہار کرتے ہوئے بہ آواز بلند کہا۔

''تم تین بجے وہاں پہنچے، دس منٹ کا کام تھا...... بقول تمہارے اس حساب سے تین دس پر تم فارغ ہو گئے۔ پھر مزید بیس منٹ تک تم وہاں کیا کرتے رہے؟''

''دراصل میں مقتولہ سے باتوں میں لگ گیا تھا۔'' وہ متاملانہ انداز میں بولا۔ ''اس بات چیت میں پتہ نہیں، بیس منٹ کیسے گزر گئے!''

''وہ ایسی کیا بات چیت تھی کہ تمہیں وقت گزرنے کا احساس ہی نہیں ہوا؟'' وکیل استغاثہ نے تعجب بھرے لہجے میں استفسار کیا۔ ''جب کہ تمہیں معلوم ہو چکا تھا، مقتولہ کا شوہر اس وقت گھر میں موجود نہیں۔'' وہ ایک لمحے کو متوقف ہوا پھر نکیلے پیرائے میں بولا۔ ''لگتا ہے تم دونوں میں کوئی نہایت ہی دلچسپ اور وقت فراموش گفتگو کھل گئی تھی؟''

"وہ...... وہ...... بس کچھ نہیں۔" رستم نے ہچکچاہٹ آمیز لہجے میں کہا۔ "مونا مجھ سے ایئر لاک کے بارے میں معلومات حاصل کرتی رہی۔ انہیں اکثر ائر لاک کا مسئلہ درپیش رہتا تھا۔ میں نے مونا کو بتایا کہ وہ گیزر کے لئے الگ سے پانی کی ٹینکی لگوالیں۔ ان کے فلیٹ میں صرف ایک ٹینکی تھی جو کچن میں لگی ہوئی تھی۔ گیزر اس ٹینکی سے ذرا فاصلے پر نصب تھا۔ مسئلہ یہ تھا کہ ان کی اپارٹمنٹ بلڈنگ میں ایک مخصوص وقت پر پانی آتا تھا اور لگ بھگ دو گھنٹے پانی کی سپلائی جاری رہتی۔ ٹینکی تو دس منٹ میں بھر جاتی، اس کے بعد ڈائریکٹ پانی استعمال میں رہتا۔ دس منٹ میں بھرنے والی ٹینکی زیادہ استعمال کے باعث پانی کے مخصوص وقت سے پہلے خالی ہو جاتی تو گیزر کی سپلائی لائن میں ائر پھنس جاتی جس کے نتیجے میں گرم نلوں میں پانی آنا بند ہو جاتا۔ اس مسئلے کے دو ہی حل تھے، ایک یہ کہ پانی کی سپلائی چوبیس گھنٹے رہے اور یہ سردست ممکن نہیں تھا۔ چنانچہ میں نے اسے مشورہ دیا کہ وہ گیزر کے لئے اپنے فلیٹ میں ایک اضافی ٹینکی لگوالیں تاکہ ائر لاک کی نوبت ہی نہ آئے۔" وہ ایک لمحے کو سانس کے لئے رکا پھر اضافہ کرتے ہوئے بولا۔

"اس مسئلے کا ایک تیسرا حل بھی تھا اور وہ یہ کہ گیزر کی سپلائی میں سے ایک پائپ نکال کر اوپر لے جاتا اور اسے ٹینکی کے لیول سے بلند رکھتے ہوئے کھلا چھوڑ دیتا۔ لیکن مونا کو یہ تجویز پسند نہیں آئی اور اس نے مجھ سے یہی کہا کہ وہ دوسری ٹینکی کے بارے میں اپنے شوہر سے بات کرے گی۔ اس طرح گھر کے اندر پانی کا سٹاک بھی بڑھ جائے گا۔"

"بس یا اور کچھ؟" رستم کے خاموش ہونے پر وکیل استغاثہ نے کٹیلے لہجے میں پوچھا۔

جواب میں اس نے صرف اتنا کہا۔ "بس۔"

"کیا اس روز مقتولہ نے تمہاری مونچھوں پر کوئی تبصرہ نہیں کیا؟" وہ رستم کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے مستفسر ہوا۔ "مزید کوئی ٹپ ...... یا انعام؟"

"نہیں!" رستم کا جواب یک لفظی تھا۔

"اور کوئی عنایت ...... کوئی تحفہ وغیرہ؟"

"جی نہیں۔" رستم نظر چراتے ہوئے بولا۔

وکیل استغاثہ بڑے جارحانہ انداز میں بولا۔ "اگر یہی صورتحال ہے تو پھر تم نے اس روز گھر جا کر فرید کو ایک بالکل نئی کہانی کیوں سنائی؟"

"کون سی کہانی؟" رستم نے چونکتے ہوئے لہجے میں پوچھا مگر اس کے چونکنے میں مصنوعی پن تھا۔

"کون سی کہانی!" وکیل استغاثہ نے رستم کے ادا کئے ہوئے الفاظ کو چبا چبا کر دہرایا پھر سخت لہجے میں بولا۔ "کیا یہ غلط ہے کہ اس روز تم نے اپنے روم میٹ کو بتایا تھا کہ مونا نے نہ صرف تمہاری مونچھوں کی تعریف کی بلکہ یہ بھی کہا کہ اسے ایسی توانا مونچھیں بہت پسند ہیں۔ اس پر فرید نے چھیڑنے والے انداز میں اپنا تبصرہ جاری کیا تو تم اس سے ناراض ہو گئے اور واضح الفاظ میں کہہ دیا کہ آئندہ تم اس سلسلے میں کچھ نہیں بتاؤ گے۔ تم نے ایسا کہا تھا یا نہیں؟"

"ن...... نہیں......" وہ لکنت زدہ انداز میں بولا۔ "ہا...... ہاں کہا تھا......"

"کوئی ایک جواب دو۔" وکیل استغاثہ نے اسے لتاڑا۔ "ہاں یا نہ...... ورنہ آئندہ پیشی پر مجھے مجبوراً اپنے ساتھ فرید کو بھی عدالت میں پیش کرنا پڑے گا جو اب تمہارا روم میٹ نہیں رہا۔ وہ چند دوسرے دوستوں کا ہانڈی وال ہو گیا ہے لیکن میرے رابطے میں ہے۔"

رستم منظور کالونی میں رہتا تھا اور فرید کچھ عرصے تک اسی کے کوارٹر میں رہائش پذیر رہا تھا۔ فرید دراصل صدر میں ایک 'ہیئر کٹنگ سیلون' پر کام کرتا تھا اور چند روز پہلے صدر ہی کے علاقے میں اس نے اپنے قیام کا بندوبست کر لیا تھا جہاں اس کے گاؤں کے دوسرے لڑکے بھی رہتے تھے۔

وکیل استغاثہ کے تیز و تند سوال کے جواب میں رستم نے جھنجھلاہٹ آمیز لہجے میں کہا۔ "اگر مونا نے میری مونچھوں کی تعریف کر دی تھی تو اس سے کون سی قیامت ٹوٹ پڑی؟"

"گویا تم اقرار کرتے ہو اس نے تمہاری کنگ سائز مونچھوں کو سراہا تھا؟"

"ہاں!" رستم نے اکتائے ہوئے انداز میں جواب دیا۔

وکیل استغاثہ نے جرح کے سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ "مسٹر رستم! تمہیں اپنی مونچھوں کی تعریف اس قدر بھائی کہ اگلے روز دوپہر دو بجے تم پھر مقتولہ کے فلیٹ پر پہنچ گئے۔ حالانکہ اب یہ بات تمہارے علم میں آ چکی تھی، مقتولہ کا شوہر خاور دوپہر ایک بجے گھر سے نکل جاتا ہے اور رات گئے واپس لوٹتا ہے۔ جب تم وہاں پہنچے تو مقتولہ گھر میں اکیلی تھی؟"

"میں کوئی اپنی مرضی سے وہاں نہیں گیا تھا۔" ملزم نے ناپسندیدہ نظر سے وکیل استغاثہ کو دیکھا۔ "مجھے فون کر کے بلایا گیا تھا۔"

وکیل استغاثہ نے چوٹ کرنے والے انداز میں کہا۔ "وہی ائر لاک کا مسئلہ ہوگا؟"

"آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔"

"اللہ کے بندے! آپ نے ایک ہی بار ان کا مسئلہ حل کیوں نہیں کر دیا؟"

"میں نے انہیں صورتحال سے آگاہ کر دیا تھا۔"

"اس بار تم نے مقتولہ کو ایک اور مشورہ بھی دیا تھا۔" وکیل استغاثہ نے تیکھے لہجے میں کہا۔ "گرم پانی کے نل کھولنے والا مشورہ؟"

ملزم نے سر کو اثباتی جنبش دی اور کہا۔ "ہاں، گیزر کے ائر لاک کی صورت میں اگر گھر کے گرم پانی والے سارے نل ایک ساتھ کھول دیئے جائیں تو بعض اوقات اس ترکیب سے بھی ائر لاک کھل جاتا ہے اور نلکوں میں پانی آنے لگتا ہے۔ لیکن یہ ایک عارضی حل ہے۔"

"عارضی ہی سہی......" وکیل استغاثہ نے تفہیمی انداز میں کہا۔ "بہرحال تمہاری فراہم کردہ ان تکنیکی معلومات پر مقتولہ نے تمہارا شکریہ ادا کرنے کے ساتھ ہی تمہاری فنکارانہ صلاحیت کی بھرپور تعریف بھی کی تھی؟"

"جی ہاں...... مونا نے میرے کام کو سراہا تھا اور مجھے ایک تجربہ کار پلمبر تسلیم کر لیا تھا۔"

"یہ سراہنے اور تسلیم کرنے کا عمل چند قدم آگے بڑھا اور اس نے ایک مرتبہ پھر تمہاری مونچھوں کی تعریف کر ڈالی۔ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟"

"آپ غلط نہیں کہہ رہے۔ ایسا ہوا تھا۔" ملزم نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"صرف اتنا ہی نہیں بلکہ اس روز اس سے بھی کچھ زیادہ ہوا تھا۔" وکیل استغاثہ نے بڑے معنی خیز لہجے میں کہا۔ "کیا تم اس بات سے انکار کر سکتے ہو کہ مقتولہ نے تمہاری مونچھوں کی تعریف کرتے ہوئے بڑے سرسری انداز میں تمہیں بتایا تھا، اسے اس قسم کی مونچھیں بہت پسند ہیں۔ اس نے کئی مرتبہ خاور سے کہا ہے وہ بھی اس انداز کی مونچھیں رکھے مگر وہ اس کی بات نہیں سنتا۔ خاور کو اس کی خوشی سے کوئی غرض ہی نہیں۔ اس موقع پر وہ خاصی جذباتی ہو گئی تھی؟"

ملزم نے کن انکھیوں سے میری جانب دیکھا اور وکیل استغاثہ کو جواب دیا۔ "جی، مجھے اس بات سے انکار نہیں۔ یہ واقعہ پیش آیا تھا۔ مقتولہ واقعی بڑی جذباتی اور دل گرفتہ ہو رہی تھی جس کے سبب اس کی آواز بھی بھرا گئی تھی۔"

وکیل استغاثہ بڑی بھرپور تیاری کر کے آیا تھا۔ دراصل میرا موکل ان معاملات میں پیٹ کا بڑا ہلکا ثابت ہوا تھا۔ اس کے اور مقتولہ کے درمیان مخصوص حالات میں جو کچھ بھی پیش آیا، اس نے پہلے فرید کو اور ازاں بعد الیاس کو ان واقعات سے آگاہ کر دیا تھا اور مذکورہ دونوں وکیل استغاثہ کے رابطے میں تھے۔ اسی سبب وہ اتنی اچھل کود مچا رہا تھا۔ تاہم میں

مطمئن تھا اور مجھے یقین تھا کہ اپنی باری پر جب میں منہ کھولوں گا تو وکیل استغاثہ چوکڑی بھول جائے گا۔ اسی لئے میں بڑے تحمل سے اس کی قلابازیاں ملاحظہ کر رہا تھا۔ میرے لئے وہ محض کسی بازی گر کی شعبدہ بازی تھی۔

"جب کوئی عورت جذباتی ہوتی ہے اور اس کی آواز بھرا جاتی ہے تو اس سے اگلا مرحلہ اس کے آنسو نکلنے کا ہوتا ہے۔" وکیل استغاثہ اپنی واردات کو جاری رکھتے ہوئے بولا۔ "عورت اگر خوبصورت بھی ہو تو اس کے آنسوؤں میں بڑی طاقت ہوتی ہے۔ کیا اس مرحلے پر مقتولہ کی آنکھوں میں نمی اتر آئی تھی؟"

"جی ہاں...... آواز بھرانے کے ساتھ ہی اس کی آنکھیں بھی بھر آئی تھیں۔"

"یہ منظر دیکھ کر تمہارا تو دل پسیج گیا ہوگا؟"

"ہاں ...... اس وقت مجھے سخت افسوس ہوا تھا اور اس کے ساتھ ہی مقتولہ کے شوہر پر شدید غصہ بھی آیا تھا۔" ملزم نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ "اگر وہ مونا کی خوشی کی خاطر مونچھیں رکھ لیتا تو اس میں اس کا کیا نقصان تھا...... احمق کہیں کا!"

"تم نے اپنے ان خیالات کا اظہار مقتولہ کے سامنے کیا تھا؟"

"جی ہاں، یہ میرا فطری ردِعمل تھا۔"

"اس ردِعمل کا مقتولہ پر کیا عمل ہوا؟"

"اس کی آنکھوں سے باقاعدہ آنسو جاری ہو گئے تھے۔"

"کیا تم نے ایک خوب صورت عورت کو روتے دیکھ کر اس کے آنسو پونچھنے کی کوشش نہیں کی؟" وکیل استغاثہ نے گہری سنجیدگی سے پوچھا۔ "ایسا نہ کرنا تو مرد کی شان کے خلاف ہے!"

ملزم نے بڑی رسان سے جواب دیا۔ "میں نے اس بارے میں سوچا تھا لیکن مونا نے مجھے موقع نہیں دیا اور اس سے پہلے کہ میں اس سلسلے میں کوئی قدم اٹھاتا، اس نے اپنے دوپٹے کے پلو سے خود ہی آنسو پونچھ ڈالے۔"

یہ تمام تر وہ باتیں تھیں جو گاہے بگاہے میرے موکل نے فرید اور الیاس کو اپنا رازدار سمجھتے ہوئے کی تھیں۔ اس کے علاوہ دونوں رازدار دوست چونکہ اب وکیل استغاثہ کے "استعمال" میں تھے لہٰذا وہ ان سے حاصل شدہ معلومات کے بل بوتے پر بڑے مزے سے کھیل رہا تھا۔ اس نے اپنے لہجے میں قدرے تیزی لاتے ہوئے ملزم سے پوچھا۔

"مسٹر رستم! کیا یہ صحیح ہے، مقتولہ نے اپنے آنسو صاف کرنے کے بعد تم سے ایک

فرمائش کی تھی؟''

ملزم چند لمحات کے لئے متذبذب نظر آیا تو وکیل استغاثہ نے چڑھائی کر دی۔ ''مسٹر رستم! وہ فرمائش کوئی ایسی بھی گئی گزری اور غیر اہم نہیں تھی کہ تمہارے ذہن سے نکل گئی ہو۔ ذرا سوچ کر میرے سوال کا جواب دینا۔ یہ نہ ہو کہ میرا اگلا سوال تمہارے لئے کسی بڑی مصیبت کا باعث بن جائے۔''

تھوڑے تامل کے بعد میرے موکل نے بتایا۔ ''مجھے یاد ہے، مقتولہ نے اس وقت میری مونچھوں کو چھونے کی خواہش ظاہر کی تھی۔''

''اور تم نے اس کی یہ سنسنی خیز فرمائش پوری کر دی تھی؟''

''جی ہاں ...... مجھے اس میں کوئی قباحت نظر نہیں آئی تھی۔''

''جواب میں تم نے بھی مقتولہ سے ایک فرمائش کی تھی؟''

بات ختم کرتے ہی وکیل استغاثہ بڑی تیکھی نگاہ سے اس کی آنکھوں میں جھانکنے لگا۔ ملزم کے چہرے پر ایک رنگ سا آ کر گزر گیا۔ اس رنگ میں شرم کا عنصر غالب تھا۔ تاہم جواب دینے میں اس نے کوئی خاص تردد نہیں کیا اور قدرے جھینپے ہوئے انداز میں بولا۔

''آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں ...... میں نے مقتولہ کا ہاتھ چومنے کی خواہش ظاہر کی تھی۔''

''مقتولہ کے مخروطی انگلیوں کے حامل ہاتھ تمہیں بہت اچھے لگے تھے؟''

ملزم نے اثبات میں گردن ہلانے پر اکتفا کیا۔

وکیل استغاثہ نے پوچھا۔ ''کیا تم شادی شدہ ہو؟''

ملزم نے نفی میں سر ہلایا اور کہا۔ ''نہیں۔''

''کیا مقتولہ سے پہلے تمہیں کسی عورت کے اتنے قریب ہونے کا موقع ملا؟''

''جی نہیں!'' وہ اپنی جھینپ مٹانے کے لئے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے بولا۔

''کیا مقتولہ نے تمہاری خواہش پوری کر دی تھی؟''

''جی ہاں......''

''یہ تجربہ تمہیں کیسا لگا؟''

''بہت اچھا۔''

''کیا تم اس موقع پر اپنی فرمائش تک محدود رہے تھے؟''

تھوڑے تامل کے بعد ملزم نے کہا۔ ''میرا خیال ہے میں تھوڑا آگے بڑھ گیا تھا۔''

''خیال نہیں، یقین کی بات کرو۔'' وکیل استغاثہ نے ڈانٹ سے مشابہ انداز میں کہا۔ ''یہ کوئی سنا سنایا قصہ نہیں بلکہ تمہارا ذاتی تجربہ ہے لہٰذا اس بارے میں تم سے زیادہ اور کوئی پُریقین نہیں ہو سکتا!''

ملزم نے ایک طویل اور بوجھل سانس خارج کی، پھر سنجیدگی سے بولا۔ ''مجھے خود پر اختیار نہیں رہا تھا اور ...... اور ...... میں کچھ تجاوز کر گیا تھا۔''

''کچھ تجاوز ...... کیا مطلب؟'' وکیل استغاثہ نے کڑے تیوروں سے اسے گھورا۔

ملزم نے بڑی خائف نظر سے جج کی طرف دیکھا پھر وکیل استغاثہ کی جانب متوجہ ہوتے ہوئے جواب دیا۔ ''مقتولہ مجھے بہت اچھی لگی تھی۔ میں نے اس کے ہاتھ پر بوسہ دیا تو میرے دل میں یہ خواہش جاگی کہ میں اسے اپنی بانہوں میں بھر لوں۔''

''کیا تم نے اپنی یہ دلی خواہش پوری کر لی؟''

''جی ہاں۔'' ملزم نے ندامت بھرے انداز میں کہا۔

''مقتولہ نے تمہاری اس حرکت پر کوئی اعتراض نہیں کیا؟''

ملزم نے جواب میں اپنی گردن کو نفی میں حرکت دی۔

اس وقت عدالت کے کمرے میں مقتولہ کا شوہر خاور بھی موجود تھا۔ میں توقع کر رہا تھا جرح کے اس نازک حصے پر وہ تلملا اٹھے گا۔ اسے خود پر قابو نہیں رہے گا اور وہ اپنی سیٹ سے کھڑا ہو کر پتہ نہیں ملزم کو کیا کیا سنا ڈالے گا۔ لیکن یہ دیکھ کر میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ وہ شخص بڑے امن اور سکون سے اپنی جگہ جما بیٹھا رہا۔ میں یقین سے نہیں کہہ سکتا تھا، وہ وکیل استغاثہ کی کسی خصوصی ہدایت پر اس رویے کا مظاہرہ کر رہا تھا یا پھر اس کی رگوں میں یخ بستہ خون دوڑنے کی کوشش کر رہا تھا۔ بیوی کا معاملہ بڑا حساس ہوتا ہے اور ایسی صورت میں کسی بھی غیرت مند شوہر کا چراغ پا ہو جانا عین فطری بات ہے مگر خاور ''زمیں جنبد نہ جنبد گل محمد'' کی تفسیر بنا بیٹھا تھا۔

وکیل استغاثہ نے ملزم سے سوال کیا۔ ''مسٹر رستم! اس کے بعد تم سات فروری کو مقتولہ کے فلیٹ پر گئے۔ اس وقت دن کے گیارہ بجے تھے اور مقتولہ کا شوہر گھر میں موجود تھا۔ اس روز تم نئی ٹینکی کی تنصیب کے سلسلے میں وہاں گئے تھے۔ کیا میں صحیح کہہ رہا ہوں؟''

ملزم کی تائید پا کر وکیل استغاثہ آگے بڑھتے ہوئے بولا۔ ''مذکورہ روز تم نے لگ بھگ تین بجے اپنا کام ختم کیا، اپنی اجرت وصول کی اور اوزاروں والا تھیلا اٹھا کر فلیٹ سے نکل آئے۔ جس وقت تم وہاں سے رخصت ہوئے مقتولہ مونا کا آرٹسٹ شوہر خاور گھر میں موجود

تھا حالانکہ وہ کوئی چھٹی کا دن بھی نہیں تھا۔'' وہ ایک لمحے کو متوقف ہوا پھر بات کو جاری رکھتے ہوئے اس نے ملزم سے سوال کیا۔

''کیا میں پوچھ سکتا ہوں خاور اس روز اپنے مقررہ وقت پر آفس کیوں نہیں گیا تھا؟ وہ روزانہ ایک بجے دوپہر گھر سے نکل جاتا ہے۔''

''اس نے اس روز چھٹی کر لی تھی۔'' ملزم نے جواب دیا۔ ''نئی ٹینکی کی تنصیب کے سلسلے میں گھر کا مختلف سامان اِدھر اُدھر ہو گیا تھا۔ خاص طور پر خاور کا کمرا بڑا ڈسٹرب ہوا تھا کیونکہ وہ ٹینکی اسی کے کمرے کے واش روم میں لگائی گئی تھی۔ اپنے کمرے کو سمیٹنے کی خاطر اس نے دفتر جانے کا ارادہ ترک کر دیا تھا۔''

''اپنے کمرے کو سمیٹنے کی خاطر یا......'' وکیل استغاثہ نے بڑے معنی خیز انداز میں جملہ ادھورا چھوڑا۔ پھر بڑے ڈرامائی انداز میں اضافہ کرتے ہوئے بولا۔ ''یا...... اسے تم پر شک ہو گیا تھا؟''

''مجھ پر شک کیوں ہو گا؟'' ملزم کے استفسار میں بوکھلاہٹ تھی۔

وکیل استغاثہ نے کہا۔ ''تمہارے کرتوت کی وجہ سے۔''

اس نے ''کرتوت'' کا لفظ استعمال کر کے گول مول بات کی تھی۔ ملزم جلدی سے بولا۔

''اسے کس نے بتایا ہو گا؟'' ملزم کا یہ سوال چور کی داڑھی میں تنکے والی بات تھی!

''کوئی بھی بتا سکتا ہے۔'' وکیل استغاثہ بے نیازی سے بولا۔ ''ہو سکتا ہے وہ ''حرکت'' کرتے ہوئے تمہیں کسی نے دیکھ لیا ہو...... ویسے بزرگوں سے سنتے آئے ہیں، دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں۔ اگر کان ہوتے ہیں تو پھر آنکھیں بھی ہوتی ہوں گی۔ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟''

''ہاں، آپ غلط کہہ رہے ہیں۔'' ملزم نے مضبوط لہجے میں کہا۔ ''دیواروں کے کان ہوتے ہیں اور نہ ہی آنکھیں اور...... وہ جو آپ نے کسی کے دیکھنے کی بات کی ہے نا، وہ بھی سراسر جھوٹ ہے۔ کیونکہ اس وقت ہم دونوں کے سوا فلیٹ کے اندر کوئی نہیں تھا۔ ہم ایسی جگہ پر کھڑے تھے کہ کھڑکی وغیرہ میں سے بھی کسی کی نگاہ ہم پر نہیں پڑ سکتی تھی۔''

''بہرحال!'' وکیل استغاثہ نے کندھے اچکا دیئے۔ ''تمہارے کرتوت سے مقتولہ کا شوہر آگاہ ہو گیا تھا۔ یہ الگ بات کہ اس نے تم پر یہ ظاہر نہیں کیا اور اس سلسلے میں تم سے کوئی باز پرس بھی نہیں کی۔ مگر تم نے اس کی خاموشی اور لاتعلقی کا ناجائز فائدہ اٹھایا۔ میں غلط تو نہیں کہہ رہا؟''

''پتہ نہیں، آپ کیا کہہ رہے ہیں۔'' ملزم نے عجیب سے لہجے میں کہا۔ ''میں نے ایسا کون سا فائدہ اٹھایا تھا؟''

''یہ بھی مجھے ہی بتانا ہو گا!'' وکیل استغاثہ نے دونوں ہاتھ پھیلاتے ہوئے معنی خیز انداز میں کہا۔ ''کیا یہ درست ہے کہ اس سے اگلے روز یعنی آٹھ فروری کو تم بن بلائے مقتولہ کے فلیٹ پر چلے گئے تھے اور وہ بھی سہ پہر کے وقت؟''

''ہاں، یہ درست ہے۔ لیکن میں ایک ضروری کام سے وہاں گیا تھا۔''

''ضروری کام یا خوبصورت بہانہ؟''

''آپ خواہ مخواہ ہر سیدھی چیز کو الٹا کر پیش کر رہے ہیں وکیل صاحب!'' ملزم نے جرأت مندی دکھاتے ہوئے کہا۔ ''وہ کوئی خوبصورت یا بدصورت بہانہ نہیں تھا۔ ایک روز پہلے وہاں کام کرتے ہوئے میرا پائپ کٹر کہیں اِدھر اُدھر ہو گیا تھا۔ آٹھ فروری کی صبح ایک ضرورت کے تحت میں نے ٹول کٹ کھولی تو کٹر غائب تھا۔ میرے ذہن میں پہلا خیال یہی آیا کہ شاید وہ اوزار مقتولہ کے گھر میں ہی رہ گیا ہے، میں اسے کٹ میں رکھنا بھول گیا ہوں۔ یہ خیال اس لئے بھی آیا کہ اس دوران میں، میں نے اور کہیں کام نہیں کیا تھا۔ میں اپنے پائپ کٹر کے بارے میں معلوم کرنے مقتولہ کے فلیٹ پر گیا تھا۔ بس اتنی سی بات ہے۔''

''یہ بات بس اتنی سی نہیں ہے مسٹر رستم!'' وکیل استغاثہ نے اسے تیز نظر سے گھورا۔ ''تم نے بتایا ہے، آٹھ فروری کی صبح تمہیں اپنے پائپ کٹر کی گمشدگی کا علم ہو گیا تھا۔ معزز عدالت یہ جاننا چاہتی ہے تم پائپ کٹر کی گمشدگی کا احساس ہوتے ہی مقتولہ کے فلیٹ کی طرف کیوں نہیں چلے گئے، سہ پہر ہونے کا انتظار کیوں کرتے رہے؟ کیا یہ انتظار اس لئے تھا کہ مقتولہ کا شوہر دفتر روانہ ہو جائے؟''

وکیل استغاثہ کے آخری سوال پر حاضرین عدالت میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں۔ ایک دو افراد کی ہنسی بھی ابھری تھی۔ اس افراتفری نے جج کو مداخلت کرنے پر مجبور کر دیا۔ اس نے حاضرین عدالت کو خاموش رہنے کی تلقین کی اور ملزم سے کہا کہ وہ وکیل استغاثہ کے سوال کا جواب دے۔

میرے موکل اور اس مقدمے کے ملزم رستم نے تھوک نگل کر اپنا حلق تر کیا پھر وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ ''وہ دراصل بات یہ ہے کہ میں اس روز صبح سے خاصا مصروف ہو گیا تھا اور سہ پہر سے پہلے مقتولہ کے فلیٹ کی طرف جانے کا مجھے موقع نہیں ملا تھا۔''

''تم مقتولہ مونا یا اس کے شوہر خاور کو فون کر کے بھی پائپ کٹر کے بارے میں پوچھ سکتے تھے۔'' وکیل استغاثہ نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''یہ ناممکن تو نہیں تھا۔''

''ناممکن نہیں تھا۔'' ملزم نے تائیدی انداز میں گردن ہلائی۔ ''لیکن میرا اس طرف دھیان ہی نہیں گیا۔''

''وہ اس لئے کہ تمہارا دھیان کہیں اور مصروف تھا۔'' وکیل استغاثہ نے گھور کر اسے دیکھا۔ ''خیر یہ بتاؤ کہ جب تم اپنے اوزار کی تلاش میں مقتولہ کے فلیٹ پر پہنچے تو اس نے کیا ردِعمل ظاہر کیا تھا؟''

ملزم نے جواب دیا۔ ''مونا نے کہا تھا، میرا کوئی اوزار ان کے فلیٹ پر نہیں رہ گیا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے پیش کش کی کہ میں اندر آ کر اس اوزار کو تلاش کر سکتا ہوں۔''

''اور تم نے اس پیش کش سے بھرپور فائدہ اٹھایا؟''

وکیل استغاثہ کے اس وسیع معنی استفسار پر عدالت کے کمرے میں ایک مرتبہ پھر ہلکا سا شور اٹھا۔ حاضرین عدالت کی تمسخرانہ سرگوشیوں نے تیز بھنبھناہٹ کا رنگ اختیار کر لیا۔ تاہم ملزم کے بولتے ہی وہ خاموش ہو گئے۔

''میں وہاں پائپ کٹر کی تلاش میں گیا تھا۔'' ملزم نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''مقتولہ کی پیشکش پر میں اس کے فلیٹ میں داخل ہو گیا تھا لیکن......''

ملزم سانس لینے کی خاطر تھوڑا متوقف ہوا مگر وکیل استغاثہ نے اس موقع پر بڑے بے صبرے پن کا مظاہرہ کیا۔ اس سے پہلے کہ ملزم اپنی ادھوری بات کو پورا کرتا، وکیل استغاثہ فوراً بول اٹھا۔

''لیکن کیا مسٹر رستم؟''

''لیکن ...... یہ کہ میرا پائپ کٹر نہیں مل سکا۔''

''اوہ!'' وکیل استغاثہ نے متاسفانہ انداز میں کہا۔ ''تمہیں مایوسی تو بہت ہوئی ہو گی؟''

''کیسی مایوسی؟'' ملزم نے الجھن زدہ لہجے میں دریافت کیا۔

وکیل استغاثہ چالاکی سے بولا۔ ''اس کا مطلب ہے تمہیں مایوسی نہیں ہوئی تھی؟''

''پتہ نہیں آپ الفاظ کو الٹا گھما کر کیا ثابت کرنا چاہتے ہیں۔''

وکیل استغاثہ نے اپنے مبہم بیان کی وضاحت کرنے کی بجائے الٹا ملزم سے سوال کر ڈالا۔ ''مسٹر رستم! کیا یہ سچ ہے پائپ کٹر کی تلاش میں مقتولہ مونا بھی تمہارے ساتھ پورے فلیٹ میں چکراتی پھری تھی؟''

''پورے فلیٹ میں نہیں۔'' ملزم نے جلدی سے کہا۔ ''صرف ان جگہوں پر جہاں میں نے کام کیا تھا۔ خاور کے روم سے ملحق واش روم میں اور گیزر کے پاس۔''

''کیا اس روز تم مونا کے بیڈروم میں بھی گئے تھے؟''

''میں اس کے بیڈروم سے گزرا تھا۔''

''اوہ......'' وکیل استغاثہ نے آنکھیں پھیلا کر بڑے معنی خیز انداز میں حاضرین عدالت کو دیکھا پھر ملزم کی جانب متوجہ ہوتے ہوئے چبھتے ہوئے لہجے میں بولا۔

''مسٹر رستم! تمہیں پائپ کٹر کے نہ ملنے کا افسوس تو نہیں ہوا ہو گا۔ تم جس مقصد سے مقتولہ کے فلیٹ پر گئے تھے، وہ تو پورا ہو گیا!''

''میں سمجھا نہیں، آپ کیا کہنا چاہ رہے ہیں؟''

''تم بڑی اچھی طرح سمجھ رہے ہو مسٹر رستم!'' وکیل استغاثہ نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ ''پائپ کٹر کے ملنے کا تمہیں اس لئے افسوس نہیں ہوا کہ تمہارا وہ اوزار کھویا ہی نہیں تھا۔ وہ محض ایک بہانہ تھا...... مقتولہ کے فلیٹ میں داخل ہونے کا...... اس کا قرب حاصل کرنے کا......''

''یہ جھوٹ ہے......'' ملزم چیخ اٹھا۔ ''میں نے کوئی بہانہ نہیں بنایا۔ میرا اوزار واقعی کھو گیا تھا۔ جس کی تلاش میں، میں مقتولہ کے فلیٹ کی طرف گیا تھا۔''

''کیا یہ بھی جھوٹ ہے کہ گزشتہ سے پیوستہ کے مصداق اس روز بھی تمہیں مقتولہ کا قرب حاصل ہو گیا تھا؟'' وکیل استغاثہ نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے تیز لہجے میں سوال کیا۔

میرا موکل پیٹ کا ہلکا ثابت ہوا تھا اور اس کے اس ہلکے پن نے وکیل استغاثہ کا پلڑا بھاری کر دیا تھا۔ ملزم نے اپنے دوستوں کو جو بھی کہانیاں سنائی تھیں، ان میں مرچ مسالا بھر کر وکیل استغاثہ نے خاصے ڈرامائی سین تخلیق کر لئے تھے۔ میرے لئے اطمینان کا پہلو یہ تھا کہ میرا موکل ڈٹ کر وکیل استغاثہ کا مقابلہ کر رہا تھا۔ اس نے حقیقت کو تسلیم کرنے کے لئے اب تک جھوٹ کا سہارا نہیں لیا تھا۔ اس نے اپنی جذباتی لغزشوں اور لرزشوں کا کھلم کھلا اقرار کر لیا تھا۔ ''سچ کو آنچ نہیں'' کے مطابق ملزم کے رویے سے یہ کیس ہمارے حق میں بہتر ہوتا جا رہا تھا۔

وکیل استغاثہ کے سوال کے جواب میں رستم نے نہایت ہی ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

''یہ جھوٹ نہیں، میں نے اس روز بھی مونا کو پیار کیا تھا۔''

''چلیں، پائپ کٹر کھویا تھا یا نہیں، تمہارا مقصد تو پورا ہو گیا۔'' وکیل استغاثہ نے تیکھے انداز میں کہا۔

وکیل استغاثہ کے اس تبصرے پر حاضرین عدالت میں سے بیشتر کی ہنسی چھوٹ گئی۔ پھر ان کی دیکھا دیکھی دوسروں نے بھی ہمت پکڑی اور چہ میگوئیوں کی فضا ہموار ہو گئی۔ میں نے وکیل استغاثہ کی بات پوری ہونے کے ساتھ ہی مقتولہ کے شوہر خاور کی طرف دیکھا۔ مجھے امید تھی، اس موقع پر وہ ضرور سیٹ سے کھڑا ہو کر کوئی پُر اشتعال تقریر کر ڈالے گا۔ ایک طرح سے اس کی مرحوم بیوی پر کیچڑ ڈالی جا رہی تھی لیکن وہ ٹس سے مس نہ ہوا۔ اس کے صبر وسکون کو دیکھتے ہوئے اندازہ ہوتا تھا، عدالت آنے سے پہلے اس نے ٹھنڈائی کا ایک بڑا پیالہ اپنے معدے میں انڈیل لیا تھا اور ٹھنڈائی بھی دھنیا والی! اس کا اطمینان بھرا رویہ ہمارے خطے کی نفسیات سے متصادم تھا۔

جج کو ایک مرتبہ پھر حاضرین عدالت کو خاموش کرانے کے لئے مخصوص جملوں کا استعمال کرنا پڑا۔ اگلے ہی لمحے عدالت کے کمرے میں سناٹے کی سی کیفیت ابھر آئی۔ اس سکوت کو وکیل استغاثہ کی تیز آواز نے توڑا۔ وہ ملزم سے کہہ رہا تھا۔

''مسٹر رستم! اس کے بعد دس فروری کا دن آتا ہے یعنی وقوعہ کا روز۔ اس روز بھی تم مقتولہ کے فلیٹ میں کچھ ٹھیک کرنے ...... کچھ خراب کرنے پہنچ گئے تھے ...... اور وہ بھی اس وقت جب خاور گھر میں نہیں تھا۔''

''وہ اگر گھر میں نہیں تھا تو اس میں میرا کیا قصور!'' ملزم نے شپٹائے ہوئے انداز میں کہا۔ ''مجھے کام کے لئے جہاں اور جس وقت بلایا جائے گا، میں جاؤں گا۔''

''وقوعہ کے روز تمہیں مقتولہ نے یا اس کے شوہر نے بلایا تھا؟'' وکیل استغاثہ نے پوچھا۔

''مقتولہ مونا نے۔''

''مقتولہ کو تم سے کیا کام پڑ گیا تھا؟''

''اس کے گیزر میں تھوڑی گڑبڑ ہو گئی تھی۔''

''واہ!'' وکیل استغاثہ نے مذاق اُڑانے والے انداز میں سراہا پھر رازدارانہ انداز میں ملزم سے پوچھنے لگا۔ ''سچ سچ بتاؤ تم نے اس گیزر کو کوئی رشوت وغیرہ تو نہیں دے رکھی تھی؟''

''کیا مطلب ہے آپ کا؟''

''بھئی اول آخر یہ گیزر ہی تمہاری راہ ہموار کرتا نظر آتا ہے۔'' وکیل استغاثہ سہلانے والے انداز میں بولا۔ ''اس سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے، پانی گرم کرنے والی یہ دھاتی مشین

تمہارے اشاروں پر ناچتی ہے!''

ملزم نے اکتاہٹ بھرے لہجے میں جواب دیا۔ ''ایسی کوئی بات نہیں۔ گیزر کا تھرمو اسٹیٹ گڑبڑ کر رہا تھا اور میں نے انہیں بتا دیا تھا کہ وہ اسے تبدیل کروالیں۔ اس روز مقتولہ نے مجھے تھرمو اسٹیٹ کی تبدیلی کے لئے ہی اپنے فلیٹ پر بلایا تھا۔''

''یہ تو بہت معمولی سا کام ہے۔ تم نے پندرہ بیس منٹ میں نمٹا دیا ہوگا۔'' وکیل استغاثہ نے سرسری انداز میں کہا۔ ''ابھی چند روز پہلے میں نے بھی اپنے گھر کے گیزر کا تھرمو اسٹیٹ بدلوایا ہے اس لئے میں بھی اس بارے میں کرنٹ معلومات رکھتا ہوں۔''

''آپ ٹھیک کہتے ہیں ...... یہ اتنے ہی وقت کا کام ہے۔''

''پھر تم اس سے دوگنا وقت تک مقتولہ کے فلیٹ میں کیا کرتے رہے تھے؟''

''وہ...... مقتولہ نے مجھے چائے کے لئے روک لیا تھا۔''

''اوہو...... خاطر مدارات!'' وکیل استغاثہ نے استہزائیہ انداز میں کہا۔ ''بھئی تمہارا پیشہ تو بڑے مزے کا ہے۔'' ایک لمحے کو رک کر اس نے چونک کر پوچھا۔ ''کیا سارے پلمبر تمہاری طرح خوش قسمت بھی ہوتے ہیں؟''

ملزم نے وکیل استغاثہ کے سوال کا جواب دینے کی بجائے اپنے زیادہ دیر تک مقتولہ کے فلیٹ پر قیام کی وضاحت کرتے ہوئے کہا۔ ''وہ دراصل بات یہ ہے کہ کام ختم کرنے کے بعد میں نے تو صرف پانی مانگا تھا لیکن مقتولہ نے مجھے بٹھا لیا اور کہا کہ پانی بھی ملے گا اور چائے بھی پی کر جاؤ۔ ہم تمہیں بار بار تکلیف دیتے رہتے ہیں۔''

''اس نے کہا اور تم رک گئے؟'' وکیل استغاثہ کا انداز ڈانٹنے والا تھا۔

''میں کیا کرتا ...... اخلاقیات کا تقاضا یہی تھا۔''

''عمدہ اخلاق کے اس مظاہرے کے بعد تم نے جو کچھ کیا اسے انسانی اقدار کے کس صفحے پر رقم کرو گے؟'' وکیل استغاثہ کے انداز میں جارحیت اتر آئی۔

ملزم نے متذبذب نظر سے اسے دیکھا۔ ''میں نے کیا، کیا تھا؟''

وہ ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے پھنکارا۔ ''مسٹر رستم! تم نے مقتولہ کی سادگی نما شرافت اور بے وقوفی سے بھرپور فائدہ اٹھایا۔ تم انسان نہیں درندے ہو ...... ایک نہایت ہی وحشی درندے۔''

وکیل استغاثہ کے تیزی سے بدلتے ہوئے تیور نے ملزم کو بوکھلا دیا۔ وہ پریشان کن لہجے میں متفسر ہوا۔ ''وکیل صاحب! میں سمجھ نہیں سکا، آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟''

''میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ......'' وکیل استغاثہ نے ڈرامائی انداز جاری رکھتے ہوئے کہا۔ ''تم اپنی محسن مقتولہ مونا کی نظر بچا کر اس کے بیڈ روم میں پہنچ گئے۔ وہ اس وقت کچن میں تمہارے لئے چائے بنا رہی تھی۔ تم نے اس کے اخلاق کا ناجائز فائدہ اٹھایا، اس کے اعتماد کو ٹھیس پہنچائی۔ تم نے یہی موقع حاصل کرنے کے لئے اتنی محنت کی تھی۔ مقتولہ کی کمزوری کا علم ہوتے ہی تم نے اپنی صحت مند مونچھوں کو بھرپور استعمال کیا اور مقتولہ کا اعتماد حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ وہ تم پر اتنا بھروسہ کرنے لگی کہ اکیلے گھر میں تمہیں چائے پلانے کو تیار ہو گئی۔''

وہ ایک لمحے کو متوقف ہو کر جج کی طرف دیکھنے لگا پھر سلسلۂ بہتان کو جاری رکھتے ہوئے جوشیلے لہجے میں بولا۔ ''تم مقتولہ کے بیڈ روم میں پہنچے اور اس کی ڈریسنگ کے دروازوں کو کھکھوڑنے لگے۔ اتنے دنوں کی آمد و شد سے تم نے یہ اندازہ لگا لیا تھا کہ مقتولہ اپنا زیور کہاں رکھتی ہے۔ بہرحال تھوڑی سی کوشش کے بعد تم زیورات کے باکس تک رسائی حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ تم نے طلائی جڑاؤ سیٹ والا باکس دراز میں سے نکال لیا...... اور اسی موقع پر ایک اپ سیٹ ہو گیا۔'' وہ تھوڑی دیر کو رکا پھر اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے بولا۔

''خلافِ توقع مقتولہ نے کچھ جلدی چائے بنا ڈالی۔ تم اسے نظر نہیں آئے تو وہ تمہاری تلاش میں بیڈ روم تک چلی آئی اور...... پھر اس نے تمہیں رنگے ہاتھوں پکڑ لیا۔ آئی مین ریڈ ہینڈڈ!''

''یہ جھوٹ ہے...... الزام ہے۔'' ملزم احتجاجی لہجے میں چیخا۔

وکیل استغاثہ نے اس کی چلاہٹ کی پرواہ نہیں کی اور اپنی ہی دھن میں بولتا چلا گیا۔ ''تم مقتولہ کو اپنے سر پر کھڑے دیکھ کر بوکھلا گئے۔ وہ تمہارے ہاتھ میں زیورات والا باکس دیکھ کر صورتحال کی تہہ میں اتر چکی تھی۔ ایک لمحے کے لئے تم دونوں کی نظریں ملیں اور تم نے اسی ایک لمحے کے ہزارویں حصے میں اندازہ لگا لیا کہ گڑبڑ ہو چکی ہے، تمہاری چوری پکڑی گئی ہے۔ اگر تم نے مقتولہ کا کوئی بندوبست نہ کیا تو خود بھی پکڑے جاؤ گے...... اور پھر تم نے مقتولہ کا بندوبست کر دیا!''

''آپ غلط کہہ رہے ہیں...... یہ سراسر جھوٹ ہے۔'' ملزم نے احتجاج کیا۔ ''میں نے کوئی زیور چرانے کی کوشش کی اور نہ ہی مونا کو قتل کیا ہے۔''

''آلۂ قتل، پائپ کٹر تم سے تعلق رکھتا ہے۔'' وکیل استغاثہ نے سنسناتے ہوئے لہجے میں

کہا۔ ''اور اس اوزار کے ہینڈل پر تمہاری انگلیوں کے بڑے واضح نشانات پائے گئے ہیں مسٹر رستم! تم جھوٹ بول کر، چیخ چلا کر اور معصوم قابل رحم صورت بنا کر عدالت کی ہمدردیاں نہیں سمیٹ سکتے کیونکہ عدالت ثبوت مانگتی ہے۔ ٹھوس ثبوت!''

پھر وہ جج کی طرف مڑا اور سر کو تعظیمی جنبش دیتے ہوئے اس نے کہا۔ ''دیٹس آل یور آنر!''

وکیل استغاثہ نے جرح ختم کی تو گویا میرا انتظار ختم ہو گیا۔ میں اپنی سیٹ سے اٹھا اور جج کی اجازت حاصل کرنے کے بعد موکل والے کٹہرے کی جانب بڑھ گیا۔

میں نے اپنے اوور آل کو درست کرتے ہوئے ملزم سے سوال کیا۔

''مسٹر رستم! تم جس دکان سے وابستہ ہو وہ کراچی کے کس علاقے میں واقع ہے؟''

یہ بات مجھے پہلے سے معلوم تھی تاہم یہ بھی میری جرح کا ایک انداز تھا۔ رستم نے میرے سوال کے جواب میں بتایا۔ ''نرسری مارکیٹ میں۔''

''اور مقتولہ کا فلیٹ؟''

''وہ لوگ ایس ایم سی ایچ ایس کی ایک اپارٹمنٹس بلڈنگ میں رہتے تھے۔'' اس نے بتایا۔ ''فلیٹ نمبر تین سو چار۔''

''یعنی سندھی مسلم کوآپریٹو ہاؤسنگ سوسائٹی میں۔'' میں نے بڑبڑانے والے انداز میں کہا پھر رستم سے سوال کیا۔ ''تمہاری دکان سے مذکورہ فلیٹ تک پہنچنے میں کتنا وقت لگتا ہے؟''

''زیادہ سے زیادہ دس منٹ۔'' اس نے جواب دیا۔

''ٹھیک کہتے ہو۔'' میں نے اثبات میں گردن ہلائی۔ ''نرسری مارکیٹ اور سندھی مسلم سوسائٹی میں زیادہ فاصلہ نہیں۔ ذرا سوچ کر بتاؤ، وقوعہ کے روز تم کتنے بجے دکان سے روانہ ہوئے تھے؟''

''لگ بھگ ایک بجے دوپہر۔'' اس نے پُر وثوق انداز میں کہا۔

''اس کا مطلب ہے تم ایک دس پر اس فلیٹ میں تھے۔'' میں نے خود کلامی کے سے انداز میں کہا پھر پوچھا۔ ''وقوعہ کے روز تم مقتولہ کے فلیٹ سے کتنے بجے نکلے تھے؟''

''ایک پینتالیس پر۔ یعنی پونے دو بجے۔''

''تم بڑا درست وقت بتا رہے ہو؟'' میں نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

''وہ اس لئے کہ میں نے بلڈنگ کی سیڑھیاں اترتے وقت اپنی گھڑی میں وقت دیکھا

تھا۔'' ملزم نے اپنے جواب کی وضاحت میں کہا۔

''اس سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے، تم کم و بیش پینتیس منٹ تک مقتولہ کے فلیٹ میں رہے تھے؟'' میں نے سوالیہ نظر سے اس کی طرف دیکھا۔

''جی ہاں، آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔'' اس نے تصدیق کرتے ہوئے کہا۔

پوسٹ مارٹم کی رپورٹ میں مقتولہ مونا کی موت کا وقت دس فروری دوپہر دو اور تین بجے کے درمیان بتایا گیا تھا۔ اگر میرے موکل کی آمد و شد کے اوقات کو شک کی نگاہ سے نہ دیکھا جاتا تو وہ اس قتل کیس سے مبرا ہو جاتا تھا مگر استغاثہ اس کے بیان پر یقین کرنے کو تیار نہیں تھا۔ استغاثہ کے اندازے بلکہ دعوے کے مطابق ملزم وقوعہ کے روز ڈیڑھ بجے مقتولہ کے فلیٹ پر پہنچا تھا اور سوا دو یا ڈھائی بجے وہاں سے رخصت ہوا تھا۔

میں نے سوالات کا زاویہ تبدیل کرتے ہوئے اپنے موکل سے استفسار کیا۔ ''کیا وقوعہ کے روز تم اپنی ٹول کٹ کے ساتھ مقتولہ کے فلیٹ پر پہنچے تھے؟''

''جناب! ٹول کٹ تو کسی بھی دست کار کے گویا ہاتھ پاؤں ہوتے ہیں۔'' وہ بڑی سادگی سے بولا۔ ''میں اپنے اوزاروں کے بغیر تو دو کوڑی کا نہیں ہوں۔''

''گویا وقوعہ کے روز ٹول کٹ تمہارے ساتھ تھی؟''

اس نے اپنی گردن کو بڑی توانا جنبش دی۔ جو اثبات کا ذریعہ بنی۔

میں نے سوال کیا۔ ''جب تم تھرمو اسٹیٹ کو تبدیل کر چکے اور مقتولہ نے تمہیں چائے کی پیشکش کی تو تم اس کے فلیٹ کے کس حصے میں بیٹھے تھے؟ ظاہر ہے، چائے بنانے میں کچھ نہ کچھ وقت تو صرف ہوتا ہی ہے...... اور یہ وقت تم نے انتظار میں گزارا ہوگا؟''

''جب مقتولہ مونا چائے بنانے کے لئے کچن میں گئی تو میں کامن روم میں بچھے ایک صوفے پر بیٹھ گیا تھا۔'' ملزم نے بڑی رسان سے بتایا۔

میں نے تصدیق طلب انداز میں پوچھا۔ ''تم اسی کامن روم کی بات کر رہے ہو نا جس کے بالکل سامنے کچن ہے...... اور وہاں سے کچن کا اندرونی منظر صاف نظر آتا ہے؟''

''جی ہاں...... جی ہاں......'' وہ جلدی سے بولا۔

میں نے پوچھا۔ ''کیا چائے بنانے کے دوران میں مقتولہ مونا نے کچن کا دروازہ بند کر دیا تھا؟''

''نہیں......'' وہ قطعیت سے بولا۔ ''جب تک وہ کچن میں موجود رہی، میری نظروں کے سامنے رہی۔ میں اسے مسلسل دیکھتا رہا تھا۔''

''اور وہ......؟'' میں نے استفسار کیا۔

''اس نے بھی کئی مرتبہ پلٹ کر میری طرف دیکھا تھا۔'' اس نے بتایا۔ ''اس دوران میں ہمارے درمیان بات چیت کا سلسلہ جاری رہا تھا۔''

میں نے کہا۔ ''جس وقت تم کامن روم کے ایک صوفے پر بیٹھے چائے بننے کا انتظار کر رہے تھے، تمہاری ٹول کٹ کہاں رکھی تھی؟''

''ٹول کٹ میرے پاس ہی تھی۔'' وہ ٹھوس انداز میں بولا۔ ''میں نے اسے صوفے کے ایک طرف بیرونی دروازے کے نزدیک فرش پر رکھ دیا تھا۔''

''کیا اس وقت تمہاری ٹول کٹ میں پائپ کٹر موجود تھا؟''

''نہیں۔'' وہ دوٹوک انداز اختیار کرتے ہوئے بولا۔

''ٹھیک ہے......'' میں نے سرسری لہجے میں کہا اور جج کے سامنے موجود میز کی طرف بڑھ گیا۔

مذکورہ میز کے نزدیک ایک چھوٹی میز بھی موجود تھی جس پر اس کیس سے متعلق ضروری چیزیں رکھی گئی تھیں جن میں سب سے نمایاں وہ پائپ کٹر تھا جسے سیلوفن کی ائر ٹائٹ تھیلی میں محفوظ کر کے رکھا گیا تھا۔

میں نے پائپ کٹر والے سیلوفین بیگ کو اٹھایا پھر جج کی اجازت سے اسے لے کر ملزم والے کٹہرے کے نزدیک آ گیا۔ میں نے مذکورہ بیگ کو اپنے موکل رستم کی آنکھوں کے سامنے لہرایا اور پوچھا۔

''جانتے ہو اس بیگ کے اندر کیا ہے؟''

''یہ میرا پائپ کٹر ہے جناب۔'' وہ بڑی سنجیدگی سے بولا۔ ''یہی تو وہ اوزار ہے جو سات فروری کو کہیں گم ہو گیا تھا اور ہزار تلاش کرنے کے بعد بھی مجھے نہیں ملا تھا۔''

''تو تم نے اپنی چیز کو پہچان لیا۔ یہ اچھی بات ہے۔'' میں نے سرسری انداز میں کہا پھر اضافہ کیا۔ ''تمہارا یہ اہم اوزار دس فروری کے بعد آلۂ قتل کی حیثیت اختیار کر چکا ہے اور یہ کوئی غلط بات بھی نہیں۔ مونا کو واقعی اسی پائپ کٹر کی مدد سے ہلاک کیا گیا ہے۔''

''لیکن مونا کے قتل سے میرا کوئی تعلق نہیں۔''

''جانتا ہوں، جانتا ہوں۔'' میں نے تسلی دینے والے انداز میں کہا۔ ''آلۂ قتل پر تمہاری انگلیوں کے نشانات پائے گئے ہیں۔ اس لئے استغاثہ تمہیں قاتل گردان رہا ہے۔ بہرحال یہ کوئی اتنی زیادہ تشویش کی بات نہیں۔''

اتنا کہہ کر میں واپس جج کی جانب مڑ گیا اور آلۂ قتل کو واپس اس کی جگہ پر رکھنے کے بعد میں نے جج سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔

''جنابِ عالی! میں معزز عدالت کی اجازت سے اس کیس کے انکوائری آفیسر سے چند ضروری باتیں کرنا چاہتا ہوں۔''

جج نے حسبِ منشاء اجازت دے دی۔ انکوائری آفیسر ایک شان سے چلتے ہوئے گواہوں والے کٹہرے میں آن کھڑا ہوا۔ وہ رینک کے اعتبار سے ایک سب انسپکٹر تھا اور ماشاء اللہ اس نے بھی خاصی بھاری بھرکم مونچھیں پال رکھی تھیں۔

میں نے اس کے چہرے پر نگاہ گاڑتے ہوئے خوش گوار لہجے میں کہا۔ ''آئی۔او صاحب! کیا میں آپ کا نام جان سکتا ہوں؟''

''مجھے شمشیر علی کہتے ہیں۔''

''شمشیر علی یا صرف شمشیر؟''

''آپ جو بھی سمجھ لیں۔'' وہ رُکھائی سے بولا۔

میں نے کہا۔ ''اگر میرے سمجھنے پر ہی موقوف ہے تو میں آپ کو جو سمجھ رہا ہوں، اس کا اظہار نہیں کروں گا۔''

''آپ کی مرضی ہے جناب! میں کیا کہہ سکتا ہوں۔''

''آپ بہت کچھ کہہ سکتے ہیں ...... اور آپ کو کہنا ہوگا۔'' میں نے دوستانہ انداز میں کہا۔ ''اگر آپ میرے سوالات کے جواب میں کچھ نہیں کہیں گے تو پھر آپ کو کٹہرے میں بلانے کا فائدہ کیا؟''

وہ قدرے رعونت سے بولا۔ ''پوچھیں، آپ مجھ سے کیا پوچھنا چاہتے ہیں؟''

میں نے کہا۔ ''بات ذرا ذاتی نوعیت کی ہے۔ آپ مائنڈ تو نہیں کریں گے؟''

''جس طرح شرع میں شرم نہیں ہوتی، بالکل اسی طرح عدالت میں بھی کوئی تردّد نہیں ہوتا۔'' وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔ ''اگر آپ کا سوال موجودہ کیس سے متعلق ہوگا تو میں اس کا جواب ضرور دوں گا۔''

''میں آپ سے کوئی غیر متعلق بات نہیں پوچھوں گا۔'' میں نے کہا۔ ''آپ اس مقدمے کے تفتیشی افسر ہیں۔ گویا استغاثہ کے سب سے بڑے حامی اور ......!''

میں نے پراسرار انداز میں توقف کر کے اس کی آنکھوں میں جھانکا اور اپنے بیان کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''استغاثہ میں میرے موکل کی مونچھوں کو خصوصی ٹارگٹ بنایا گیا ہے اور

انہیں ''ہتھیار'' سے تعبیر کیا گیا ہے ...... ایک خطرناک ہتھیار! تھوڑی دیر پہلے وکیل استغاثہ نے ان مونچھوں کی بنا پر پتہ نہیں میرے موکل کو کس کس درجے کا برا آدمی ثابت کرنے کی کوشش کی ہے لیکن میں ایسا کوئی ارادہ نہیں رکھتا۔''

میں نے ذرا دیر کو رک کر وکیل استغاثہ کو دیکھا۔ اس کے چہرے پر مجھے گہری الجھن کے آثار نظر آئے۔ میں دوبارہ انکوائری آفیسر کی جانب متوجہ ہو گیا۔

''شمشیر صاحب! ماشاء اللہ آپ نے بھی بڑی پُرکشش اور ہینڈسم مونچھیں رکھی ہوئی ہیں۔ تھوڑی دیر پہلے ایسی مونچھوں کے جو سربستہ راز وکیل استغاثہ نے افشا کئے ہیں، میں انہیں سن کر بڑی پریشانی میں پڑ گیا ہوں۔ وکیل صاحب کے دعوے پر یقین کرنے کو دل نہیں مانتا اور سردست ان کے فرمائے ہوئے کو رد بھی نہیں کر سکتا۔ کیا پتہ بعد میں یہ درست ثابت ہو جائے کہ ...... مستند ہے ان کا فرمایا ہوا۔'' تھوڑا رک کر میں نے کہا۔

''اس لئے میں اپنی الجھن کو رفع کرنے کے لئے آپ سے ایک صائب مشورے کا طلبگار ہوں۔ آپ چونکہ خود دھانسو قسم کی مونچھوں کے مالک ہیں اس لئے آپ کی بات میں وزن ہوگا۔''

آئی او اس دوران میں خاموش کھڑا سوالیہ نظر سے مجھے دیکھتا رہا۔ بالآخر اس کے انتظار کو دیکھتے ہوئے میں نے سوال کر ہی دیا۔

''انکوائری آفیسر صاحب! کیا ان مونچھوں کے طفیل آپ کو بھی اکثر و بیشتر ویسے خوشگوار تجربات ہوتے رہتے ہیں جیسا وکیل استغاثہ نے دعویٰ کیا ہے؟''

شمشیر علی اس وقت مجھے بڑی مشکل میں نظر آیا۔ میں نے وہ چبھتا ہوا سوال کر کے اس کے لئے گویا ''آگے کنواں پیچھے کھائی'' والی صورتحال پیدا کر دی تھی۔ یہ ایک خطرۂ جاں اور دشمنِ ایماں سوال تھا۔

اس نے بڑی عقل مندی کا ثبوت دیا اور تھوڑے تامل کے بعد بولا۔ ''نہ اکثر اور نہ ہی بیشتر مجھے اس قسم کا کوئی خوشگوار یا ناگوار تجربہ ہوا ہے۔''

''گویا اس بات میں کوئی حقیقت نہیں کہ آپ نے دلکش مونچھیں پال رکھی ہیں تو صنفِ مخالف بہ آسانی آپ کی طرف مائل ہو جائے گی؟ مونچھوں کو ہم خطرناک ہتھیار کا ٹائٹل نہیں دے سکتے۔''

''یہ سوال تو آپ وکیل استغاثہ سے پوچھیں۔'' انکوائری آفیسر نے جان چھڑانے کی کوشش کی۔

''آبجیکشن یور آنر!'' اپنی جانب آتے ہوئے تیر کو دیکھ کر وکیل استغاثہ چلایا۔
جج سمیت میں بھی وکیل مخالف کی جانب متوجہ ہو گیا۔ جج نے اشارے سے اسے بولنے کی اجازت دی۔ اس نے کہا۔

''جناب عالی! میرے فاضل دوست مونچھوں کے سلسلے میں ایک نہایت ہی نازک پہلو کو فراموش کئے بیٹھے ہیں۔ میں نے واضح طور پر کہا تھا، مقتولہ کو اس انداز کی مونچھیں پسند تھیں جیسی ملزم نے رکھی ہوئی ہیں۔ اس معاملے میں مقتولہ کی ذاتی پسندیدگی کو بڑا دخل ہے۔ ملزم نے مقتولہ کی اسی کمزوری کا فائدہ اٹھایا تھا۔''

اس وقت عدالت کے کمرے میں ملزم اور انکوائری آفیسر دونوں ایک دوسرے کے آمنے سامنے دو مختلف کٹہروں میں موجود تھے۔ میں نے باری باری ان دونوں کی مونچھوں کی طرف اشارہ کیا اور وکیل استغاثہ کو لتاڑنے کی کوشش کی۔

''بلاشبہ ملزم رستم اور گواہ شمشیر علی دونوں بڑے دبنگ ناموں کے حامل ہیں۔ دونوں کی صحت اور شخصیت بھی قابل رشک ہے اور ماشاء اللہ مونچھوں کی دلکشی میں بھی کوئی کلام نہیں۔ بس ذرا اسٹائل کا فرق ہے۔'' میں نے اپنے بیان میں ڈرامائی توقف کیا پھر وکیل استغاثہ کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

''میرے فاضل دوست! کیا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اگر ملزم کی مونچھوں کا اسٹائل ذرا مختلف ہوتا تو وہ حالات ہرگز پیش نہ آتے جن کے سبب ہم سب اس وقت عدالت میں موجود ہیں ...... یا یہ کہ اگر گواہ کی مونچھیں ملزم جیسی ہوتیں تو اس کی زندگی بھی ایسے ہی خوشگوار واقعات کا مرقع بن جاتی؟''

''میں...... میں نے ایک خاص عورت کی، مخصوص پسند کی بات کی تھی۔'' وکیل استغاثہ نے قدرے بوکھلائے ہوئے انداز میں کہا۔ ''اور وہ عورت تھی مقتولہ مونا ...... اس بات کی گواہی مقتولہ کا شوہر خاور بھی دے سکتا ہے۔''

''یعنی مقتولہ کے ایک خاص انداز کی مونچھیں پسند کرنے کی گواہی؟''

''جی ہاں ...... میں یہی کہہ رہا ہوں۔''

''آپ اپنا بیان بدل کر استغاثہ کے نازک پاؤں پر تیز دھار کلہاڑی کا مہلک وار کر رہے ہیں مائی ڈیئر کونسلر!''

''کیوں ...... میں نے اپنے بیان میں ایسی کون سی تبدیلی کر دی؟''

''فار یور ریمائنڈر!'' میں نے اس کے چہرے پر نگاہ جماتے ہوئے سنسنی خیز لہجے میں

کہا۔ ''جب معزز عدالت میں آپ نے پہلی مرتبہ میرے موکل کی مونچھوں کا تذکرہ کیا تھا تو اس کے ساتھ ہی آپ نے عورت کی عمومی نفسیات بھی بیان کی تھی ...... میں آپ کے الفاظ کو دہراتا ہوں ...... جناب عالی! میری بات کو سمجھنے کے لئے عورت کی نفسیات کو مدِنظر رکھنا ضروری ہے۔ عورت بنیادی اور فطری طور پر کمزور اور تحفظ کی متلاشی ہوتی ہے۔ اسے مضبوط، طاقتور اور کڑیل مرد اچھے لگتے ہیں۔ ملزم ان اوصاف پر پورا اترتا ہے اور اس کی مونچھیں اس کے طریقۂ واردات میں بہت معاون ثابت ہوتی ہیں۔'' میں سانس لینے کے لئے تھوڑا متوقف ہوا پھر سلسلۂ اعتراض کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

''میرے فاضل دوست! آپ کی زبان سے ادا ہونے والے یہ دعوے دار الفاظ معزز عدالت کے ریکارڈ پر محفوظ ہیں۔ اس وقت آپ کا سارا زور عورت کی عمومی نفسیات پر تھا اور تان میرے موکل کی مضبوطی، طاقت اور کڑیل پن پر ٹوٹی تھی۔ اس کی دلکش مونچھوں کو ثانوی حیثیت حاصل تھی اور اب ...... اب آپ ایک مخصوص عورت، مقتولہ مونا کی خاص نفسیات تک محدود ہو کر رہ گئے ہیں اور سارا زور میرے موکل کی مونچھوں کے منفرد اسٹائل پر دیا جا رہا ہے۔ آپ کے کون سے بیان کو درست مانا جائے؟''

جواب دینے کی بجائے وہ کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ میں نے ردّا چڑھاتے ہوئے کہا۔ ''مائی ڈیئر کونسلر! اگر آپ کے ابتدائی موقف کو درست تسلیم کر لیا جائے تو پھر آپ نسوانی نفسیات کے حوالے سے ملک کی اکثر عورتوں کی تذلیل کر رہے ہیں۔ کیا ہمارے ہاں کی عورتیں اتنی ہی کمزور اور بے وفا ہوتی ہیں کہ......''

میں نے دانستہ جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔ یہ ایک طرح کا جذباتی پچ تھا۔ وہ اپنے پہلے بیان کی حمایت میں بول کر ملک کی ایک بڑی آبادی کو اپنا دشمن نہیں بنا سکتا تھا۔ میری چال کامیاب رہی اور اس نے منہ سے ایک لفظ بول کر نہیں دیا۔ میں نے لتاڑ جھاڑ کے سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

''اور اگر آپ کے تازہ ترین فرمان کو سچ مان لیا جائے تو یہ میرے موکل کے ساتھ سراسر زیادتی تو ہوگی ہی، اس کے ساتھ ہی یہ آپ کے موقف سے انحراف کا ثبوت بھی ہوگا!''

اس کے ساتھ ہی عدالت کا مخصوص وقت ختم ہو گیا۔ اگرچہ وکیل استغاثہ نے میرے نکیلے سوال کا جواب نہیں دیا تھا تاہم میں اس کوشش کے نتیجے میں ایک نہایت ہی اہم پوائنٹ عدالت کے ریکارڈ پر لانے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ وکیل استغاثہ کی خاموشی میرے لئے مفید تھی۔

آئندہ پیشی پر استغاثہ کی جانب سے الیاس اور فرید کو عدالت میں پیش کیا گیا۔ ان دونوں کے حوالے سے وکیل استغاثہ نے میرے موکل کے خلاف جو عمارت کھڑی کی تھی وہ اپنی جگہ برقرار رہی۔ میرے موکل نے ہر سچی بات کا اقرار کر کے اپنے قد کو مذکورہ عمارت سے کہیں زیادہ بلند و بالا کر لیا تھا۔ ان دونوں کے بعد مقتولہ کی گھریلو ملازمہ خورشید گواہوں والے کٹہرے میں آن کھڑی ہوئی۔

خورشید نے سچ بولنے کا حلف اٹھایا اور اپنا بیان ریکارڈ کرا دیا۔ اپنی باری پر جج سے اجازت حاصل کرنے کے بعد میں گواہ والے کٹہرے کے قریب جا کھڑا ہوا۔

خورشید کی عمر لگ بھگ تیس سال رہی ہوگی۔ میانہ قد اور بدن قدرے فربہ۔ لیکن اس فربہی نے اسے بھدا بنانے کی بجائے اس کے نسوانی خطوط کو ایک خاص انداز دے کر اسے مزید پُرکشش اور جاذب نگاہ بنا دیا تھا۔

میں نے چند لمحات تک خورشید کو گہری نظر سے دیکھا پھر نہایت ہی ٹھہرے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔ ''خورشید! تمہیں مقتولہ کے گھر میں کام کرتے ہوئے کتنا عرصہ ہوا ہے؟''

اس نے تھوڑا سوچا پھر جواب دیا۔ ''آٹھ سال ...... مگر اب میں نے وہاں کام کرنا چھوڑ دیا ہے۔ جب سے مونا باجی والا واقعہ ہوا ہے، میں ادھر نہیں گئی۔''

''ایسا ہوتا ہے ......'' میں نے سرسری انداز میں کہا۔ ''تمہارے احساسات سے ظاہر ہوتا ہے کہ تم مقتولہ سے گہری اُنسیت رکھتی تھیں اس لئے بھی تمہارا ادھر جانے کو دل نہیں چاہتا ہوگا۔ کیا میں ٹھیک کہہ رہا ہوں؟''

''آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں وکیل صاحب!'' وہ جلدی سے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولی۔ ''مونا باجی تھیں ہی اتنی اچھی کہ سب کو ان سے اُنسیت اور محبت ہو جاتی تھی۔''

حاضرین عدالت میں دبی دبی چہ میگوئیاں ہونے لگیں تو خورشید نے اپنی بات ادھوری چھوڑ کر وکیل استغاثہ کی طرف دیکھا۔

عدالت کے کمرے میں موجود افراد کا شور قدرے بلند ہوا تو جج کو مداخلت کرنا پڑی۔ اگلے ہی لمحے وہاں سناٹے کا راج نظر آنے لگا۔ میں نے کٹہرے میں کھڑی استغاثہ کی گواہ خورشید سے کہا۔ ''آپ اپنی بات جاری رکھیں۔''

وہ بولی۔ ''میں سچ کہتی ہوں۔ مونا باجی بہت اچھی تھیں۔'' اس کے بتانے کا انداز ایسا تھا جیسے عدالت میں موجود افراد کو باور کرانا چاہتی ہو کہ وہ اس کی بات کو غلط یا مذاق نہ سمجھیں۔ ''وہ میرا بہت خیال رکھتی تھیں۔ تنخواہ کے علاوہ بھی وہ مجھے کچھ نہ کچھ دیتی رہتی تھیں۔ کبھی

پیسے، کبھی کپڑے اور کبھی کھانا۔''

''کیا تم اس شخص کو جانتی ہو؟'' میں نے ملزم کی جانب اشارہ کیا۔

دونوں کٹہرے ایک دوسرے کے رو بہ رو تھے۔ وہ رستم پر ایک اچٹتی سی نگاہ ڈالنے کے بعد بولی۔ ''مجھے پتہ چلا ہے اس بندے نے مونا باجی کو قتل کیا ہے اور ان کے زیورات چرا کر بھاگ گیا تھا۔ یہ کوئی پلمبر ہے۔ مونا باجی نے اپنے فلیٹ میں اس سے کام کروایا تھا۔''

اس کے بعد خورشید نے استغاثہ کی بھرتی کے مطابق تھوڑی تفصیل بیان کی اور آخر میں بولی۔ ''آج میں نے پہلی مرتبہ اس شخص کو دیکھا ہے۔''

''کمال ہے!'' میں نے حیرت بھرے لہجے میں کہا۔ ''ملزم پچیس جنوری سے دس فروری تک پانچ مرتبہ مقتولہ کے فلیٹ میں کام کرنے آیا مگر تم نے ایک بار بھی اسے نہیں دیکھا؟''

''وہ دراصل بات یہ ہے کہ میں مونا باجی کے فلیٹ میں کام کرنے سہ پہر چار بجے جاتی تھی اور یہ شخص اس وقت تک وہاں نہیں رکا۔''

میں نے پوچھا۔ ''خورشید! کیا تم وقوعہ کے روز، یعنی دس فروری کو بھی سہ پہر چار بجے ہی مقتولہ کے فلیٹ پر پہنچی تھیں؟''

اس نے اثبات میں جواب دیا۔

میں نے سوال کیا۔ ''پھر تم نے اس فلیٹ میں کیا دیکھا؟''

خورشید نے بتایا۔ ''میں نے حسب معمول گھنٹی بجائی اور انتظار کرنے لگی۔ مونا باجی دوپہر کے کھانے کے بعد ایک دو گھنٹے سوتی تھیں اور میری گھنٹی پر ہی ان کی آنکھ کھلتی تھی لیکن اس روز مجھے کئی مرتبہ گھنٹی کا بٹن دبانا پڑا۔ مجھے حیرت بھی ہوئی کہ وہ اتنی غفلت کی نیند کیسے سو گئیں؟ آج تک ایسا نہیں ہوا تھا کہ مجھے تیسری گھنٹی بجانا پڑی ہو۔ پہلی نہیں تو دوسری گھنٹی پر وہ ضرور دروازہ کھول دیتی تھیں۔ جب پندرہ بیس گھنٹیوں کے جواب میں بھی دروازہ نہیں کھلا تو مجھے تشویش ہوئی۔ اسی وقت میرے ذہن میں خیال آیا کہ ہو سکتا ہے باجی گھر میں موجود ہی نہ ہو۔ فلیٹ میں آمد و رفت کے لئے دہرا دروازہ ...... یعنی دو دروازے ہیں۔ اندر لکڑی کا دروازہ اور باہر گرل والا لوہے کا دروازہ۔ لوہے کا دروازہ صرف بھڑا ہوا تھا۔ اس میں باہر سے کنڈی یا تالا نہیں لگا ہوا تھا۔ میں نے دروازہ کھول لیا، پھر لکڑی والے دروازے کا جائزہ لیا تو یہ انکشاف ہوا کہ اس کی کنڈی باہر سے لگی ہوئی تھی۔ یہ بڑی عجیب و غریب صورتحال تھی۔''

وہ تھوڑی دیر کو متوقف ہوئی پھر اپنے بیان کو آگے بڑھاتے ہوئے بولی۔ ''لکڑی کے

دروازے کی کنڈی بتاتی تھی، مونا باجی گھر پر نہیں ہیں۔ لیکن یہی بات مجھے ہضم نہیں ہو رہی تھی۔ میں جانتی تھی وہ جب بھی گھر سے باہر جاتی تھیں تو لکڑی اور لوہے کے دونوں دروازوں کو لاک کر کے جاتی تھیں اور جب فلیٹ کے اندر موجود ہوتیں تو دونوں دروازوں کو اندر سے کنڈی لگا کر رکھتیں۔ لوہے کے دروازے کو محض بھڑایا کر اور لکڑی کے دروازے پر باہر سے کنڈی دیکھ کر مجھے تشویش ہوئی اور میں اپنے اندرونی تجسس سے مجبور ہو گئی۔ پھر میں نے لکڑی والے دروازے کی کنڈی کھولی اور فلیٹ کے اندر داخل ہو گئی۔''

''فلیٹ کے اندر تم نے کیا دیکھا؟'' وہ خاموش ہوئی تو میں نے سوال کرنے میں دیر نہیں لگائی۔

خورشید نے ایک نظر وکیل استغاثہ کو دیکھا اور میرے سوال کا جواب دیتے ہوئے بولی۔

''میں فلیٹ کے اندر داخل ہوئی تو مجھے ایک عجیب سی خاموشی کا احساس ہوا، ایسا سناٹا جیسے اس گھر میں کوئی موجود نہ ہو۔ میں کامن سے تھوڑا آگے بڑھی اور بیڈ روم میں پہنچ گئی اور ...... اور پھر میں نے مونا باجی کو بیڈ کے اوپر اس حالت میں دیکھا۔'' وہ ایک جھرجھری کے بعد مزید بتانے لگی۔ ''ان کا سر پھٹا ہوا تھا اور بیڈ کی شیٹ پر بھی خون نظر آ رہا تھا۔ میں ایک لمحے میں سمجھ گئی کہ انہیں کسی ظالم نے قتل کر دیا ہے۔''

وہ خوف زدہ نظر سے میری طرف دیکھنے لگی۔ میں نے سوالات کے تسلسل کو جاری رکھتے ہوئے کہا۔ ''پھر تم نے کیا، کیا خورشید بی بی؟''

''میں مونا باجی کو اس حالت میں دیکھ کر بری طرح دہشت زدہ ہو گئی تھی۔'' وہ سراسیمہ لہجے میں بولی۔ ''میں الٹے قدموں فلیٹ سے باہر نکل آئی۔ اسی وقت میں نے فلیٹ نمبر تین سو تین والی ممتاز کو دروازے پر کھڑے دیکھا اور ...... میں نے اسے اس واقعے کے بارے میں بتا دیا۔ ممتاز کا شوہر اس وقت گھر پر ہی تھا، وہ بھی فلیٹ سے نکل آیا۔ اس طرح مونا باجی کے آس پاس کو بھی اس سانحے کی خبر ہو گئی۔''

''خاور کو اس واقعے کی اطلاع کس نے دی تھی؟''

''ممتاز کے شوہر حنیف خان نے۔''

''کتنے بجے؟''

''میرا خیال ہے سوا چار بجے خاور بھائی کو فون کیا گیا تھا۔'' اس نے بتایا۔ ''یہ فون حنیف نے اپنے گھر سے کیا تھا۔''

میں نے پوچھا۔ ''کیا تم خاور کے گھر پہنچنے تک وہیں فلیٹ پر رہی تھیں؟''

''نہیں جی، میں تھوڑی دیر بعد اپنے گھر چلی گئی تھی۔'' اس نے جواب دیا۔ ''میری چھوٹی بچی صرف ایک سال کی ہے۔ میں زیادہ دیر اس سے دور نہیں رہ سکتی۔''

''تم دوبارہ کتنے بجے مقتولہ کے فلیٹ پر گئی تھیں؟''

اس نے جواب دیا۔ ''اس وقت مغرب کی اذان ہو رہی تھی۔''

''یعنی لگ بھگ سوا چھ بجے؟''

''جی ہاں ...... اتنا ہی وقت ہوا ہو گا۔'' اس نے اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ ''اس دوران میں خاور بھائی نے پولیس کو فون کر دیا تھا اور پھر میرے وہاں پہنچنے کے دس پندرہ منٹ بعد پولیس والے بھی آ گئے تھے۔''

''خورشید بی بی! تم نے سب سے پہلے مقتولہ مونا کی لاش کو دیکھا تھا۔'' میں نے اس کے چہرے پر نگاہ جماتے ہوئے کہا۔ ''پولیس والوں نے سوال کر کر کے تمہارا تو دماغ ہلکا کر دیا ہو گا۔ انہوں نے تم پر قاتل ہونے کا شک نہیں کیا؟''

''آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔'' وہ بڑی رسان سے بولی۔ ''مجھ سے بڑے کڑے سوالات کیے گئے، گھما پھرا کر مجھ سے اگلوانے کی کوشش کی گئی کہ میں قاتل کے بارے میں کیا جانتی ہوں۔ میری انگلیوں کے نشانات بھی لیے گئے لیکن آلۂ قتل نے مجھے بچا لیا۔ مجھے پتہ چلا کہ اس اوزار پر کسی مرد کی انگلیوں کے نشانات پائے گئے ہیں۔ خدا خدا کر کے اس پوچھ گچھ سے میری جان چھوٹی اور پولیس نے اس شخص کو گرفتار کر لیا جو اس اوزار کا مالک ہے ...... اور اب ایک ملزم کی حیثیت سے کٹہرے میں کھڑا ہے۔''

''اوہ ......'' میں نے متاسفانہ انداز میں کہا پھر سلسلۂ سوالات کو جاری رکھتے ہوئے کہا۔ ''خورشید بی بی! تم نے تھوڑی دیر پہلے معزز عدالت کو بتایا ہے کہ کامن روم میں جب تمہیں مقتولہ نظر نہ آئی تو تم بیڈ روم میں پہنچ گئیں اور پھر بیڈ پر تم نے مقتولہ کو مُردہ حالت میں پڑا ہوا پایا۔ تم سے میرا اتنا سا سوال ہے کہ کیا آلۂ قتل بھی تمہیں بیڈ پر کہیں پڑا دکھائی دیا تھا؟''

''جی ہاں! یہ اوزار بھی مونا باجی کی لاش کے قریب ہی پڑا تھا۔''

''خورشید بی بی! کیا تم بیڈ روم کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی تھیں؟''

''نہیں جی، وہ دروازہ تو پہلے سے کھلا تھا۔''

''اور جب تم کامن سے بیڈ روم کی طرف جا رہی تھیں تو کیا کچن کا دروازہ بند تھا؟''

''نہیں جناب! کچن کا دروازہ بھی کھلا ہوا تھا۔''

''کیا تم نے بیڈ روم میں داخل ہونے سے پہلے کچن میں جھانکا تھا؟''

"جی، یہ تو ایک فطری بات ہے۔" اس نے اثبات میں گردن ہلائی۔ "کامن روم میں کھڑے ہوں تو کچن کے اندر سب کچھ دکھائی دیتا ہے، جھانکنے کا سوال ہی نہیں۔ خود بخود ہی نظر اندر چلی جاتی ہے۔"

"تمہاری اس خود بخود کی نظر نے کچن کے اندر کوئی خاص چیز دیکھی؟"

"میں نے سنک پر چائے کے جھوٹے برتن رکھے دیکھے تھے۔" اس نے جواب دیا۔

دو چار ضمنی سوالات کے بعد میں نے جرح کے سلسلے کو موقوف کر دیا۔ خورشید کے بعد استغاثہ کی طرف سے دو مزید گواہوں کا بیان ہوا۔ ان گواہوں کا تعلق مقتولہ کے پڑوسیوں سے تھا۔ ان کے بیان اور جرح میں کوئی قابل ذکر اور اہم بات نہیں لہٰذا میں اس ذکر کو گول کرتے ہوئے آگے بڑھتا ہوں۔

میں نے ایک مرتبہ پھر جج سے درخواست کی کہ میں اس کیس کے تفتیشی آفیسر کو چند سوالات کے لئے زحمت دینا چاہتا ہوں۔ جج نے میری درخواست کو قبول کرتے ہوئے تفتیشی آفیسر کو اشارہ کیا۔ وہ وٹنس باکس میں آن کھڑا ہوا۔ یہ وہی کٹہرا تھا جہاں تھوڑی دیر پہلے خورشید اپنی گواہی بھگتا کر گئی تھی۔

میں نے آئی۔او کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "شمشیر علی صاحب! میں نے ایک نہایت ہی معمولی کام کے لئے آپ کو دوبارہ تکلیف دی ہے۔ دراصل میری یادداشت کچھ گڑبڑ کر رہی ہے، اسی کی تصدیق کے لئے میں آپ سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔"

وہ میری طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "پوچھیں...... آپ کیا پوچھنا چاہتے ہیں؟"

میں نے پوچھا۔ "کیا یہ درست ہے کہ مقتولہ کا فلیٹ تین کمروں اور ایک کامن روم پر مشتمل ہے...... آپ نے جائے وقوعہ کا تفصیلی نقشہ تیار کیا تھا، اس لئے آپ کو تو سب کچھ یاد ہوگا۔"

"جی ہاں، مقتولہ کے فلیٹ کی مکانیت کچھ اسی نوعیت کی ہے۔"

"مقتولہ کے فلیٹ میں داخل ہونے کا مطلب ہے ہم نے کامن روم میں قدم رکھ دیا۔" میں نے اپنی چال کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ "یہ لوگ کامن روم کو ہی ڈرائنگ روم کے طور پر استعمال کر رہے تھے۔ دروازے سے اندر داخل ہوں تو سیدھے ہاتھ پر دو سنگل صوفے بچھے ملیں گے۔ مذکورہ صوفوں کے اختتام پر یعنی کارنر میں ٹیلی فون اسٹینڈ رکھا ہے۔ الٹے ہاتھ پر یعنی جنوبی دیوار کے ساتھ تین نشست والا ایک طویل صوفہ رکھا ہوا ہے۔ میں غلط تو نہیں کہہ رہا تفتیشی آفیسر صاحب؟"

"نہیں جناب، آپ بالکل درست فرما رہے ہیں۔" وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔

"کامن روم اسی کیفیت کا حامل ہے۔"

میں نے گھنے مانجھنے کے سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ "اب ہم کمروں کی تفصیل میں جاتے ہیں۔ کامن روم میں کھڑے ہوں تو دائیں ہاتھ پر جو کمرا پڑتا ہے اسے ڈائننگ روم کے طور پر استعمال کیا جا رہا ہے۔ اس کے بعد بیڈ روم کا نمبر آتا ہے جو ڈائننگ روم سے ملا ہوا مگر مغربی رخ پر واقع ہے۔" میں ایک لمحے کو متوقف ہوا پھر سلسلۂ کلام کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

"بیڈ روم کے متوازی اور جنوبی سمت میں مقتولہ کے شوہر کا کمرا ہے جس میں اس نے اپنا 'آرٹ اسٹوڈیو' بنا رکھا ہے۔ بیڈ روم اور اسٹوڈیو کے درمیان کچن واقع ہے۔ اگر ہم کامن میں کھڑے ہو کر مغرب کی طرف دیکھیں تو بائیں جانب اسٹوڈیو اور اس کی متوازی بیڈ روم دکھائی دے گا۔ جب کہ کچن عین آنکھوں کے سامنے نظر آئے گا۔ اگر کوئی شخص کامن روم میں بچھے سنگل صوفوں میں سے کسی پر بیٹھا ہو تو اس کی نگاہ سیدھی کچن کے اندر جائے گی۔ ایم آئی رائٹ؟"

"رائٹ یو آر!" ایک لمحہ سوچنے کے بعد اس نے تصدیق کرنے والے انداز میں کہا۔

"اتنی تفصیل میں جانے کا بہت بہت شکریہ آئی۔ او صاحب۔" میں نے سادگی سے کہا۔

وہ الجھن زدہ لہجے میں بولا۔ "میں سمجھ نہیں سکا ہوں، اس تفصیل میں جانے سے آپ کا مقصد کیا ہے؟"

"میں اپنا مقصد حاصل کر چکا ہوں آئی او صاحب!" میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ وہ تعجب خیز نظر سے مجھے گھورنے لگا۔

میں نے اس کے تعجب کو ٹوٹنے نہیں دیا اور تیز لہجے میں استفسار کیا۔

"تھوڑی دیر پہلے استغاثہ کی ایک گواہ خورشید نے معزز عدالت کے روبرو میرے ایک سوال کے جواب میں بتایا ہے کہ وہ وقوعہ کے روز جب جائے واردات پر پہنچی تو اس نے فلیٹ کے لوہے والے دروازے کو کھلا اور لکڑی والے دروازے کو کنڈی لگا پایا۔ اپنے تجسس کے ہاتھوں مجبور ہو کر اور مسلسل گھنٹی کا جواب نہ پا کر وہ فلیٹ کے اندر داخل ہو گئی۔ پھر جب وہ کامن روم سے بیڈ روم کی سمت بڑھ رہی تھی تو اس نے کچن میں سنک پر چائے کے جھوٹے برتن رکھے دیکھے تھے۔ کیا آپ خورشید کے بیان کی تصدیق کرتے ہیں؟"

"آپ نے خورشید کے حوالے سے خاصی طویل بات کی ہے۔" وہ تامل کرتے ہوئے

بولا۔ ”میں سمجھ نہیں پا رہا ہوں، آپ اس بیان کے کس حصے کی تصدیق چاہتے ہیں؟“

”میں آپ کی مشکل آسان کئے دیتا ہوں۔“ میں نے اس کے چہرے پر نگاہ گاڑتے ہوئے کہا۔ ”محترم آئی او صاحب! معزز عدالت صرف یہ جاننا چاہتی ہے کہ آیا آپ کو بھی وقوعہ کے روز کچن کے سنک پر چائے کے استعمال شدہ برتن رکھے دکھائی دیئے تھے؟“

وہ گڑبڑایا۔ ”میرا خیال ہے...... وہاں...... کچھ برتن موجود...... تو تھے......“

”خیالی نہیں، یقینی بات کریں۔“ میں نے سخت لہجے میں کہا۔ ”آپ نے جائے وقوعہ کا تفصیلی معائنہ کیا ہوگا اور مذکورہ کچن جائے وقوعہ کے اندر ہی شمار ہوگا۔ وہ اسی فلیٹ میں واقع ہے جہاں مونا کو قتل کیا گیا اور......“ میں نے دانستہ جملہ ادھورا چھوڑا اور ڈرامائی انداز میں بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

”اور...... خورشید کی بات کو رد کرنا، نظر انداز کرنا آسان نہیں۔ کیونکہ وہ عرصہ آٹھ سال سے اس فلیٹ میں صفائی ستھرائی کا کام کرتی چلی آ رہی ہے۔ وہ ایک نظر دیکھ کر بڑے وثوق سے کہہ سکتی ہے کہ کس جگہ کون سا برتن رکھا ہوا ہے اور آیا وہ دُھلا ہوا ہے یا استعمال شدہ؟“

تھوڑے تذبذب کے بعد اس نے اثبات میں جواب دیتے ہوئے بتایا۔ ”خورشید ماسی کا مشاہدہ بے داغ ہے...... مجھے یاد آ گیا، کچن میں سنک پر واقعی چائے کے جھوٹے برتن موجود تھے۔“

”خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ آپ کو یاد آ گیا۔“ میں نے طنزیہ لہجے میں کہا پھر اسے چکر دینے کے لئے سوالات کے زاویے کو تھوڑا تبدیل کر دیا اور پوچھا۔

”شمشیر صاحب! کیا یہ درست ہے کہ آپ کو اس واردات کی اطلاع مقتولہ کے شوہر خاور نے دی تھی...... لگ بھگ چھ بجے شام، مورخہ دس فروری؟“

”جی ہاں...... یہ بالکل درست ہے۔“

”اور آپ ٹھیک آدھے گھنٹے بعد جائے واردات پر موجود تھے، یعنی ساڑھے چھ بجے؟“

”جی بالکل، ایسا ہی ہوا تھا۔“ اس نے متحمل انداز میں جواب دیا۔

میں نے پوچھا۔ ”بیڈ روم میں پہنچتے ہی آپ کو اندازہ ہو گیا کہ مقتولہ مونا اب اس دنیا میں باقی نہیں رہی؟“

اس نے بتایا۔ ”مقتولہ کی کھوپڑی کا عقبی حصہ بری طرح چٹخ گیا تھا اور وہاں سے اچھا خاصا خون بھی نکلا تھا۔ وزنی پائپ کٹر سے ایسی مہلک اور خوفناک ضرب لگائی گئی تھی کہ وہ بے چاری زندہ بچ ہی نہیں سکتی تھی۔ بیڈ شیٹ پر بھی جا بجا خون کے دھبے پائے گئے تھے۔“

میں نے اس کی وضاحت کو نظر انداز کرتے ہوئے سوال کیا۔ ”اور آلۂ قتل وہ وزنی پائپ کٹر بھی بیڈ پر ہی پایا گیا تھا؟“

”جی ہاں...... آلۂ قتل مقتولہ کے بیڈ پر موجود تھا۔“

”آپ نے جائے وقوعہ کی کارروائی نمٹائی اور پھر ملزم کو مقتولہ کے قتل کے الزام میں گرفتار کر لیا۔“ میں نے گمبھیر لہجے میں کہا۔ ”آپ کو کیسے معلوم ہوا، مونا کو میرے موکل رستم نے قتل کیا تھا؟“

وہ تھوڑے سے تامل کے بعد بولا۔ ”آلۂ قتل کو دیکھتے ہی مقتولہ کے شوہر نے کہا تھا، یہ پائپ کٹر تو رستم پلمبر کا ہے۔ میں نے پوچھا، کون رستم؟ میرے سوال کے جواب میں خاور نے تفصیل بتا دی۔ اس نشان دہی پر ہم نے ملزم کو گرفتار کر لیا۔“ وہ لمحہ بھر کو سانس لینے کے لئے رکا پھر اپنی بات پوری کرتے ہوئے بولا۔

”پھر جب ہم نے آلۂ قتل پر سے فنگر پرنٹس اٹھائے اور ملزم کے فنگر پرنٹس سے ان کا موازنہ کیا تو حقیقت کھل گئی۔“ انکوائری آفیسر نے گویا اس طرح بات ختم کی جیسے میرے موکل کو پھانسی کی سزا سنا دی ہو۔

”فنگر پرنٹس اٹھائے!“ میں نے ایک ایک لفظ کو چبانے والے انداز میں ادا کیا پھر سنسناتے ہوئے لہجے میں تفتیشی آفیسر سے استفسار کیا۔ ”آپ نے جائے وقوعہ پر موجود اور کس شے سے فنگر پرنٹس اٹھائے تھے؟“

وہ جواب دینے سے پہلے تھوڑا متامل دکھائی دیا، پھر بولا۔ ”ہم نے تمام دروازوں کے ہینڈلز کو چیک کیا تھا، بیرونی دروازے، بیڈ روم کے دروازے، گیلری والے دروازے پر ملزم کی انگلیوں کے نشانات پائے گئے تھے۔ پولیس رپورٹ میں یہ ساری تفصیل موجود ہے۔“

”ہاں موجود ہے......“ میں نے قدرے تیز اور جارحانہ انداز میں کہا۔ ”مگر اس بات کا کہیں ذکر نہیں کہ اس دراز کے ہینڈل پر سے بھی کوئی فنگر پرنٹ اٹھایا گیا ہو جہاں سے استغاثہ کے مطابق میرے موکل نے ایک بیش قیمت جڑاؤ طلائی زیور کا سیٹ چرایا تھا۔ آخر کیوں؟“

میرے سوال کا جواب دینے کی بجائے انکوائری آفیسر نے عجیب سی نظروں سے وکیل استغاثہ کو دیکھا۔ اس سے پہلے کہ وکیل استغاثہ منہ کھولتا، میں نے با آواز بلند کہا۔

”حالانکہ یہ بہت ضروری تھا۔“ انکوائری آفیسر دوبارہ میری طرف متوجہ ہو گیا۔ میں نے اپنا بیان جاری رکھتے ہوئے کہا۔ ”میرے موکل پر دو سنگین الزامات عائد کئے گئے ہیں۔ مونا

کامل اور اس کے قیمتی زیورات کی چوری۔ آلہ قتل پر سے ملزم کے فنگر پرنٹس حاصل کر کے یہ فتویٰ جاری کر دیا گیا کہ وہ قتل اسی نے کیا ہے لیکن چوری کا الزام اس پر تھوپتے ہوئے اتنی زحمت بھی گوارا نہیں کی گئی کہ جس مقام سے مذکورہ زیور چرایا گیا وہاں سے بھی ملزم کی انگلیوں کے نشانات کو تلاش کیا جاتا۔ یہ بہت ہی عجیب اور مضحکہ خیز صورتِ حال ہے بلکہ استغاثہ کے لئے لمحہ فکریہ کی حیثیت رکھتی ہے۔''

میں نے ایک لمحے کو رک کر جج کی طرف دیکھا۔ جج بڑے خشوع وخضوع سے میرا بیان سن رہا تھا۔ میں نے سر کو تعظیمی جنبش دی پھر روئے سخن انکوائری آفیسر کی جانب موڑتے ہوئے کہا۔ ''شمشیر علی صاحب! استغاثہ میں اس بات کو بڑے زور وشور سے اچھالا گیا ہے کہ میرا موکل مقتولہ کے بہت قریب ہو گیا تھا۔ اتنا قریب کہ وقوعہ کے روز مقتولہ نے اسے چائے کی پیشکش تک کر ڈالی۔ استغاثہ کے مطابق جب مقتولہ کچن میں چائے بنا رہی تھی تو ملزم اس کی نظر بچا کر بیڈ روم میں پہنچ گیا اور پھر اس نے طلائی زیورات کا وہ جڑاؤ قیمتی سیٹ چرا لیا۔ استغاثہ کے اس دعوے سے تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ چائے پیش کرنے اور پینے کی نوبت ہی نہیں آئی تھی جب کہ کچن کے سنک پر رکھے چائے کے استعمال شدہ برتن کوئی اور ہی کہانی سنا رہے ہیں۔''

''کیا کہانی سنا رہے ہیں؟'' وہ سوچے بغیر بے ساختہ بول اٹھا۔

''یہ کہانی سنا رہے ہیں کہ اس روز وہاں چائے پی گئی تھی۔'' میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ ''ورنہ برتن جھوٹے ہونے کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے؟''

وہ ایک دم سنبھل گیا اور تیکھی نظر سے مجھے گھورتے ہوئے بولا۔ ''سوال پیدا ہوتا ہے جناب۔''

''کیا سوال؟'' میں نے بھی جواب میں اسے گھورا۔

وہ طنزیہ لہجے میں بولا۔ ''فار یور کائنڈ انفارمیشن۔ وقوعہ کے روز مقتولہ کا شوہر ایک بجے دوپہر فلیٹ سے رخصت ہوا تھا اور یہ اس کا معمول بھی ہے۔ وہ گیارہ بجے کے قریب سو کر اٹھتا ہے، پھر نہا دھو کر ناشتہ کرتا ہے۔ عین ممکن ہے وہ چائے کے جھوٹے برتن اس کے ناشتے والے ہوں۔'' پھر اس نے الٹا مجھ سے سوال کر ڈالا۔ ''کیا یہ ممکن نہیں؟''

''ایسا ہو سکتا ہے......'' میں نے معتدل انداز میں کہا۔ ''لیکن استغاثہ کی رپورٹ میں اس کی کوئی شہادت نہیں ملتی، بلکہ وہاں تو سرے سے ان جھوٹے برتنوں کے تذکرے کو گول ہی کر دیا گیا ہے۔ جبکہ ان برتنوں پر سے فنگر پرنٹ اٹھانا زیادہ ضروری تھا۔ ایسا کیوں نہیں

کیا گیا؟''

''ہم نے اس کی ضرورت محسوس نہیں کی۔'' وہ ڈھٹائی سے بولا۔

''ضرورت محسوس نہیں کی یا دانستہ اس طرف سے چشم پوشی کی گئی تھی؟''

''آپ کا جو جی چاہے، سمجھتے رہیں۔'' وہ بیزاری سے بولا۔

''میں تو سب کچھ بڑی اچھی طرح سمجھ رہا ہوں۔''

اس کے ساتھ ہی عدالت کا وقت ختم ہو گیا۔ جج نے دس روز بعد کی تاریخ دے کر عدالت برخاست ہونے کا اعلان کر دیا۔

''دی کورٹ اِز ایڈ جارنڈ۔''

ٹھیک دس روز بعد ہم سب ایک مرتبہ پھر عدالت کے کمرے میں موجود تھے۔ لیکن اس دن کوئی قابل ذکر کارروائی نہ ہو سکی۔ استغاثہ کی جانب سے صرف ایک گواہ باقی بچا تھا یعنی مقتولہ کا آرٹسٹ شوہر مسٹر خاور۔ مذکورہ روز وہ طبیعت کی ناسازی کے باعث حاضر نہیں ہو سکا۔ جج نے تین دن بعد کی تاریخ دے دی۔

میں اس کیس کو اپنے حق میں بہت اچھی طرح ہموار کر چکا تھا۔ استغاثہ کا آخری گواہ بھی بھگت جاتا تو دلائل کا سلسلہ شروع کیا جاتا۔ مجھے ایک سو ایک فی صد امید تھی کہ اس کیس کا فیصلہ میرے موکل کی بریّت پر منتج ہو گا۔ اب تک میرے موکل رستم نے نہایت ہی ثابت قدمی سے ڈٹ کر عدالتی کارروائی کا مقابلہ کیا تھا۔ یہ سچ ہے کہ مقتولہ کے گھر آنے جانے کے دوران میں وہ کسی حد تک اس کے قریب چلا گیا تھا اور نادان دوستوں نے اس کے اس ''قرب'' کا بھانڈا پھوڑ کر اسے ایک مصیبت میں دھکیل دیا۔ لیکن حقیقت کا اقرار کرتے ہوئے اس نے جج کے سامنے اپنی پوزیشن کو خاصا مضبوط بنا لیا تھا۔ استغاثہ نے اس کی مونچھوں کو جس قدر اچھالا تھا، اگر وہ اپنے اور مقتولہ کے مابین تعلقات کا سرے سے انکار کر دیتا تو جج کی نظر میں اس کی حیثیت اچھی خاصی متاثر ہو جاتی۔ بہرحال اب سب کچھ کنٹرول میں تھا۔ نادان دوستوں کی ''دوستی'' نے جو گل کھلانے کی کوشش کی تھی وہ گل کھلنے سے پہلے ہی مرجھا چکا تھا۔ شاید اسی لئے کہا جاتا ہے، نادان دوست سے دانا دشمن بھلا!

آئندہ پیشی پر عدالتی کارروائی کا آغاز ہوا تو خاور وٹنس باکس میں موجود تھا۔ اس نے سچ بولنے کا حلف اٹھایا اور عدالت کے روبرو اپنا بیان ریکارڈ کرا دیا۔ اس بیان میں کم وبیش وہی باتیں تھیں جو اس نے پولیس کو بیان دیتے ہوئے بتائی تھیں۔

وکیل استغاثہ نے مقتولہ کے شوہر سے چند رسمی سوالات کئے اور جرح موقوف کر دی۔

میں اپنی باری پر مخصوص سیٹ سے اٹھا اور جج کی اجازت حاصل کرنے کے بعد گواہ والے کٹہرے کے نزدیک چلا گیا۔ کوئی سوال پوچھنے سے پہلے میں تنقیدی نگاہ سے اسے گھورنے لگا۔

میرے اس گھورنے نے اس پر خاطر خواہ اثر کیا اور وہ بار بار کٹہرے میں پہلو بدلنے لگا۔ میں فوری طور پر اس کی گھبراہٹ کا سبب نہ جان سکا۔ ممکن ہے یہ اس بیماری کا نتیجہ ہو جس کی وجہ سے وہ گزشتہ پیشی پر عدالت میں حاضری نہیں دے سکا تھا!

خاور عام سی شکل وصورت کا مالک ایک پستہ قامت شخص تھا۔ اس کا قد فائیو فور (پانچ فٹ چار انچ) سے زیادہ نہیں تھا۔ جسم بھی دبلا پتلا تھا۔ اس قد کاٹھ پر اس کا وزن میرے خیال میں پچاس کلوگرام سے زیادہ نہیں رہا ہوگا۔ آنکھوں پر اس نے موٹے شیشوں والی عینک لگا رکھی تھی۔

مجھے مقتولہ کی زندگی میں اسے دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ تاہم جائے وقوعہ پر سرکاری فوٹوگرافر نے اپنے فن کا جو مظاہرہ کیا تھا وہ میری نظر سے بھی گزرا تھا اور اس نظارے کے مطابق مونا نہایت ہی حسین وجمیل اور بھرپور عورت تھی۔ اس کی تعریف میں اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ ان میاں بیوی کی بے جوڑ جوڑی تھی۔

میں نے جرح کے سلسلہ کا آغاز کرتے ہوئے گواہ کو مخاطب کیا اور پوچھا۔ ''مسٹر خاور! اب آپ کی طبیعت کیسی ہے؟''

''ٹھیک ہوں۔'' اس نے مختصر سا جواب دیا۔

''کیا ہوگیا تھا؟''

''پیٹ میں تھوڑی گڑبڑ تھی۔''

''اب تو کہیں کوئی گڑبڑ نہیں ہے نا؟'' میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

''نن...نہیں......'' اس نے نفی میں گردن کو ایک جھٹکا دیا۔

میں نے پوچھا۔ ''مسٹر خاور! وقوعہ کے روز آپ دفتر جانے کے لئے کتنے بجے گھر سے نکلے تھے؟''

''اپنے معمول کے مطابق ایک بجے دوپہر۔'' اس نے جواب دیا۔

''اس روز آپ کتنے بجے اپنے دفتر پہنچے تھے؟''

''میرا خیال ہے، تین سوا تین بجے۔'' اس نے سوچتے ہوئے جواب دیا۔

میں نے کہا۔ ''میری معلومات کے مطابق آپ جس ایڈورٹائزنگ کمپنی سے وابستہ ہیں

اس کا دفتر میکلوڈ روڈ پر واقع ہے اور آمدورفت کے لئے آپ بائیک استعمال کرتے ہیں؟''

''آپ کی معلومات بالکل درست ہیں۔''

''میرا یہ اندازہ بھی یقیناً درست ہوگا کہ بائیک کے ذریعے آپ کے گھر سے دفتر پہنچنے میں زیادہ سے زیادہ آدھا گھنٹہ صرف ہوتا ہوگا؟'' میں نے سوالیہ انداز میں اسے دیکھا

''جی ہاں ...... کم وبیش اتنا ہی وقت لگتا ہے۔''

''پھر وقوعہ کے روز آپ کو دفتر پہنچنے میں لگ بھگ سوا دو گھنٹے کیوں لگ گئے؟'' میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔ ''کیا راستے میں کہیں آپ کی بائیک خراب ہوگئی تھی؟ جیسا کہ عام طور پر ہوتا ہے!''

اس نے نفی میں گردن ہلائی اور پُر اعتماد انداز میں بولا۔ ''میری بائیک بہت وفادار ہے۔ اس نے مجھے کبھی دھوکا نہیں دیا۔''

میں زیرلب مسکرایا اور کہا۔ ''مسٹر خاور! بائیک تو ایک چلتی پھرتی مشین ہے، جو کسی وقت بھی خراب ہوسکتی ہے۔ آپ تو اس کی وفاداری کا دعویٰ اس طرح کر رہے ہیں جیسے کوئی اپنی نہایت ہی مخلص اور محبت کرنے والی بیوی کے بارے میں اظہارِ خیال کر رہا ہو؟''

وہ گہری سنجیدگی سے بولا۔ ''میرے لئے یہ بائیک بیوی سے زیادہ وفادار ثابت ہوئی ہے!''

''کیا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ مقتولہ مونا آپ سے بے وفائی کر رہی تھی؟''

''چھوڑیں، اب اس قصے میں کیا رکھا ہے؟'' وہ نفرت آمیز لہجے میں بولا۔

''آپ کہتے ہیں تو فی الحال چھوڑ دیا۔'' میں نے اسے ایک نادیدہ جال میں پھانستے ہوئے پھر پوچھا۔ ''آپ معزز عدالت کو اپنے دفتر میں تاخیر سے پہنچنے کا سبب بتا رہے تھے؟''

اس نے جواب دینے سے پہلے لمحہ بھر کو وکیل استغاثہ کی طرف دیکھا پھر میری جانب متوجہ ہوتے ہوئے بولا۔ ''بات دراصل یہ ہے کہ وقوعہ کے روز میں گھر سے سیدھا دفتر نہیں گیا تھا اس لئے تاخیر ہوگئی۔ میں اپنے ایک دوست سے ملنے کھارادر چلا گیا تھا۔''

''کیا آپ کو اس دوست سے کوئی ایسا ہی ضروری کام پڑ گیا تھا جو دفتر سے پہلے ادھر کا رخ کرلیا؟''

''جی ہاں ...... کام ضروری ہی تھا۔'' اس نے جواب دیا۔ ''جیسا کہ استغاثہ میں اس بات کی وضاحت موجود ہے کہ میں رات کو دیر تک اپنے اسٹوڈیو میں کام کرتا رہتا ہوں۔

وقوعہ سے پہلے والی رات بھی میں لگ بھگ صبح چار بجے سویا تھا۔ میرے روزانہ دیر سے اٹھنے کا سبب بھی یہی ہے۔ بہرحال......'' وہ ایک لمحے کو متوقف ہوا پھر سلسلۂ کلام کو جاری رکھتے ہوئے بولا۔

''مذکورہ رات کام کے دوران میں میری اسپرے گن میں کوئی خرابی پیدا ہوگئی تھی۔ مجھے آئندہ روز یعنی دس فروری کو دفتر میں ایک آرٹ ورک کو فائنل ٹچ دینا تھا اور اس کے لئے اسپرے گن بہت اہم تھی۔ جب ہزار کوشش کے باوجود بھی میں گن کی خرابی کو پکڑ نہیں سکا تو یہی فیصلہ کیا کہ صبح جاتے ہوئے ہاشم سے گن پکڑ لوں گا۔ ہاشم بھی میری طرح ایک آرٹسٹ ہے اور کھارادر میں واقع ایک ایڈورٹائزنگ کمپنی میں کام کرتا ہے۔ چند روز پہلے وہ ایک گن مجھ سے مانگ کر لے گیا تھا۔ وہ میرے گھریلو استعمال کی گن تھی اور ...... میں نے جس گن کی خرابی کا ذکر کیا ہے، وہ میں دفتر سے لایا تھا۔ میں ہاشم سے اپنی اسپرے گن لینے کھارادر چلا گیا اور اس نے تھوڑی دیر کے لئے مجھے اپنے پاس بٹھا لیا۔ اس لئے میں اس روز تاخیر سے دفتر پہنچا تھا۔''

وہ خاموش ہوا تو میں نے سوال کیا۔ ''کیا آپ اپنی ایڈورٹائزنگ کمپنی میں اکیلے ہی آرٹسٹ ہیں یا آپ کے علاوہ کوئی اور بھی اس شعبے میں کام کرتا ہے؟''

''ہماری کمپنی میں دو آرٹسٹ ہیں۔'' اس نے جواب دیا۔ ''میں اور عبدالشکور۔''

''اس کا مطلب ہے، اگر آپ وقوعہ کے روز اپنے آرٹسٹ دوست ہاشم سے اسپرے گن لینے نہ جاتے تو بھی آپ کا کام چل سکتا تھا۔ آپ کے آرٹ ڈیپارٹمنٹ میں کوئی اور اسپرے گن بھی تو موجود ہوگی۔''

''ہمارے پاس دو تین گنز پڑی ہوئی ہیں۔'' اس نے جواب دیا۔

''اس کے باوجود بھی آپ اپنے وقت کا حرج کر کے کھارادر چلے گئے؟''

''اس میں کیا قباحت ہے؟ اگر میں اپنی اسپرے گن لینے ہاشم کے پاس چلا گیا تو پریشانی کی کیا بات ہے؟'' وہ جھنجھلاہٹ آمیز انداز میں بولا۔ ''اپنی گن پر میرا ہاتھ سیٹ ہے۔ میں اس سے زیادہ بہتر کام کر سکتا ہوں۔''

''کوئی قباحت نہیں۔'' میں نے بے پروائی سے کندھے اچکا دیئے اور پوچھا۔ ''مسٹر خاور! آپ کس ایڈورٹائزنگ کمپنی کے لئے کام کرتے ہیں؟''

''کلرٹیک ایڈورٹائزنگ کمپنی۔''

میں نے تصدیق طلب انداز میں پوچھا۔ ''کلرٹیک ......یعنی کلر ٹیکنالوجی؟''

''جی ہاں ...... ہماری کمپنی کے نام کا یہی مفہوم ہے۔''

''اور آپ کا دوست ہاشم کس ایڈورٹائزنگ کمپنی سے منسلک ہے؟''

''ہاشم کی کمپنی کا نام ''ایڈمان ایڈورٹائزرز'' ہے۔''

میں نے پوچھا۔ ''کیا آپ کا دوست اس بات کی گواہی دے سکتا ہے کہ آپ وقوعہ کے روز ڈیڑھ بجے دوپہر سے تین بجے سہ پہر تک اس کے پاس ''ایڈمان ایڈورٹائزرز'' میں موجود تھے؟'' ایک لمحے کے توقف سے میں نے اضافہ کیا۔ ''میں نے آدھا گھنٹہ آپ کے گھر سے کھارادر پہنچنے اور پندرہ منٹ کھارادر سے میکلوڈ روڈ پہنچنے کے نکال دیئے ہیں ورنہ...... آپ ٹھیک ایک بجے گھر سے نکلے تھے اور ''کلرٹیک'' ایڈورٹائزنگ کمپنی میں سوا تین بجے پہنچے تھے؟''

تھوڑے تامل کے بعد اس نے کہا۔ ''ہاشم کو گواہی دینے میں کوئی اعتراض تو نہیں ہونا چاہئے۔''

''آپ کے انداز سے ظاہر ہوتا ہے، وہ کوئی اعتراض کر سکتا ہے؟'' میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

''ن...... نہیں......'' وہ گڑبڑا گیا۔ ''م...... میرا یہ مطلب نہیں تھا۔''

''کوئی بات نہیں خاور صاحب!'' میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ ''آپ اس سلسلے میں فکرمند نہ ہوں۔ اگر ضرورت محسوس ہوئی تو میں خود آپ کے دوست ہاشم کو عدالت کا دروازہ دکھا دوں گا۔''

وہ الجھن زدہ نظروں سے باری باری وکیل استغاثہ اور جج کو دیکھنے لگا۔ میں نے جرح کے تسلسل کو جاری رکھتے ہوئے مقتولہ کے شوہر اور استغاثہ کے گواہ سے سوال کیا۔

''مسٹر خاور! استغاثہ کے مطابق آپ کے پڑوسی حنیف خان نے آپ کے دفتر فون کر کے اطلاع دی تھی کہ آپ کی بیوی کو کسی نے قتل کر دیا ہے۔ میں اس پڑوسی کی بات کر رہا ہوں جو فلیٹ نمبر تین سو تین میں رہتا ہے۔''

اس نے اپنے سر کو اثباتی جنبش دی۔

میں نے کہا۔ ''استغاثہ کے مطابق یہ اطلاع سہ پہر چار بج کر بیس منٹ پر دی گئی مگر آپ اپنے گھر ٹھیک ساڑھے پانچ بجے پہنچے تھے۔ یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ اگر آپ چاہتے تو زیادہ سے زیادہ پونے پانچ بجے تک اپنے گھر پہنچ سکتے تھے۔ اس تاخیر کا سبب بتانا پسند کریں گے؟''

''میں یہی کہوں گا کہ مجھے اطلاع تاخیر سے ملی تھی۔'' وہ سنجیدگی سے بولا۔ ''جب میرے دفتر میں اس واقعے سے متعلق فون آیا تو میں وہاں موجود ہی نہیں تھا۔ میری واپسی پانچ بجے ہوئی اور اپنی بیوی کے قتل کی خبر سنتے ہی میں سیدھا گھر کی جانب دوڑا تھا۔''

''دوڑا تھا ...... یعنی آپ نے اپنی بائیک کو دوڑا دیا تھا؟'' میں نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔ ''وہ بائیک جس کی وفاداری پر آپ کو ناز ہے!''

''جی ہاں، میرا یہی مطلب تھا۔''

''مسٹر خاور! کیا آپ معزز عدالت کو یہ بتانا پسند فرمائیں گے کہ جب آپ کے پڑوسی حنیف خان نے دفتر فون کر کے مونا کو پیش آنے والے اندوہناک واقعے کی اطلاع دی تو آپ وہاں موجود کیوں نہیں تھے؟ آپ اس وقت کہاں گئے ہوئے تھے؟''

''مجھے ایک مرتبہ پھر ہاشم کی طرف جانا پڑ گیا تھا۔'' وہ نگاہ چراتے ہوئے بولا۔

''کیا پھر اسپرے گن کا کوئی مسئلہ سامنے آ گیا تھا؟''

''ج ...... جی ......'' وہ قدرے بوکھلائے ہوئے لہجے میں بولا۔ ''کچھ ایسی ہی بات تھی۔''

''اس کا مطلب ہے......'' میں نے اس کی آنکھوں میں بہت دور تک جھانکا۔ ''آپ کے آرٹسٹ دوست مسٹر ہاشم کی گواہی لازمی ہو گئی ہے تاکہ آپ کے بیان کی تصدیق ہو سکے۔ میں صحیح کہہ رہا ہوں نا؟''

''ج ...... جی نہیں ...... جی ...... ہاں!'' وہ گڑبڑا گیا۔

میں نے اسے چکر دینے کے لئے اچانک زاویۂ سوالات تبدیل کر دیا اور قدرے جارحانہ انداز میں پوچھا۔ ''مسٹر خاور! آپ وقوعہ کے روز دفتر سے گھر پہنچے، پھر آپ کی اطلاع پر پولیس بھی آپ کے فلیٹ پر پہنچ گئی۔ انکوائری آفیسر مسٹر شمشیر علی نے مجھے بتایا ہے کہ انہوں نے آپ کی نشان دہی پر ملزم کو اس کے گھر واقع منظور کالونی سے گرفتار کیا تھا۔ کیا میں ٹھیک کہہ رہا ہوں؟''

اس نے اثبات میں سر ہلانے پر اکتفا کیا۔

میں نے جرح کے سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''مسٹر خاور! استغاثہ کے مطابق پولیس نے رات آٹھ بجے ملزم کو اس کے گھر سے گرفتار کیا۔ آپ معزز عدالت کو یہ بتائیں کہ آپ نے کس بنا پر ملزم کی نشان دہی کی تھی؟''

''بنا!'' وہ متذبذب انداز میں بولا۔ ''وہاں مونا کی لاش کے قریب ہی اس کا پائپ کٹر پڑا ہوا تھا۔''

''کس کا پائپ کٹر؟''

''ملزم کا ...... اور کس کا؟''

''کیا مذکورہ پائپ کٹر پر کہیں میرے موکل کا نام لکھا ہوا تھا؟''

''نن ...... نہیں ......'' وہ بری طرح الجھ گیا۔

میں نے چڑھائی جاری رکھی۔ ''پھر پائپ کٹر کو دیکھتے ہی آپ نے کیسے سمجھ لیا، وہ میرے موکل کا اوزار ہے؟''

''ملزم کے فنگر پرنٹس، آلۂ قتل پر پائے جانے والے انگلیوں کے نشانات سے میچ کر گئے تھے۔'' وہ ہوا میں لٹھ گھماتے ہوئے بولا۔ ''پوسٹ مارٹم کی رپورٹ بھی یہی ظاہر کرتی ہے کہ میری بیوی کو اسی پائپ کٹر سے ہلاک کیا گیا اور......''

اس نے بوکھلاہٹ آمیز انداز میں جملہ ادھورا چھوڑا۔ میں نے حملہ کرنے میں ایک لمحے کی تاخیر مناسب نہ سمجھی اور سخت لہجے میں مقتولہ کے آرٹسٹ شوہر سے پوچھا۔

''مسٹر خاور! جب آپ کی نشان دہی ...... بلکہ آپ کے ایما پر پولیس ملزم کی طرف دوڑی، کیا اس وقت تک آلہ قتل سے فنگر پرنٹس اٹھا لئے گئے تھے اور ملزم کے فنگر پرنٹس سے ان کا موازنہ کر لیا گیا تھا ...... اور کیا اس وقت تک پوسٹ مارٹم کی رپورٹ بھی آپ کی نظر سے گزر چکی تھی؟''

وہ اچھل پڑا۔ ''وکیل صاحب! آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں؟ یہ سارے مراحل تو ملزم کی گرفتاری کے بعد طے ہوئے تھے۔''

''تھینک یو مائی ڈیئر!'' میں نے اپنے ہونٹوں پر زہریلی مسکراہٹ سجاتے ہوئے کہا۔ ''میں ایسی باتیں اس لئے کہہ رہا ہوں کہ آپ نے ان عوامل کا حوالہ دیا ہے۔'' میں نے تھوڑا توقف کیا پھر اضافہ کرتے ہوئے پوچھا۔ ''اگر اس وقت تک فنگر پرنٹس لئے گئے تھے اور نہ ہی مقتولہ کی پوسٹ مارٹم رپورٹ موصول ہوئی تھی تو پھر آپ نے پورے وثوق سے پولیس کو کیوں بتایا کہ آلہ قتل ملزم کی ملکیت ہے اور ...... یہ کہ اسے مونا کے قتل کے الزام میں فوراً گرفتار کر لیا جائے؟''

خاور سہمی ہوئی نظر سے مجھے دیکھنے لگا۔ اس کی نگاہ میں ایک عجیب سی بے بسی پائی جاتی تھی۔ اس موقع پر وکیل استغاثہ اپنی موجودگی کا یقین دلانے کے لئے آگے بڑھا اور با آواز بلند جج سے مخاطب ہوتے ہوئے بولا۔

''آبجیکشن یور آنر! میرے فاضل دوست ہیر پھیر سے استغاثہ کے معزز گواہ کو خواہ مخواہ

ہراساں کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ حالانکہ سیدھی سی بات یہ ہے کہ گواہ نے وہ پائپ کٹر ملزم کے پاس دیکھا تھا جب وہ ان کے فلیٹ پر پانی کی ٹینکی نصب کرنے آیا تھا۔ وقوعہ کے روز جب گواہ نے بیڈ پر مقتولہ کے قریب وہ پائپ کٹر پڑا دیکھا تو اس کے ذہن میں ملزم کا خیال آ گیا۔ اس نے جب پولیس والوں سے اس کا ذکر کیا تو وہ ملزم کی گرفتاری کے لئے نرسری مارکیٹ کی طرف چلے گئے۔ وہاں سے پتہ چلا کہ ملزم چھٹی کر کے گھر جا چکا ہے لہٰذا پولیس کو منظور کالونی جانا پڑا۔''

میں نے وکیل استغاثہ کی وضاحت پر کوئی شدید ردِعمل ظاہر نہ کیا اور گواہ کی جانب متوجہ ہوتے ہوئے گہری سنجیدگی سے استفسار کیا۔ ''مسٹر خاور! کیا آپ اپنے وکیل سے اتفاق کرتے ہیں؟''

''جی......جی......وکیل صاحب نے بالکل ٹھیک کہا ہے۔''

''یعنی پائپ کٹر کو دیکھتے ہی آپ کے ذہن میں ملزم کا تصور اُبھر آیا تھا؟''

اس نے اثبات میں گردن ہلائی۔ میں نے پوچھا۔

''آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ویسا پائپ کٹر پورے شہر میں صرف ملزم کے پاس تھا؟'' میں نے تیکھے انداز میں کہا۔ ''جو اس کی شناخت بن کر رہ گیا تھا؟''

''میں نے ایسی تو کوئی بات نہیں کی!'' وہ الجھن زدہ نظر سے مجھے دیکھنے لگا۔

میں نے کہا۔ ''کیا آپ کو یہ بات معلوم تھی کہ ملزم کا پائپ کٹر نامی یہ اوزار گم ہو گیا تھا؟''

''جی ہاں...... یہ بات میرے علم میں آئی تھی۔'' اس نے تصدیقی انداز میں کہا۔ ''لیکن بعد میں ثابت ہوا کہ ملزم نے پائپ کٹر کی گمشدگی کا محض ڈھونگ رچایا تھا اور حقیقت یہ ہے کہ وہ اس اوزار سے مونا کو قتل کرنا چاہتا تھا۔''

وہ بات ادھوری چھوڑ کر پریشان نظر سے مجھے تکنے لگا۔ اس کے چہرے کے تاثرات بتاتے تھے، وہ کوئی غلط بات کہہ بیٹھا ہے۔ میں نے اسے آڑے ہاتھوں لیا۔

''مسٹر خاور! آپ کی بات سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ملزم پہلے ہی سے آپ کی بیوی کو قتل کرنے کا منصوبہ بنائے بیٹھا تھا۔ اسی لئے اس نے پائپ کٹر کی گمشدگی کا ڈراما رچایا تاکہ الزام اس پر نہ آ سکے؟''

''جی ہاں...... جی ہاں......'' وہ جلدی سے سر ہلاتے ہوئے بولا۔

میں نے تیکھی نظر سے وکیل استغاثہ کو دیکھا۔ اس کے چہرے پر مجھے زلزلے کے سے

آثار دکھائی دیئے۔ اس سے پہلے کہ وہ ''آبجیکشن یور آنر'' کا نعرہ بلند کرتا میں نے گواہ کو لتاڑنے کا عمل جاری رکھتے ہوئے تیز آواز میں کہا۔

''خاور صاحب! آپ تو اپنے بیان سے استغاثہ کی دھجیاں بکھیر رہے ہیں جب کہ آپ استغاثہ کے ایک معزز گواہ ہیں۔''

وہ بری طرح سٹپٹا گیا۔ ''کیوں...... میں نے ایسا کیا کر دیا؟''

''استغاثہ کی عمارت، دعوے کی ان بنیادوں پر کھڑی ہے کہ ملزم طلائی زیورات چرانے کی نیت سے مقتولہ کے بیڈ روم میں گھسا اور مقتولہ کی آمد پر اس نے راز افشا ہونے کے ڈر سے قتل کر دیا جس سے صاف ظاہر ہے کہ اگر مقتولہ بیڈ روم میں داخل نہ ہوتی اور ملزم کو اپنا ''کام'' کرنے کا موقع مل جاتا تو وہ بڑی شرافت سے فلیٹ سے رخصت ہو جاتا۔ گویا قتل کی نوبت ہی نہ آتی اور......'' اس نے تھوڑا توقف کیا پھر اضافہ کرتے ہوئے کہا۔ ''اور آپ فرما رہے ہیں، ملزم نے باقاعدہ ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت آپ کی بیوی کو قتل کیا ہے۔ آپ کے کون سے بیان کو درست سمجھا جائے؟''

''میں...... کنفیوژ ہو گیا تھا۔'' وہ جلدی سے بولا۔ ''استغاثہ بالکل ٹھیک کہتا ہے۔''

''یعنی آپ کے مطابق ملزم نے سوچے سمجھے منصوبے کے تحت آپ کی بیوی کو قتل نہیں کیا؟''

''ہاں...... میرا یہی مطلب ہے۔'' وہ وکیل استغاثہ کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

''ٹھیک ہے...... میں آپ کی بات پر اعتبار کر لیتا ہوں۔'' میں نے اس کی آنکھوں میں ڈوبتے ہوئے کہا۔ ''اب ذرا اپنے ذہن پر زور دیں اور معزز عدالت کو بتائیں کہ آپ کو کیسے پتہ چلا کہ ملزم کا پائپ کٹر گم ہو گیا تھا؟ ملزم نے سات فروری کو آپ کے فلیٹ میں ٹینکی نصب کی اور اسی روز اس کا اوزار کہیں اِدھر اُدھر ہو گیا تھا۔ آٹھ فروری کو وہ پائپ کٹر کی تلاش میں سہ پہر کو آپ کے فلیٹ پر پہنچا۔ اس وقت آپ گھر پر موجود نہیں تھے۔ کیا اس سلسلے میں ملزم سے آپ کی کوئی بات ہوئی تھی؟''

''مجھے پائپ کٹر کے بارے میں مونا سے پتہ چلا تھا۔'' اس نے جواب دیا۔ ''ملزم سے میری کسی قسم کی کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔''

''کیا مقتولہ نے آپ کو صرف پائپ کٹر کی گمشدگی کے بارے میں ہی بتایا تھا یا یہ بھی بتایا تھا کہ ملزم آٹھ فروری کو سہ پہر میں مذکورہ اوزار کی تلاش میں آپ کے فلیٹ پر پہنچ گیا تھا؟''

وہ جز بز ہوتے ہوئے بولا۔ ''فلیٹ پر آنے والی بات بھی بتائی تھی۔'' پھر قدرے برہمی سے کہا۔ ''مونا کی بات سن کر ہی تو مجھے شک ہوا تھا کہ ملزم نے پائپ کٹر کی گمشدگی کا محض بہانہ کیا تھا۔''

''وہ ایسا بہانہ کیوں کرے گا؟'' میں نے سخت لہجے میں سوال کیا۔

''تاکہ فلیٹ کے اندر داخل ہونے کا موقع مل سکے۔'' وہ رُکھائی سے بولا۔ ''حالانکہ مونا نے جھوٹ کا سہارا لیتے ہوئے مجھے صرف اتنا بتایا تھا کہ ملزم جب اپنے اوزار کی تلاش میں آٹھ فروری کو فلیٹ پر آیا تو اس نے ملزم کو دروازے پر ہی سے ٹہلا دیا تھا۔ لیکن حقیقت اس کے برعکس تھی۔'' وہ ایک لمحے کو ٹھہر کر بڑے عجیب سے لہجے میں بولا۔ ''اب میں مزید کیا کہوں، ساری بات تو عدالت میں کھل چکی ہے۔''

''مسٹر خاور!'' میں نے اس کی کھال میں ہاتھ ڈالے رکھا۔ ''پہلے آپ نے کہا کہ آپ کو اپنی بیوی مونا پر شک ہوا تھا، پھر آپ نے اس کی غلط بیانی کا ذکرہ کیا ہے۔ قبل ازیں بھی جب عدالتی کارروائی کے دوران میں آپ کی بیوی اور ملزم کے باہمی تعلقات پر بحث ہوئی تو آپ دم سادھے بیٹھے رہے۔ آپ نے فطری ردِّعمل کے طور پر ایک لفظ ادا کیا اور نہ ہی جسمانی حرکات وسکنات سے کسی برہمی یا طیش کا اظہار کیا۔ بالکل یوں محسوس ہوتا رہا جیسے آپ کی بیوی پر بات نہ ہو رہی ہو بلکہ وہ کسی غیر متعلق عورت کا کیس ہو۔ آپ کا یہ لاتعلقی کا رویہ ثابت کرتا ہے کہ آپ کو مقتولہ مونا سے ذرّہ برابر ہمدردی نہیں ہے۔ آپ کا عدالت چلے آنا بھی محض رسمیات کی کھوکھلی انجام دہی کے سوا کچھ نہیں۔''

''کوئی بھی شخص اپنی بے وفا بیوی سے کیوں کر ہمدردی رکھ سکتا ہے؟'' وہ زہر خند لہجے میں بولا۔ ''مونا نے جو کچھ کیا اس کا انجام سب کے سامنے ہے!''

ایک شوہر کی زبان سے اپنی بیوی کی بے وفائی کی تصدیق نے عدالت کے کمرے میں سناٹا کر دیا۔ اس سناٹے کو اگلے ہی لمحے میری گمبھیر آواز نے مجروح کر دیا۔

''بے وفا بیوی...... غیرت مند شوہر!'' میں نے معنی خیز انداز میں بہ آواز بلند کہا۔

خاور نے غصیلی نظر سے مجھے دیکھا۔ اس کا انداز کھا جانے والا تھا۔

میں نے جارحانہ لہجے میں کہا۔ ''مسٹر خاور! میں نہیں جانتا آپ کے پاس کون سی بائیک ہے لیکن آپ نے تھوڑی دیر پہلے اس کے خصائل بیان کرتے ہوئے اپنی مقتولہ بیوی کا بائیک سے موازنہ کیا تھا اور اسے بیوی کی بہ نسبت زیادہ معتبر اور وفادار گردانا تھا۔ خیر، بیوی آپ کی تھی اور بائیک بھی آپ کی ہے۔ مجھے کیا، آپ جس کو جیسا سمجھیں۔ لیکن......''

میں نے دانستہ ڈرامائی انداز میں جملہ ادھورا چھوڑا اور بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''لیکن مجھے استغاثہ کے بیان کردہ ایک نکتے سے بڑی دلچسپی ہے۔ وکیل استغاثہ نے معزز عدالت کے سامنے دعویٰ کیا تھا کہ آپ مقتولہ اور ملزم کے مابین تعلقات سے واقف ہو گئے تھے۔ لیکن آپ نے دانستہ خاموشی اختیار کئے رکھی اور یہی ظاہر کیا جیسے کچھ جانتے نہیں۔ وکیل استغاثہ نے میرے موکل کی ''جسارت'' کے لئے ''کرتوت'' کا لفظ استعمال کیا تھا۔ کیا آپ وکیل استغاثہ کے دعوے کی تصدیق کرتے ہیں؟''

ان لمحات میں وہ مجھے متامل دکھائی دیا۔ اسے شاید یہ فیصلہ کرنے میں دقت پیش آ رہی تھی کہ کیا جواب دینا چاہئے۔ ''ہاں'' یا ''نہ'' میں سے اس کے لئے کیا مفید ثابت ہو سکتا ہے۔ میں نے اسے شش و پنج میں مبتلا دیکھا تو خاصے سخت انداز میں کہا۔

''مسٹر خاور! اپنے وکیل کے دعوے کی تردید کرتے ہوئے یہ بات ذہن میں رہے کہ انہوں نے مونچھوں والے معاملے میں بھی آپ کو گواہ بنایا ہے۔'' اس نے چونک کر میری طرف دیکھا۔ میں نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ ''وکیل استغاثہ کے یہ الفاظ معزز عدالت کے ریکارڈ پر موجود ہیں کہ...... میں نے مونچھوں کے حوالے سے ایک خاص عورت کی، مخصوص پسند کی بات کی ہے اور اس کی گواہی مقتولہ کا شوہر خاور بھی دے سکتا ہے۔ مونا کو اسی اسٹائل کی مونچھیں پسند تھیں جیسی میرے موکل نے رکھ چھوڑی ہیں۔ کیا آپ وکیل استغاثہ کو جھٹلانے کی پوزیشن میں ہیں؟''

وہ چند لمحات تک ٹٹولتی ہوئی نظر سے مجھے دیکھتا رہا پھر نہایت ہی ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔ ''مجھے کسی کو جھٹلانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ وکیل استغاثہ نے ملزم کی مونچھوں کے اسٹائل اور مقتولہ سے اس کے تعلقات کے بارے میں جو کچھ بھی کہا ہے میں اس کی تصدیق کرتا ہوں اور تسلیم کرتا ہوں کہ مجھے ملزم پر اپنی بیوی کے حوالے سے شک ہو گیا تھا۔''

''صرف شک یا یقین؟'' میں نے اسے گہری نظر سے گھورا۔

''آپ اسے یقین کہہ سکتے ہیں۔'' وہ سنجیدگی سے بولا۔ ''میرے دوستوں کے حوالے سے ماضی میں بھی ایک دو واقعات ایسے پیش آئے تھے کہ مونا ان میں دلچسپی لینے لگی تھی۔ میں نے اس کا یہی وطیرہ ملزم کے معاملے میں بھی دیکھا تو مجھے شک ہوا۔ میں نے اپنے شک کی تصدیق کے لئے انہیں واچ کیا اور مجھے پتہ چلا کہ ملزم میری غیر موجودگی میں بھی میرے گھر پر آیا تھا۔''

''آپ کو یہ بھی معلوم ہوگا، ملزم آپ کے غیاب میں، آپ کے گھر کیوں آیا تھا؟''

''کام کا بہانہ۔'' وہ سرسری انداز میں بولا۔ ''ورنہ اس کا مقصد اب کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں رہی۔''

وہ بڑی کمینگی سے اپنی مرحوم بیوی کے کردار کو میلا کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ مجھے اس کے اس عمل پر شدید غصہ آیا لیکن میں نے ضبط کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ ''مسٹر خاور! آپ کے لئے تصدیق یا تردید کرنے والی اب باقی نہیں رہی۔ بہر حال یہ بتائیں کہ آپ نے اپنے جن دوستوں کے حوالے سے تلخ تجربات کا ذکر کیا ہے وہ تمام افراد بھی ملزم ایسی مونچھوں کے حامل تھے؟''

''جی ہاں ...... حقیقت یہی ہے۔'' وہ بھڑک کر بولا۔ ''مونچھوں کا یہ مخصوص اسٹائل مونا کی کمزوری تھا۔''

''آپ اس کے شوہر تھے۔'' میں نے اس کے چہرے پر نگاہ جماتے ہوئے کہا۔ ''اس کی یہ چھوٹی سی فرمائش پوری کر دیتے تو آپ کا کیا چلا جاتا؟ ہوسکتا ہے اس طرح وہ حالات پیش نہ آتے جن کے طفیل آج ہم یہاں موجود ہیں!''

خاور کلین شیو تھا، پستہ قامت اور دھان پان۔ اس پر موٹے شیشوں والا نظر کا چشمہ!

اس نے برا سا منہ بنایا اور کمال ڈھٹائی سے بولا۔ ''ہر انسان کی اپنی اپنی پسند ہوتی ہے۔ اپنی پسند اور مرضی کو دوسروں پر مسلط تو نہیں کیا جاسکتا ...... اور نہ ہی ایسا کرنا چاہئے۔''

''بجا فرمایا آپ نے۔'' میں نے پُر خیال انداز میں کہا اور پھر پوچھا۔ ''جب آپ کو ملزم اور مقتولہ کے حوالے سے کوئی شک ...... اور آپ کے مطابق یقین ہوگیا تو آپ نے خاموشی کیوں اختیار کرلی؟ آپ نے اپنی بیوی سے اس سلسلے میں باز پرس کیوں نہیں کی؟''

''میں دراصل اسے رنگے ہاتھوں پکڑنا چاہتا تھا۔'' وہ عجیب سے لہجے میں بولا۔

''کیا آپ اپنی اس کوشش میں کامیاب ہوگئے؟''

''نہیں ......'' وہ نفی میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ ''اس سے پہلے ہی ملزم نے میری بیوی کو خون میں نہلا دیا ...... اور قیمتی طلائی زیورات کا سیٹ لے کر رفو چکر ہوگیا۔''

''بالفرض۔'' میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے تیز لہجے میں سوال کیا۔ ''اگر آپ اپنے مقصد میں کامیاب ہوجاتے تو پھر آپ کیا ردعمل ظاہر کرتے؟''

''میں مونا کی اس عادت نما حرکت سے بہت تنگ آگیا تھا۔'' وہ نفرت آمیز لہجے میں بولا۔ ''لیکن میرے پاس اس کے خلاف کوئی ٹھوس ثبوت نہیں تھا۔ اگر میں اسے رنگے ہاتھوں پکڑ لیتا تو پھر بتاتا کہ میں ...... کہ میں ......''

شدتِ جذبات سے اس کی آواز بکھر کر رہ گئی۔ میں نے اسی وقت ایک گہری چوٹ لگائی۔ ''مسٹر خاور! ''کہ میں ...... کہ میں ......'' سے آپ کی کیا مراد ہے؟''

''میں اپنی مراد سے آپ کو آگاہ کرنا ضروری نہیں سمجھتا۔'' وہ برہمی سے بولا۔

اس کے ساتھ ہی عدالت کا وقت ختم ہوگیا۔ جج نے عدالت برخاست کرنے کا اعلان کیا تو میں نے درخواست کی۔

''جنابِ عالی! استغاثہ کے آخری گواہ مسٹر خاور کے بیان کے بعض حصوں کو چیک کرنا بہت ضروری ہے۔ لہٰذا میں معزز عدالت سے استدعا کروں گا کہ آئندہ پیشی پر گواہ کے آرٹسٹ دوست مسٹر ہاشم کو عدالت میں حاضر ہونے کے احکام صادر کئے جائیں تاکہ یہ کیس اپنے منطقی انجام سے ہمکنار ہوسکے۔ دیٹس آل یور آنر!''

جج نے میری فرمائش اور کیس کی ضرورت کے پیش نظر وکیل استغاثہ کو ہدایت کی کہ اگلی پیشی پر ہاشم کو عدالت میں ضرور پیش کیا جائے۔ وکیل استغاثہ نے بڑی فرمانبرداری سے اثبات میں سر ہلا دیا۔

آئندہ پیشی پر مقتولہ کا شوہر خاور غیر حاضر تھا۔ وکیل استغاثہ نے اس کی بیماری کا سرٹیفکیٹ دے دیا۔ جس کے مطابق اس کے پیٹ کے ساتھ پھر کوئی گڑبڑ ہوگئی تھی۔ البتہ ہاشم کو استغاثہ کورٹ تک لانے میں کامیاب رہا۔ وکیل استغاثہ نے اس پر کوئی خاص جرح کی مگر میں نے اپنے کڑے اور نوکیلے سوالات کے ذریعے اسے سچ بولنے پر مجبور کر دیا اور اس نے معزز عدالت کے روبرو بڑے واضح الفاظ میں بتایا کہ وقوعہ کے روز خاور صرف ایک مرتبہ اس سے ملنے کھارادر گیا تھا اور وہ بھی سہ پہر کے وقت۔ خاور نے اس سے اپنی اسپرے گن لی اور واپس چلا گیا۔ وہ بہ مشکل دس منٹ وہاں رکا ہوگا۔ ہاشم کے دوٹوک بیان نے خاور کے جھوٹ کی قلعی کھول دی۔

ہاشم ایک معقول شخص تھا۔ پہلی مرتبہ وہ کسی سلسلے میں گواہی دینے کورٹ تک پہنچا تھا لہٰذا پیشہ ور گواہوں والے داؤ پیچ سے اس کا نابلد ہونا لازمی بات تھی۔ وہ کسی قسم کی غلط بیانی کر کے خود کو مصیبت میں گرفتار کرنے کے حق میں نہیں تھا۔ لہٰذا اس سے سچ اگلوانے میں مجھے کوئی دشواری پیش نہ آئی۔ اب مسئلہ یہ تھا کہ اس کے بیان پر کوئی فوری کارروائی ممکن نہیں تھی۔ اس نے استغاثہ کے گواہ کا جو جھوٹ کھولا تھا اس پر عمل درآمد کے لئے خاور کا عدالت میں حاضر ہونا ضروری تھا۔

جج تھوڑی دیر کے لئے اٹھ کر اپنے چیمبر میں چلا گیا۔ جب وہ واپس آیا تو اس نے ہمیں

حکم دیا کہ ہم دلائل کا سلسلہ شروع کریں۔ وکیل استغاثہ نے میرے موکل کو قاتل اور چور ثابت کرنے کے لئے زور مارا اور اس کی مونچھوں سے لے کر آلہ قتل تک گھسی پٹی باتوں کو نئے سرے سے دہرا ڈالا۔ آخر میں عدالت سے استدعا کی کہ وہ ملزم کو قرار واقعی سزا دے کر انصاف کے تقاضے پورے کرے۔

اپنی باری پر میں اٹھ کھڑا ہوا اور دلائل کا آغاز کرتے ہوئے نہایت ہی ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہنا شروع کیا۔

''جنابِ عالی! میرا موکل ایک بے گناہ شخص ہے۔ قتل کے اس کیس میں کسی گہری سازش کے تحت اسے گھسیٹا جا رہا ہے۔ اب تک کی عدالتی کارروائی کے دوران میں، میں کئی اہم نکات سامنے لا چکا ہوں جو میرے موکل کو بے قصور ثابت کرنے کے لئے بہت کافی ہیں۔ میں ایک مرتبہ پھر معزز عدالت کے سامنے انہیں دہرانا چاہوں گا۔'' میں نے تھوڑا توقف کر کے حاضرین عدالت پر ایک اچٹتی سی نگاہ ڈالی پھر دوبارہ جج کی طرف متوجہ ہو گیا۔

''یور آنر! میرا موکل سچا اور کھرا انسان ہے اس نے اپنی جذباتی لغزشوں کو جھوٹ کے پردے سے ڈھانپنے کی کوشش نہیں کی۔ حالانکہ وہ اگر چاہتا تو مقتولہ کے ساتھ اپنی جذباتی حرکات کو چھپا سکتا تھا۔ اس کے انکار کی تردید صرف ایک ہستی کر سکتی تھی یعنی مقتولہ مونا...... اور وہ ملزم کو جھٹلانے کے لئے زندہ نہیں رہی۔ میرے موکل کے صحت مند مثبت رویے سے اس کی نیک نیتی ظاہر ہوتی ہے۔''

میں نے سانس لینے کے لئے تھوڑا وقفہ کیا پھر دلائل کے سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''جنابِ عالی! میرے موکل کی بارعب اور پُرکشش مونچھوں کو استغاثہ نے جس طرح ایشو بنا کر اس کی گردن میں پھانسی کا پھندا فٹ کرنے کی کوشش کی ہے اس کی حقیقت بھی عدالت کے ریکارڈ پر آ چکی ہے۔ ایک موقع پر وکیل استغاثہ اپنے ہی کہے ہوئے الفاظ سے منحرف دکھائی دیتا ہے۔ عورت کی مخصوص نفسیات کے حوالے سے اس نے ابتدا میں جو فلسفہ دیا، بعد میں ازخود اس کی نفی کر دی۔ اب میں دیگر حقائق کی طرف آتا ہوں۔''

میں نے وکیل استغاثہ کی جانب معنی خیز نگاہ سے دیکھا۔ اور دوبارہ روئے سخن کو جج کی جانب موڑتے ہوئے کہا۔

''یور آنر! میرے موکل پر مونا کو قتل کرنے اور اس کا قیمتی زیور چرانے کے الزامات عائد کیے گئے ہیں لیکن تاحال استغاثہ مالِ مسروقہ برآمد کرنے یا اس کا کسی قسم کا بھی سراغ لگانے

میں ناکام رہا ہے...... اور جہاں تک مونا کے قتل کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں بھی استغاثہ کا دعویٰ انتہائی بودا اور کھوکھلا ہے۔ میں اس کھوکھلے پن کی درجہ بہ درجہ وضاحت کرتا ہوں۔

جنابِ عالی! محض آلہ قتل کے ہینڈل پر ملزم کے فنگر پرنٹس ملنے کی وجہ سے اسے قاتل ٹھہرا لیا گیا۔ یہ جانچنے کی کوشش نہیں کی گئی کہ آیا اس دراز کے ہینڈل پر بھی ملزم کی انگلیوں کے نشانات موجود ہیں یا نہیں جہاں سے استغاثہ کے دعوے کے مطابق ملزم نے ایک قیمتی جڑاؤ سیٹ چرایا تھا۔ پھر چائے کے استعمال شدہ برتنوں کا قصہ بھی غور و فکر کی دعوت دیتا ہے۔ استغاثہ کے دعوے کی روشنی میں تو یہ نظر آتا ہے کہ وہاں چائے پینے کی نوبت ہی نہیں آئی اور کچن کے سنک پر موجود چائے کے جھوٹے برتن خاور کے ناشتے والے تھے۔ اگر ایسا تھا بھی تو پھر بھی پولیس کا یہ فرض بنتا ہے، ان برتنوں پر سے ملزم کی انگلیوں کے نشانات تلاش کرتی۔ اگر ایسا نہیں کیا گیا تو یہ سراسر کوتاہی...... بلکہ پولیس کی بدنیتی میں شمار ہو گا۔ سامنے کی شہادت کو نظر انداز کرنا کسی جرم سے کم نہیں۔''

میں نے ذرا ٹھہر کر باری باری وکیل استغاثہ اور انکوائری آفیسر کو دیکھا، پھر جج کی جانب متوجہ ہوتے ہوئے تاثراتی انداز میں کہا۔ ''جنابِ عالی! ان حقائق کے علاوہ مقتولہ کے شوہر خاور کا رویہ شروع سے آخر تک غیر فطری نظر آتا ہے۔ کوئی بھی غیرت مند شوہر اپنی بیوی کے معاملے میں ایسا انداز نہیں اپناتا۔ مرد...... خصوصاً ایک شوہر کے مزاج اور فطرت کے مطابق اسے مختلف مواقع پر جو ردِعمل ظاہر کرنا چاہئے تھا، وہ کہیں دکھائی نہیں دیتا بلکہ......'' میں نے دانستہ جملہ ادھورا چھوڑ کر حاضرین عدالت کی طرف دیکھا پھر دلائل کے تسلسل کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''بلکہ...... استغاثہ کے گواہ اور مقتولہ کے شوہر خاور نے حتیٰ الوسع یہ کوشش کی ہے کہ وہ اپنی مرحوم بیوی مونا کے کردار کو آلودہ کر کے عوام کے سامنے پیش کر سکے۔ پتہ نہیں وہ کسی نفسیاتی عارضے میں مبتلا ہے یا پھر......''

میں نے ایک مرتبہ پھر جملہ نامکمل چھوڑا اور دلائل کے زاویے کو موڑتے ہوئے کہا۔

''جنابِ عالی! اب میں وقوعہ کے روز ملزم کی نشست و برخاست کا مختصر جائزہ پیش کروں گا۔ استغاثہ اور ڈیفنس اس بات پر متفق ہیں کہ مذکورہ روز یعنی دس فروری کو مقتولہ نے ملزم کو چائے کی پیشکش کی۔ مقتولہ کچن میں چائے بنانے چلی گئی اور ملزم کامن روم میں بچھے ایک صوفے پر بیٹھ کر انتظار کرنے لگا۔ اس کی ٹول کٹ دروازے کے نزدیک فرش پر رکھی تھی۔ واضح رہے کہ ملزم ان دو سنگل صوفوں میں سے ایک پر براجمان تھا جو فلیٹ کی مشرقی دیوار کے ساتھ رکھے ہیں اور وہاں سے کچن نظر کے سامنے پڑتا ہے۔ یہ بات بھی ثابت ہو چکی

کہ چائے بنانے کے دوران میں ملزم اور مقتولہ میں گفتگو بھی ہوتی رہی۔ اب یہاں سے استغاثہ کے بوگس دعوے کا پول کھلتا ہے۔" میں نے ذرا توقف کر کے وکیل استغاثہ کے چہرے کا جائزہ لیا۔ اس کے چہرے پر مجھے اُلجھن کے آثار نظر آئے۔ میں اسے اور اس کے تاثرات کو نظر انداز کر کے جج کی جانب متوجہ ہو گیا اور قدرے تیز آواز میں کہا۔

"جناب عالی! استغاثہ کا موقف ہے کہ اس دوران میں ملزم، مقتولہ کی نظر بچا کر کامن روم سے اس کے بیڈ روم میں پہنچ گیا تھا۔ زمینی حقائق کی رو سے عملاً یہ ممکن نہیں۔ جب دو افراد ایک دوسرے کے سامنے ہوں اور آپس میں باہم محوِ گفتگو بھی ہوں تو کوئی ایک دوسرے کی نظر بچا کر کہیں نہیں جا سکتا اور اگر جائے گا تو دوسرے سے یہ بات پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔ ایم آئی رائٹ سر؟"

آخری جملہ میں نے کرسی انصاف پر بیٹھے چشمہ پوش شخص کو مخاطب کرتے ہوئے ادا کیا تھا لیکن اس سے پہلے کہ جج میرے سوال کا جواب دیتا، وکیل استغاثہ نے احتجاجی لہجے میں کہا۔

"جناب عالی! ملزم ایک چالاک اور شاطر شخص ہے۔ اس سے کچھ بھی بعید نہیں۔ ایسے لوگ تو اُڑتی چڑیا کے پَر گن لیتے ہیں، کسی کی نظر بچانا اور دیکھنے والے کی آنکھوں میں دھول جھونکنا تو ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔"

"تھینک یو مائی ڈیئر کونسلر!" میں جارحانہ انداز میں وکیل استغاثہ کی جانب مڑا۔ میری جارحیت الفاظ تک محدود تھی ورنہ میں نے اپنے لہجے کو حتی الامکان شائستہ رکھنے کی کوشش کی۔ "آپ نے میرے موکل کے اوصاف گنوا کر مجھ پر جو احسانِ عظیم کیا ہے وہ میں اپنی آخری سانس تک یاد رکھوں گا۔ یہ آپ کا ایک ایسا قرض ہے جو میں کبھی ادا نہیں کر سکوں گا...... چالاک، شاطر، اُڑتی چڑیا کے پَر گننے والا، آنکھوں میں دھول جھونکنے والا...... آپ یقین جانیں میں اپنے موکل کی ان خصوصیات سے واقف نہیں تھا۔" میں ذرا متوقف ہوا پھر اضافہ کرتے ہوئے کہا۔ "میرے فاضل دوست! جہاں آپ نے اتنی مہربانی کی ہے وہاں تھوڑی سی عنایت اور بھی کر دیں؟"

وکیل استغاثہ کی حالت دیدنی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا، میں کیا کہہ رہا ہوں اور مزید کیا کہنے جا رہا ہوں۔ وہ اُلجھن زدہ سوالیہ نظر سے بلا تامل مجھے دیکھتا چلا گیا۔ میں نے پچکارنے والے انداز میں کہا۔

"میرے فاضل دوست! آپ اتنا زیادہ پریشان کیوں ہو رہے ہیں؟ میں تو بس آپ

سے ایک دو آسان سوال پوچھوں گا...... اتنے آسان جیسے کسی بچے کو لائق فائق ثابت کرنے کے لئے اس کے والدین بڑی شفقت سے پوچھتے ہیں...... بیٹا! بتاؤ، نو بجے والا خبر نامہ آج کتنے بجے آئے گا؟ یا سات دنوں کے ایک ہفتے میں بھلا کتنے دن ہوتے ہیں؟ ذرا سوچ کر بتاؤ۔ اور وہ ہونہار بچہ کھٹا کھٹ ان سوالات کے جوابات دے کر سینٹ پرسینٹ نمبرز حاصل کر لیتا ہے۔" وکیل استغاثہ نے گنّے سے پڑنے والی اس نادیدہ چوٹ پر کھا جانے والی نظر سے مجھے دیکھا۔ میں نے اس کے اندرونی زخموں پر نمک پاشی کرتے ہوئے استفسار کیا۔

"میرے فاضل دوست! آپ میرے سوالات کے جواب دیں گے نا؟"

وہ انکار نہیں کر سکتا تھا لہٰذا اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے ترشی سے بولا۔ "پوچھیں آپ کیا پوچھنا چاہتے ہیں؟"

میں نے پوچھا۔ "تھوڑی دیر کے لئے میں آپ کے موقف کا حامی بن جاتا ہوں، آپ کو کوئی اعتراض تو نہیں؟"

"میرے کس موقف کی حمایت کرنا چاہتے ہیں آپ؟" وہ متذبذب انداز میں بولا۔

میں نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔ "استغاثہ کا موقف دو حصوں پر مشتمل ہے۔ نمبر ایک، ملزم طلائی زیورات کی چوری کی نیت سے مقتولہ کی آنکھوں میں دھول جھونک کر کامن روم سے بیڈ روم میں پہنچ گیا۔ نمبر دو، جب وہ اس چوری میں کامیاب ہو گیا تو مقتولہ کی مداخلت پر اسے قتل کر کے فلیٹ سے فرار ہو گیا۔" میں سانس لینے کو متوقف ہوا پھر گمبھیر لہجے میں کہا۔ "میں فی الحال اس موقف کے پہلے حصے کی حمایت کرنا چاہتا ہوں۔ ضرورت محسوس ہوئی تو دوسرے حصے کو بھی دیکھ لوں گا۔ آپ تیار ہیں؟"

"میری سمجھ میں نہیں آ رہا، آپ کون سا ڈراما کر رہے ہیں؟" وہ بیزاری سے بولا۔

"میں سمجھاتا ہوں۔" میں نے اس کے نادیدہ زخموں کو الفاظ کے ناخنوں سے سہلاتے ہوئے کہا۔ "میں تھوڑی دیر کے لئے آپ کا حامی بن جاتا ہوں کہ میرا موکل، مقتولہ کی نظر بچا کر کامن روم سے بیڈ روم میں چلا گیا۔ آپ اپنے ذہن پر زور دے کر بتائیں وہ بیڈ روم میں کس مقصد سے گیا تھا؟"

"ظاہر ہے، مقتولہ کا جڑاؤ طلائی زیور چرانے۔" اس نے کسی "ہونہار" بچے کے مانند پٹ سے جواب دیا۔ "زیورات کے اس باکس کو حاصل کرنے کے لئے ہی تو اس نے مقتولہ کو شیشے میں اتارا تھا۔"

"ویری گڈ......" میں نے استہزائیہ انداز میں کہا۔ "اور مقتولہ کی بر وقت مداخلت پر ملزم

نے بھاری پائپ کٹر کا مہلک وار کر کے مونا کو موت کے گھاٹ اتار دیا؟''
''جی ہاں ...... بالکل، بالکل۔''
''گویا آپ یہ کہنا چاہ رہے ہیں کہ ملزم طلائی زیورات چرانے کے لئے ٹول کٹ میں سے پائپ کٹر نکال کر اپنے ساتھ بیڈ روم میں لے گیا تھا؟'' میں نے تیکھے لہجے میں پوچھا۔
میرے اس تیر بہ ہدف سوال نے وکیل استغاثہ کو بغلیں جھانکنے پر مجبور کر دیا۔ وہ لکنت زدہ لہجے میں گویا ہوا۔ ''م...... میرا مطلب ہے......''
''آپ اپنے مطلب کو فی الحال اندھے کنوئیں میں پھینک دیں۔'' میں نے لتاڑنے والے انداز میں کہا۔ ''صرف ہاں یا نہ میں جواب دیں۔ کسی دراز میں سے طلائی زیورات کا سیٹ چوری کرنے کے لئے بھاری پائپ کٹر کی ضرورت پیش آتی ہے؟''
''ن...... نہیں......'' وہ ہکلایا۔
''گویا آپ تصدیق کرتے ہیں، ملزم اپنے ساتھ پائپ کٹر لے کر نہیں گیا تھا؟''
''میں کیسے تصدیق کر سکتا ہوں؟'' وہ کمزور سے لہجے میں بولا۔ ''آلہ قتل تو مقتولہ کی لاش کے قریب ہی بیڈ پر پایا گیا تھا۔''
''اگر آپ تصدیق کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہیں تو تردید ہی کر دیں؟''
وہ بری طرح الجھ گیا اور جھنجلاہٹ آمیز لہجے میں بولا۔ ''میری تو سمجھ میں نہیں آ رہا کہ آپ استغاثہ کی حمایت پر کیوں تلے بیٹھے ہیں؟''
''ٹھیک ہے ...... میں استغاثہ کی حمایت سے باز آیا۔ کیونکہ میں اپنا مقصد حاصل کر چکا ہوں۔'' میں نے ایک پُرسکون اور گہری سانس خارج کرتے ہوئے کہا۔ ''اب ہم اس کیس کی نسبت سے ایک دوسرے کے کھلے دشمن ہیں۔ لہٰذا میرے سوالات کا بہت سوچ سمجھ کر جواب دیجئے گا میرے فاضل دوست!''
اس نے معاندانہ نظر سے مجھے گھورا۔ میں نے پوچھا۔ ''کیا یہ درست ہے کہ پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کے مطابق مقتولہ کے سر کے عقبی حصے میں پائپ کٹر کا خطرناک وار کر کے اسے موت کے منہ میں دھکیلا گیا ہے؟''
''اس میں کوئی شک نہیں۔ یہ ایک کھلی حقیقت ہے۔'' وہ پُر وثوق لہجے میں بولا۔
میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکا اور سرسراتے ہوئے انداز میں کہا۔ ''اب ذرا بیڈ روم کے منظر کو تصور کی نگاہ میں لائیں۔ ہم فرض کر لیتے ہیں، میرا موکل مقتولہ کی دراز توڑنے کے لئے پائپ کٹر اپنے ساتھ لے گیا تھا۔ حالانکہ یہ امکانات میں سے نہیں۔ فرض کرنے میں

یہی فائدہ ہے کہ ناممکن کو ممکن بنانے میں پل بھی نہیں لگتے! بہرحال وہ کسی طرح مذکورہ دراز میں سے زیورات والا بکس نکال لیتا ہے۔ آپ کے مطابق اسی وقت مقتولہ بیڈ روم میں پہنچ جاتی ہے اور ملزم اس پر پائپ کٹر سے وار کر دیتا ہے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ کسی بھی شخص پر، سامنے سے بھاری اوزار کا وار کیا جائے تو مضروب کی کھوپڑی عقب سے چٹخ جائے؟ مضروب اس چوٹ کے سبب بڑے آرام سے بیڈ پر دراز ہو جائے اور وہیں پڑے پڑے جان دے دے؟ اور قاتل ایک منحوس پرندے کا فرزند ارجمند ثابت ہو؟ وہ آلۂ قتل کو بڑے اہتمام سے مقتولہ کے نزدیک ہی بیڈ پر ڈال کر چلا جائے اور گھر میں بیٹھ کر پولیس کی آمد اور اپنی گرفتاری کا انتظار کرے؟''
میرے حقائق پر مبنی پے در پے سوالات کا وکیل استغاثہ کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ وہ حقیقت کو جھٹلا نہیں سکتا تھا اور اقرار کرنے کا صرف ایک ہی مطلب تھا کہ میرا موکل سراسر بے گناہ تھا۔ اس نے بڑی بے چارگی سے دونوں ہاتھ پھیلائے اور بے وقوفوں کے مانند دیدے گھماتے ہوئے مجھ سے پوچھا۔
''پھر مونا کا اصل قاتل کون ہے؟''
''اصل اور نقل کا فیصلہ کرنا معزز عدالت کا کام ہے۔'' میں نے وکیل استغاثہ کی بے بسی سے محظوظ ہوتے ہوئے کہا۔ ''میں تو صرف اتنا ہی عرض کر سکتا ہوں کہ اپنی عزت کا پاس کرتے ہوئے آپ ذرا اس دروغ گو کو بھی ''چیک'' کریں جو بقول خود وقوعہ کے روز دو مرتبہ کھاراور گیا تھا۔ سنا ہے کھاراور میں ایک بہت بڑی صرافہ مارکیٹ بھی ہے جہاں پورا دن طلائی زیورات کی خرید و فروخت ہوتی رہتی ہے اور اگر رسید بھی ہاتھ میں ہو تو پھر کیا مسئلہ ہے!''
میں نے اندھیرے میں ایک تیر چھوڑا جو اپنے ہدف پر پیوست ہو گیا۔ آئندہ پیشی پر جج نے واقعات و حالات اور ثبوت و شواہد کی روشنی میں میرے موکل کی بریت کا فیصلہ سنا دیا۔
یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ میری نشاندہی پر پولیس نے مقتولہ کے شوہر خاور کو شاملِ تفتیش کر کے اس کی زبان کا قفل پلک جھپکنے میں کھلوا لیا۔ وہ پولیس کے طریقہ کار کے سامنے دس منٹ بھی نہیں ٹھہر سکا تھا۔ اپنی ننھی منی جان کو عذاب سے بچانے کے لئے اس نے اقرارِ جرم کر لیا۔ اپنے منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کے لئے اس نے سات فروری کو ہاتھوں پر سرجیکل گلووز پہن کر ملزم کی ٹول کٹ سے پائپ کٹر چوری کر لیا پھر دس فروری کو انہی گلووز کی موجودگی میں اس نے اپنی بیوی کو با آسانی موت کے گھاٹ اتار دیا۔ وہ اس

روز حسب معمول ایک بجے دوپہر گھر سے نکلا تھا لیکن دفتر جانے کی بجائے وہ موقع کی تاک میں لگ گیا۔ اسے ملزم کی آمد کی پکی امید تھی کیونکہ اس نے گھر سے رخصت ہوتے وقت خاص طور پر مونا سے کہا تھا کہ وہ پلمبر کو بلا کر گیزر کا تھرمواسٹیٹ تبدیل کروالے۔

اس کم ظرف اور بے غیرت شخص نے اپنی حسین و جمیل بیوی کو کیوں قتل کیا، یہ ایک طویل اور رونگٹے کھڑے کر دینے والی داستان ہے۔ کبھی فرصت ملی تو ضرور سناؤں گا۔

☆☆☆

شودبزیاں

سانپ اور چور کی بڑی دہشت ہوتی ہے۔ شاید اس لئے بھی دونوں کے پاؤں نہیں ہوتے۔ یہ "دبے پاؤں" آگے بڑھتے ہیں اور اپنا کام کر کے خاموشی سے واپس چلے جاتے ہیں۔ وہ بھی دبے پاؤں خاموشی سے گھر میں کودا تھا۔ میں نے پائیں باغ میں کودنے کی مخصوص دھمک سنی اور پوری طرح اس جانب متوجہ ہو گیا۔ وہ آدھی رات کا عمل تھا اور اس وقت عقبی دیوار پھلانگ کر گھر میں کودنے والے کی نیت کسی بھی طور ٹھیک نہیں ہو سکتی تھی!

میں اپنے گھر کے ایک کمرے میں کچھ تلاش کر رہا تھا۔ مذکورہ کمرا پائیں باغ کے نزدیک ہی تھا اس لئے بھی مجھے کودنے والے کی خبر ہو گئی۔ اس رات میں گھر میں اکیلا ہی تھا۔ دیگر افرادِ خانہ ایک شادی میں شرکت کے لئے حیدر آباد گئے ہوئے تھے۔

میں کمرے سے نکل آیا اور خاموشی سے اس سمت بڑھنے لگا جدھر میں نے کودنے والے کے پاؤں کی مخصوص دھمک سنی تھی۔ اور پھر وہ مجھے نظر آ گیا اور اسے دیکھ کر مجھے حیرت ہوئی۔ وہ عقبی دیوار کے ساتھ چپکا کھڑا تھا۔ اس کے انداز سے ظاہر ہوتا تھا، وہ وہاں سے ہلنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا اور یہی بات میری الجھن کا سبب تھی۔

میں اس وقت ایک سنگی ستون کی آڑ میں کھڑا تھا۔ وہ پلٹ کر اگر مجھے دیکھنا بھی چاہتا تو اسے کامیابی نہ ہوتی۔ البتہ میں اسے بڑی وضاحت سے دیکھ رہا تھا۔ اس کی عمر تیرہ چودہ سال رہی ہو گی۔ یہ ایک اور قابل غور بات تھی۔ اس عمر کے ایک لڑکے کو میرے گھر کے عقبی حصے میں کودنے کا شوق کیوں ہوا، یہ جاننا بہت ضروری تھا۔ اگر وہ کوئی چور وغیرہ ہوتا تو بنگلے کے اندر پہنچنے کے بعد وہ یوں ایک ہی جگہ کھڑا نہ رہتا! اس کی "آمد" کا کوئی نہ کوئی تو مقصد ہو گا۔

میں نے اس کی جانب بڑھنے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ اس کے قدموں میں جنبش ہوئی۔ میں رک کر اس کا جائزہ لینے لگا۔ اس نے اچک کر دیوار کی منڈیر کو پکڑا، پھر اپنے جسم کو اوپر اٹھانے لگا۔ اس کی حرکات و سکنات سے تو یہی ظاہر ہوتا تھا، اس نے "واپسی" کا فیصلہ کر لیا

ہے۔ اگر وہ یوں خاموشی سے رخصت ہو جاتا تو میرے ذہن میں اس سے متعلق ایک پھانس سی چبھی رہ جاتی۔ میں نے سوچا کہ آواز دے کر اسے روک لوں مگر اس نے مجھے زحمت سے بچا لیا۔

اس نے دیوار کے اوپر سے جھانک کر باہر کا جائزہ لیا اور دوبارہ پائیں باغ میں اتر آیا۔ اس کے انداز سے ظاہر ہوا، باہر اس کے لئے حالات اچھے نہیں ہیں۔ ورنہ وہ باہر کود چکا ہوتا۔ اس لڑکے کے بارے میں میرا تجسس بڑھتا ہی چلا گیا۔ فوری طور پر میں اس نتیجے پر پہنچا کہ کوئی اس کے تعاقب میں ہے۔ جس سے بچنے کے لئے وہ میرے بنگلے میں کودا تھا...... اور یہ کہ باہر اس کے لئے اب بھی خطرہ ہے، یعنی اس کا تعاقب کرنے والے نے پیچھا نہیں چھوڑا۔

یہ خیالات سیکنڈ کے دسویں حصے میں میرے ذہن میں گزرے اور میں ایک محفوظ آڑ میں رہتے ہوئے اس کی طرف بڑھنے لگا۔ ایک بات طے تھی کہ وہ لڑکا کسی بھی طور میرے لئے خطرناک ثابت نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ تو ان لمحات میں خود کسی محفوظ پناہ گاہ کے لئے ترسا ہوا تھا۔ میں اس کے عقب میں دس قدم کے فاصلے پر پہنچا تو تحکمانہ آواز میں اسے پکارا۔

"اے! کون ہو تم؟"

وہ یوں اچھلا جیسے اس کے قدموں میں اچانک کوئی طاقتور بم پھٹا ہو۔ بے ساختہ اس نے پلٹ کر ہراساں نظر سے مجھے دیکھا۔ پائیں باغ میں اتنی روشنی موجود تھی کہ میں اس کے چہرے پر نمودار ہونے والے تاثرات کو جانچ سکوں اور وہاں مجھے خوف و ہراس کے سوا کچھ دکھائی نہ دیا۔ میں نے اس کے انداز سے یہ بھی محسوس کیا کہ وہ بھاگنے کا ارادہ رکھتا تھا لہٰذا قدرے نرم اور ٹھہرے ہوئے لہجے میں، میں نے اس سے کہا۔

"گھبراؤ نہیں ــــ مجھ سے تمہیں کوئی خطرہ نہیں۔ میں اس گھر کا مالک ہوں۔"

اس نے بے یقینی سے مجھے دیکھا تاہم اس کے خوف و ہراس میں خاصی کمی آ گئی۔

میں نے اس کے نزدیک جا کر پوچھا۔ "تم کس سے بچنے کے لئے یہاں چھپے ہوئے ہو؟"

"وہ فاروقی کے آدمی ہیں۔" وہ تامل کرتے ہوئے سراسیمہ لہجے میں بولا۔

"کون فاروقی؟"

"میرے ابو کا دوست ہےــــ" اس نے بتایا۔ "مگر بڑا ہی کمینہ اور ذلیل شخص ہے۔"

اس کی زبان سے زہر کے چھینٹے اُڑ رہے تھے۔ میں نے سوال کیا۔ "فاروقی کے آدمی

تمہارا تعاقب کیوں کر رہے ہیں؟"

"فاروقی مجھے قتل کروانا چاہتا ہے۔" وہ دائیں بائیں دیکھتے ہوئے خوف زدہ لہجے میں بولا۔

"اوہ!" میں نے ایک طویل سانس خارج کی اور اس لڑکے سے پوچھا۔ "تم کون ہو ...... تمہارا نام کیا ہے؟"

اس نے جواب دیا۔ "شعیب۔"

"تمہارا یہاں کھڑے رہنا مناسب نہیں۔" میں نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔ "آؤ میرے ساتھ۔"

تھوڑی سی ہچکچاہٹ کے بعد اس نے میرے پیچھے قدم اٹھا دیئے۔ میں اسے اپنے ساتھ اسی کمرے میں لے آیا جہاں اس کی "آمد" سے قبل میں کچھ ڈھونڈ رہا تھا۔ میں نے اسے ایک کرسی پر بٹھایا اور پوچھا۔

"وہ کل کتنے افراد ہیں اور ان کے حلیے کیسے ہیں؟"

"صحیح تعداد کا تو مجھے اندازہ نہیں۔" شعیب نے کمرے میں چاروں جانب نگاہ دوڑاتے ہوئے کہا۔ اس کا انداز ایسا ہی تھا جیسے وہ اس جگہ کے بارے میں موزوں یا غیر موزوں ہونے کا فیصلہ کر رہا ہو۔ مطمئن ہونے کے بعد اس نے مزید کہا۔ "میں نے صرف دو افراد کو دیکھا ہے اور ان کی شکلیں عام غنڈوں جیسی ہی ہیں۔"

"اس کا مطلب ہے، تم انہیں جانتے یا پہچانتے نہیں ہو؟"

اس نے میرے خیال کی تائید کی۔ میں نے پوچھا۔ "پھر تم اتنے وثوق سے کیسے کہہ سکتے ہو، وہ کسی فاروقی کے آدمی ہیں جو تمہیں قتل کرنا چاہتے ہیں؟"

وہ نفرت آمیز انداز میں بولا۔ "وہ گھٹیا انسان پہلے بھی ایسی کوشش کر چکا ہے۔"

"تم رہتے کہاں ہو؟"

"گلشن اقبال میں۔"

"وہ علاقہ تو یہاں سے خاصے فاصلے پر ہے؟" میں نے سوالیہ نظر سے اسے دیکھا۔

وہ بولا۔ "میں ادھر اپنے ایک دوست سے ملنے آیا تھا۔ واپسی میں دیر ہو گئی۔ اور پھر وہ لوگ میرے پیچھے لگ گئے۔ میں بڑی مشکل سے انہیں غچا دے کر آپ کے گھر میں داخل ہوا ہوں۔" وہ ایک لمحے کو متوقف ہوا، پھر ندامت آمیز لہجے میں بولا۔

"انکل! آپ مجھے معاف کر دیں۔ مجھے یوں دیوار پھاند کر آپ کے گھر میں داخل نہیں

ہونا چاہئے تھا۔ میں اپنی جان بچانے کے لئے......''

''تم نے جو کچھ بھی کیا وہ تمہارے حالات کی مجبوری تھی۔'' میں نے اس کا جملہ ختم ہونے سے پہلے ہی بات کاٹ دی۔ ''بہرحال تم یہاں اطمینان سے بیٹھو۔ یہاں تمہارے لئے کوئی خطرہ نہیں۔ میں ذرا باہر کا جائزہ لے کر آتا ہوں۔''

اس نے ایک مرتبہ پھر بے یقینی سے دیکھا۔ میرے رویے نے اسے یقیناً الجھن میں ڈال دیا ہوگا۔ اسے پولیس کے حوالے کرنے کی بجائے میں گھر میں بیٹھنے کی دعوت دے رہا تھا۔ میں شعیب کو شش و پنج میں مبتلا چھوڑ کر گھر سے باہر نکل آیا۔

میں نے ٹہلنے والے انداز میں اپنے بنگلے کے آس پاس ایک چکر لگایا مگر مجھے کوئی مشتبہ چہرہ دکھائی نہ دیا اور میں واپس لوٹ آیا۔ اگر واقعی کچھ لوگ شعیب کے تعاقب میں تھے تو پھر وہ کہیں اور نکل گئے تھے۔ یہ بات بھی یقینی تھی کہ انہوں نے شعیب کو میرے گھر میں کودتے نہیں دیکھا تھا ورنہ وہ اتنی آسانی سے اس کا پیچھا نہ چھوڑتے!

گھر کی طرف واپس آتے ہوئے میرے ذہن میں ایک یہ خیال بھی اُبھرا کہ میں نے شعیب کو اپنے خالی گھر میں تنہا چھوڑ کر کہیں کوئی غلطی تو نہیں کی! یہ بھی ہوسکتا تھا، اس کی بیان کردہ کہانی کوئی اسٹنٹ ہو۔ وہ میری ہمدردیاں حاصل کر کے کوئی لمبا ہی کام دکھانے کا ارادہ رکھتا ہو، جب میں گھر پہنچوں تو وہ قیمتی سامان کے ساتھ غائب ہو چکا ہو!

یہ تمام تر خیالات فطری تھے۔ آج کل چوری چکاری کے ایسے ایسے جذباتی اور اخلاقی طریقے وضع کر لئے گئے ہیں کہ دیکھ اور سن کر عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ لیکن پتہ نہیں کیوں، شعیب مجھے قابل بھروسا لگا تھا۔ میں اس سلسلے میں کوئی عقلی یا منطقی دلیل نہیں دے سکتا۔ بس مجھے یوں محسوس ہوا تھا اس کی بپتا میں دروغ گوئی کا عنصر شامل نہیں!

بہرحال، میں جب گھر میں داخل ہونے کے بعد شعیب والے کمرے میں پہنچا تو میرے اعتبار کو کسی قسم کی ٹھیس کی بجائے تقویت پہنچی۔ وہ بڑی شرافت سے وہیں بیٹھا میرا انتظار کر رہا تھا جہاں میں اسے بیٹھا چھوڑ گیا تھا۔

''انکل! کیا آپ اس گھر میں اکیلے ہی رہتے ہیں؟'' شعیب نے اضطراری لہجے میں پوچھا۔

اس کے سوال نے مجھے چونکنے پر مجبور کر دیا۔ محتاط ذہن نے سوچا، کہیں وہ اس دوران میں پورے بنگلے کا اندرونی گشت تو نہیں کر چکا؟ یہ ایک خطرناک خیال تھا۔ میری واپسی پر اصولی طور پر شعیب کو سب سے پہلے ان افراد کے بارے میں پوچھنا چاہئے تھا جن کو چکر

دینے کے بعد وہ میرے بنگلے میں کودا تھا۔ اس کے خلافِ توقع سوال نے مجھے قدرے محتاط کر دیا۔ میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا۔

''شعیب! تم نے یہ سوال کیوں کیا؟ کیا تم میری غیر موجودگی میں یہاں سے اٹھ کر گھر کے اندرونی حصے میں گئے تھے؟''

''نہیں انکل! میں تو تب سے یہیں بیٹھا ہوں۔'' وہ سادگی سے بولا۔ اب اس کا سارا خوف و ہراس رخصت ہو چکا تھا۔ ''گھر میں پائی جانے والی خاموشی اور سناٹے سے میں نے اندازہ لگایا ہے۔''

''یہ بھی تو ہوسکتا ہے، دیگر افرادِ خانہ اس وقت سو رہے ہوں۔''

''ہاں، ہوسکتا ہے۔'' اس نے تائیدی انداز میں گردن ہلائی۔ ''میں نے جو محسوس کیا وہ آپ سے پوچھ لیا۔ ظاہر ہے، آپ بھی غلط نہیں کہہ رہے۔ یہ آپ کا گھر ہے، آپ مجھ سے زیادہ بہتر جانتے ہیں۔ مجھے تو یہی لگا جیسے آپ کے سوا اس گھر میں کوئی بھی نہ ہو!''

''تم ایک حساس اور ذہین لڑکے ہو۔'' میں نے ستائشی نظر سے شعیب کو دیکھا۔ ''آج کی رات میں واقعی اپنے گھر میں تنہا ہوں۔'' ایک لمحے کے توقف سے میں نے اضافہ کرتے ہوئے پوچھ لیا۔ ''تم کون سی کلاس میں پڑھتے ہو؟''

''انٹرنس کا امتحان دیا ہے۔ آج کل فارغ ہوں۔''

''انٹرنس؟'' میں چونکا۔ ''تمہاری عمر کیا ہے؟''

میرے اندازے کے مطابق وہ تیرہ چودہ سے زیادہ کا نہیں تھا اور اس عمر میں انٹرنس کا امتحان دے کر فارغ ہو جانا سمجھ میں آنے والی بات نہیں تھی۔ شعیب کے جواب نے میری حیرت میں اضافہ کر دیا۔ اس نے عام سے لہجے میں بتایا۔

''انکل! میں اُنیس ویں سال میں ہوں لیکن صحت اور قد کاٹھ کے حوالے سے چودہ سال سے زیادہ کا نہیں لگتا۔ جو لوگ مجھے جانتے نہیں انہیں میری عمر کا سن کر یقین نہیں آتا۔ آپ بھی اسی لئے بے اعتباری سے مجھے دیکھ رہے ہیں۔'' وہ ایک لمحے کو رکا پھر اپنی ہپ پاکٹ کی جانب ہاتھ بڑھاتے ہوئے بولا۔ ''ٹھہریں! میں آپ کو اپنا آئی ڈی کارڈ دکھاتا ہوں۔ ویسے اسی سال میرا قومی شناختی کارڈ بھی بنا ہے لیکن اس وقت وہ میرے پاس نہیں۔''

آئندہ چند لمحات میں اس نے عمر کے حوالے سے اپنے دعوے کی تصدیق کر دی تو میں نے اسے باہر کی صورتِ حال کے بارے میں بتا دیا۔ اس نے بھی میرے اندازے کے مطابق ہی تبصرہ کرتے ہوئے کہا۔

"انکل! لگتا ہے وہ دونوں کسی اور طرف نکل گئے ہیں۔" پھر اس نے ایک جھرجھری لی اور بولا۔ "چلو، اللہ کا شکر ہے ایک مرتبہ پھر جان بچ گئی۔ انکل! میری وجہ سے آپ کو بہت تکلیف اٹھانا پڑی۔ میں ایک مرتبہ پھر آپ سے معذرت چاہتا ہوں۔ اب میں چلوں گا!"
وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"تم ایسے نہیں جا سکتے شعیب۔" میں بھی کھڑا ہو گیا۔

اس نے الجھن بھری نظر سے مجھے دیکھا اور بولا۔ "میں سمجھا نہیں انکل......"

اس نے جملہ اس انداز میں ادھورا چھوڑا تھا جیسے میرا نام جاننے کا مشتاق ہو۔

میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ "انکل ...... مرزا امجد بیگ ایڈووکیٹ۔"

"اوہ ......تو آپ وکیل ہیں انکل!" وہ متاسفانہ انداز میں بولا۔

"جانے سے پہلے تمہیں اپنی کہانی سنانا ہو گی۔" میں نے دوستانہ انداز میں کہا۔ "ہو سکتا ہے میں تمہیں کوئی مفید مشورہ ہی دے دوں۔"

"ضرور، ضرور......" وہ جلدی سے بولا اور دوبارہ صوفے پر بیٹھنے کے بعد کہنے لگا۔ "لیکن میرے پاس آپ کی فیس ادا کرنے کے لئے......"

"یہ مشورہ بالکل مفت ہو گا۔" میں نے قطع کلامی کرتے ہوئے کہا۔

شعیب کے چہرے پر اطمینان جھلکنے لگا۔

ہمدردی کے علاوہ مجھے اس کے حالات جاننے میں بھی دلچسپی پیدا ہو گئی تھی۔ اگر میں بیٹھے بٹھائے اس کے کسی کام آ جاتا تو اس سے بڑی اور کیا بات ہو سکتی تھی۔ میرے استفسار پر شعیب نے مجھے اپنے بارے میں جو کچھ بتایا اس میں سے غیر ضروری باتوں کو حذف کر کے میں اس کے بیان کا خلاصہ آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ سر دست غیر متعلق نظر آنے والا وہ معاملہ ازاں بعد انتہائی متعلق ہو گیا تھا۔

ایک سال پہلے شعیب اپنے والدین اور ایک بہن کے ساتھ گلشن اقبال کے ایک شاندار بنگلے میں رہتا تھا۔ مذکورہ بنگلا دو سو گز پر تعمیر شدہ تھا۔ اس کا باپ عبدالباسط آٹو پارٹس کا ڈیلر تھا اور پلازا پر اس کی اپنی ایک خوب چلتی ہوئی دکان تھی۔ شعیب کی بہن فوزیہ اس سے چار سال چھوٹی تھی۔ وہ آج کل میٹرک میں تھی۔

تھوڑا اور پیچھے جائیں تو حالات کی ایک نئی کروٹ سامنے آتی ہے۔ لگ بھگ چھ سال پہلے شعیب کی والدہ کو ڈاکٹروں نے بتایا کہ وہ بلڈ کینسر میں مبتلا ہے۔ یہ ایک دل دہلا دینے والا انکشاف تھا۔ اس گھر کا واحد کمانے والا عبدالباسط ہی تھا، اور سب سے زیادہ تشویش بھی

اسی کے لئے تھی۔

باسط نے اپنی بیوی کے علاج کے سلسلے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا اور جیسا بھی ٹریٹمنٹ ممکن تھا، وہ اس نے کروایا۔ سب جانتے ہیں کہ کینسر جیسے موذی مرض کا علاج بہت ہی پیچیدہ اور مہنگا ہے۔ یہ ہر ہما شما کے بس کی بات ہی نہیں۔ مریض کے ورثا کو اس حقیقت کا علم ہوتا ہے کہ یہ ایک لاعلاج مرض ہے اس کے باوجود بھی وہ اپنا سب کچھ بیچ باچ کر مریض کو بچانے کی تگ و دو میں لگے رہتے ہیں۔ ایک انسان سے انسانیت ایسے ہی طرزِ عمل کا تقاضا کرتی ہے!

عبدالباسط اپنی بیوی کے علاج پر کمر بستہ رہا۔ وقتی فائدہ ہو جاتا لیکن پھر وہی ڈھاک کے تین پات پر معاملہ آ ٹھہرتا۔ پیسہ پانی کی طرح بہایا جا رہا تھا۔ لہٰذا پہلے گاڑی فروخت ہوئی۔ باسط پریشانی اور منتشر الخیالی کے باعث دکان پر توجہ نہیں دے پا رہا تھا اس لئے کاروبار بھی رفتہ رفتہ بیٹھنے لگا۔ اس طرح آمدنی کا دروازہ بھی بند ہو گیا۔ چنانچہ شعیب کی ماں شگفتہ کے علاج کو جاری رکھنے کے لئے دکان کا سامان بیچنا پڑا۔ جتنی رقم حاصل ہوئی اسی پر شکر کیا......اور کچھ عرصے بعد یہ رقم بھی اڑن چھو ہو گئی۔

اس کے بعد قرض ادھار کا سلسلہ شروع ہوا۔ دستورِ زمانہ ہے، لوگ سامنے والے کی حیثیت اور حالات کو دیکھتے ہوئے ادھار دینے پر تیار ہوتے ہیں۔ سب سے پہلے یہ دیکھا جاتا ہے کہ رقم واپس کیسے ملے گی۔ عبدالباسط کے حالات سب کو دکھائی دے رہے تھے۔ اس کی طرف گیا ہوا ایک روپیہ بھی لوٹنے کی امید نہیں تھی کیونکہ یہ رقم ایک ایسے ہولناک کیکڑے کو پچھاڑنے پر صرف کی جا رہی تھی جس کی کمر ابھی تک اکھاڑے کی مٹی سے آشنا نہیں ہوئی تھی۔

انسان کے ذاتی مراسم اور برتاؤ کی بڑی اہمیت ہوتی ہے۔ عبدالباسط کا ہمیشہ سے انسانوں کے ساتھ انسانوں جیسا سلوک رہا تھا لہٰذا وہ اپنے عزیز و اقارب سے لگ بھگ تین لاکھ روپے قرض حاصل کرنے میں کامیاب رہا۔ اس موقع پر اس کے ایک دوست زاہد فاروقی نے دوستی کی عظیم مثال قائم کرتے ہوئے اسے پانچ لاکھ تک مہیا کر دیئے (یہ رقم مختلف مواقع پر لی جانے والی چھوٹی بڑی رقوم کا مجموعہ ہے کیونکہ شگفتہ کا علاج کم و بیش پانچ سال چلا تھا)

اس وقت کوئی نہیں جانتا تھا، زاہد فاروقی کتنا بڑا داؤ کھیل رہا ہے۔ ایسا داؤ جو ہر صورت میں اسی کے حق میں کھلتا ہے۔ جو بھی فاروقی کے اس ایثار کے بارے میں سنتا، اس کی

تعریف کئے بنا نہ رہتا۔ ساتھ ہی باسط کی خوش قسمتی کا بھی ذکر ہوتا جسے فاروقی جیسا مخلص دوست حاصل تھا۔

کاروبار اور آمدنی کی ایک پائی نہیں رہی تھی اس لئے قرض کا پیسہ علاج کے علاوہ گھریلو اخراجات پر بھی خرچ ہو رہا تھا۔ پھر ایک ایسا وقت آیا کہ یہ سلسلہ رک گیا۔ شگفتہ کو کسی قسم کے علاج کی ضرورت نہ رہی۔ لا علاج مرض نے اسے دنیا اور زندگی کے دُکھوں سے نجات دلا دی۔

پانچ سال کے انتہائی مہنگے علاج نے عبدالباسط کو کم وبیش آٹھ لاکھ کا مقروض کر دیا۔ اس کے بعد حالات نے ایک نئی کروٹ لی۔ شگفتہ کا کفن بھی ابھی میلا نہیں ہوا ہوگا کہ فاروقی نے اپنی رقم کی واپسی کا مطالبہ شروع کر دیا۔ باسط کو اپنے اس دوست پر ناز تھا لہٰذا اس مطالبے نے اسے حیرت میں ڈال دیا۔ اس نے رنجیدہ لہجے میں کہا۔

''یار فاروقی! تم جانتے ہو اس گھر پر کتنی بڑی قیامت گزری ہے۔ اس وقت تو میرے ہاتھ میں تمہیں دینے کے لئے ایک روپیہ بھی نہیں ہے۔''

''مجھے تمہاری حالت کا اندازہ ہے۔'' وہ مسکین سی صورت بنا کر بولا۔ ''لیکن میں مجبور ہوں میرے دوست۔''

باسط نے تسلی بھرے لہجے میں کہا۔ ''اللہ کا شکر ہے دُکان کا سامان بکا ہے، دُکان ابھی باقی ہے۔ میں کہیں سے قرض ادھار پکڑ کر اس میں مال ڈالتا ہوں۔ پوری یک سوئی سے دکان پر بیٹھوں گا تو ماضی لوٹ آئے گا۔ تم سے میرا وعدہ ہے، سب سے پہلے تمہارا ہی قرض اتاروں گا۔''

''یہ تو جب کی بات ہے نا جب تمہاری دکان پہلے کی طرح چلنے لگے گی۔'' فاروقی نے روکھے انداز میں کہا۔ ''مجھے نہیں امید کہ تمہیں کوئی دس لاکھ روپے بھی قرض دینے کو تیار ہو۔ تمہاری حالت کسی سے ڈھکی چھپی نہیں۔''

باسط نے پُر وثوق لہجے میں کہا۔ ''فاروقی! میں اس قدرت والے سے ناامید نہیں ہوں۔ اگر وہ میرا ہاتھ پکڑنے پر تیار ہو گیا تو ایک چھوڑ دس افراد مجھے ادھار دے دیں گے۔''

''مگر اس بات کی کیا گارنٹی ہے کہ وہ قدرت والا تمہارا ہاتھ تھام لے گا؟''

''مجھے اس بات کا یقین ہے فاروقی!''

''میں تمہارے یقین پر تکیہ کر کے اپنا ستیاناس نہیں کر سکتا!''

فاروقی کی مبہم اور خلافِ توقع باتوں نے عبدالباسط کو حیران سے زیادہ پریشان کر دیا۔ وہ

قدرے تلخ لہجے میں بولا۔ ''فاروقی! آج تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ تم مجھے خاصے بدلے بدلے لگ رہے ہو۔''

''میں تمہارا وہی دوست ہوں، فاروقی۔'' فاروقی نے گمبھیر انداز میں کہا۔ ''اگر میں مجبور نہ ہوتا تو برسوں تم سے اپنی رقم کا مطالبہ نہ کرتا۔''

فاروقی نے دوسری مرتبہ اپنی مجبوری کا تذکرہ کیا تو باسط کو چونکنا پڑا۔ پھر وہ اس سے پوچھے بنا نہ رہ سکا۔

''فاروقی! سچ سچ بتاؤ یہ اچانک کون سی مجبوری تمہارے سامنے آن کھڑی ہوئی ہے؟''

''چھوڑو۔'' وہ بد دلی سے بولا۔ ''تم پہلے ہی خاصے پُریشان ہو۔ میری پریشانی سنو گے تو تمہاری پریشانی میں خواہ مخواہ اضافہ ہو جائے گا۔''

باسط کو بھی ضد ہو گئی۔ ''اب تو تمہیں بتانا ہی ہو گا۔ میں فوری طور پر تمہاری پانچ لاکھ روپے کی رقم تو نہیں لوٹا سکتا، ممکن ہے تمہاری پریشانی کو دور کر دوں!''

دراصل فاروقی کو کسی قسم کی کوئی پریشانی نہیں تھی۔ وہ تو یہ ڈرامہ سوچی سمجھی چال کے تحت پلے کر رہا تھا بلکہ اس کی سازش کا آغاز تو اسی وقت ہو گیا تھا جب علاج کی مد میں اس نے باسط کو رقم ادھار دینا شروع کی تھی۔ وہ ایک منصوبے کے تحت قدم قدم آگے بڑھ رہا تھا اور بے چارہ باسط اس کے خلوص اور ایثار سے متاثر ہو کر پتہ نہیں اس کی سلامتی اور ترقی کے لئے کیا کیا دعائیں کرتا رہا تھا۔

دعا اور عطا ایک دوسرے سے منسلک اور مربوط ہیں۔ عطا کرنے والا، دعا کرنے والے کی نیت دیکھتا ہے اور بے شک نیتوں کا احوال اس کے سوا اور کوئی نہیں جانتا!

مکار فاروقی اپنے ڈرامے کو ڈراپ سین کی طرف لے آیا تھا، پُرتشویش انداز میں بولا۔

''باسط! میری پریشانی پانچ لاکھ روپے سے بندھی ہوئی ہے۔ اس پریشانی کو تم رقم لوٹا کر ہی دور کر سکتے ہو۔''

''اوہ!'' باسط گہری سوچ میں ڈوب گیا پھر پوچھا۔ ''تمہیں اچانک پانچ لاکھ کی کیا ضرورت پڑ گئی فاروقی؟''

فاروقی چند لمحات تک خاموش رہنے کے بعد گمبھیر آواز میں بولا۔ ''تم بھابی کی بیماری کی وجہ سے پہلے ہی پریشان تھے اس لئے میں نے تمہیں بتانا مناسب نہ سمجھا۔ دراصل میں نے وہ رقم ایک پٹھان سے سود پر حاصل کر کے تمہیں دی تھی۔ میں ایک طویل عرصے سے اس رقم پر بھاری سود ادا کرتا آیا ہوں۔ لیکن اب ہمت نہیں رہی۔ آج کل میرا اپنا کاروبار بھی ڈاؤن

ہے۔ اگر میں مجبور نہ ہوتا تو تم سے کبھی اپنی رقم کا مطالبہ نہ کرنے آتا۔ خاموشی کے ساتھ سود ادا کرتا رہتا جیسا اب تک کرتا آیا ہوں۔ جب کبھی تمہارا ہاتھ آسان ہو جاتا تو میری رقم بھی مجھے مل ہی جاتی۔ بس اتنی سی بات ہے۔“

یہ ”اتنی سی بات“ کہہ کر فاروقی خاموش ہو گیا۔ نہ صرف خاموش ہوا بلکہ اس نے ندامت آمیز انداز میں گردن بھی جھکا لی۔ باسط کا سینہ ایک دوست کے ایثار پر فخر سے پھول گیا۔ یہ اس کی شرافت اور دوستی کی سچائی تھی ورنہ فاروقی تو بڑے شاطرانہ انداز میں قدم قدم آگے بڑھ رہا تھا۔ اس نے کسی پٹھان سے قرض لیا تھا اور نہ ہی اس رقم پر بھاری سود ادا کر رہا تھا۔ یہ پانچ لاکھ کی رقم تو اس کی محفوظ انویسٹمنٹ تھی جسے وہ کئی گنا زیادہ کر کے حاصل کرنا چاہتا تھا اور عبدالباسط یہی سوچ سوچ کر اس کے احسان تلے دبا جا رہا تھا کہ اس کا ”دوست“ اتنے عرصے سے چپ چپاتے ایک بھاری رقم سود میں ادا کر رہا تھا۔

عبدالباسط ایک کاروباری آدمی تھا اور بہ خوبی جانتا تھا اس نوعیت کے سود پر لی گئی رقم بڑی مشکل ہی سے ادا ہو پاتی ہے۔ مقروض بیچارہ ہر ماہ مارک اپ ادا کرتا رہتا ہے اور اصل زر ایک پہاڑ کی مانند اپنی جگہ پر ایستادہ رہتا ہے۔ واقعی سود ایک بہت بڑی لعنت ہے جس سے نجات قسمت والوں ہی کو ملتی ہے۔ اللہ سب کو اس شکنجے سے بچائے، آمین!

عبدالباسط نے اپنے دوست سے کہا۔ ”فاروقی! تم مجھے سوچنے کے لئے ایک ہفتے کی مہلت دے دو۔ میں کوئی راہ نکالتا ہوں۔“

”لیکن یہ آخری ہفتہ ہوگا۔“ فاروقی عیاری سے بولا۔ ”یہ ایک اتفاق ہی ہے کہ ایک ہفتے بعد قسط کی تاریخ ہے...... یعنی سود کی ادائیگی کی تاریخ۔ اس مرتبہ تو میں مارک اپ ادا کر دوں گا لیکن اس کے بعد یہ رقم تم اپنی جیب سے دو گے۔“

باسط لرز کر رہ گیا۔ پانچ لاکھ پر دس فی صد ماہانہ مارک اپ نے اسے دہلا کر رکھ دیا تھا۔ اس کسمپرسی کی حالت میں وہ ہر ماہ پچاس ہزار روپے کا بندوبست نہیں کر سکتا تھا۔ یہ ایک ناقابل تصور رقم تھی اس کے لئے۔ وہ تو یہی سوچ سوچ کر شرمندہ ہو رہا تھا کہ اس کا ایک مخلص ہر ماہ اس کی خاطر اتنی بڑی رقم ادا کر رہا تھا۔

فاروقی کے جانے کے بعد وہ تا دیر...... بلکہ رات بھر سوچتا رہا اور سوچ سوچ کر ہولتا رہا لیکن اس مسئلے کا کوئی حل نظر نہیں آیا۔ فاروقی کے ”ایثار“ نے اس کے دل میں فاروقی کے لئے بے پناہ گنجائش پیدا کر دی اور بالآخر وہ رات کے آخری پہر اس کے حق میں فیصلہ کرنے پر مجبور ہو گیا۔ وہ اپنی دانست میں فاروقی جیسے عظیم انسان کو پریشانی میں نہیں دیکھ سکتا

تھا لہٰذا جذبات سے مغلوب ہو کر اس نے بنگلہ فروخت کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔

کہتے ہیں اگر کسی کی گردن مارنا ہو تو ایک ہاتھ میں تلوار اور دوسرے ہاتھ میں پھولوں کا ہار لے کر آگے بڑھو۔ پہلے ہار والا ہاتھ بڑھاؤ۔ جب وہ ہار پہننے کے لئے گردن جھکا دے تو تلوار کا وار کر کے اس کی گردن کو تن سے جدا کر دو۔

فاروقی نے بھی کچھ اسی قسم کی چال چلی تھی۔ اس وقت باسط پوری طرح اس کے ٹرانس میں تھا۔ اگلے روز باسط نے اسے اپنے گھر بلایا اور اپنے فیصلے سے آگاہ کرتے ہوئے کہا۔

”اب تم ہی اس بنگلے کا گاہک بھی تلاش کرو۔“

فاروقی نے اس موقع پر بے انتہا شرمندگی کی ایکٹنگ کی اور بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

”حالات اور وقت بہت ستم گر ہیں۔ انسان کو بے بس کر دیتے ہیں۔ میں تمہیں بتا نہیں سکتا باسط، تمہارے اس فیصلے سے مجھے کس قدر افسوس ہو رہا ہے۔“

”اس کے سوا کوئی چارہ بھی تو نہیں۔“ وہ بے بسی سے بولا۔

”ٹھیک کہتے ہو دوست!“ فاروقی نے ایک فکر انگیز سانس خارج کی۔ ”قدرت نے ہم دونوں کو بہ یک وقت ایک کڑی آزمائش میں ڈال دیا ہے اور ہم اس آزمائش میں پورے اتریں گے۔“

”ان شاء اللہ۔“ باسط نے تائیدی انداز میں کہا۔

یہ باسط کے جذبۂ دوستی کی انتہا تھی۔ دوسری جانب فاروقی اسے چونا لگانے کے فل موڈ میں تھا۔ بنگلے کی فروخت کا ذمہ چونکہ فاروقی نے اٹھا لیا تھا لہٰذا سود کی ادائیگی سے ایک روز پہلے اس نے بیس لاکھ کا بنگلہ صرف بارہ لاکھ میں بکوا دیا۔ یہ سب فاروقی کی گہری سازش کا نتیجہ تھا۔ بعد میں یہ بھی سننے میں آیا کہ فاروقی نے ایک فرضی پارٹی کو آگے بڑھا کر وہ بنگلہ خود ہی خرید لیا تھا۔

عبدالباسط کو بنگلے کی مارکیٹ ویلیو معلوم تھی۔ اس کے خیال میں وہ بنگلا مرے سے مرا بھی اٹھارہ لاکھ میں نکلنا چاہئے تھا مگر حالات کی جکڑ نے اسے اس بری طرح جکڑ رکھا تھا کہ اسے کوئی اور راہ سجھائی ہی نہ دی۔ اگر اس روز وہ بنگلا فروخت نہ ہوتا تو اگلے دن اسے سود کے پچاس ہزار روپے ادا کرنا تھے جو ناممکنات میں سے تھا۔ الغرض، فاروقی کی سازش کامیاب ہو گئی اور باسط اپنے دونوں بچوں کو لے کر کرائے کے فلیٹ میں آ گیا۔ مذکورہ فلیٹ موتی محل کے نزدیک ایک رہائشی عمارت میں واقع تھا جس کا کرایہ تین ہزار روپے ماہانہ تھا۔ بنگلے کی فروخت سے حاصل ہونے والے بارہ لاکھ میں سے پانچ لاکھ فاروقی کو ادا کئے

گئے، تین لاکھ دیگر عزیز رشتے داروں کو لوٹائے گئے۔ جب رقم ہاتھ میں آ ہی گئی تو پھر قرض کی لعنت سے نجات کیوں نہ حاصل کی جاتی۔ اب باسط کے پاس صرف چار لاکھ بچے تھے۔ کچھ رقم اس نے فلیٹ کے ایڈوانس میں دے دی، باقی کا سامان خرید کر دکان داری شروع کر دی۔

اس پورے واقعے میں سب سے زیادہ نقصان عبدالباسط نے اٹھایا۔ انتہائی اذیت سہنے کے بعد اس کی بیوی جان سے گئی۔ بچوں کی ماں چھن گئی اور وہ لوگ گھر سے بے گھر اور کار سے بے کار ہو کر رہ گئے۔ کبھی وہ ایک شاندار ذاتی بنگلے میں زندگی گزارتے تھے، اب کرائے کے تنگ سے فلیٹ میں روز و شب بیت رہے تھے اور ...... سب سے زیادہ فائدے میں فاروقی رہا۔ اسے اس کھیل میں آٹھ لاکھ کا ''پرافٹ'' ہوا۔ بیس لاکھ مالیت والا بنگلہ اس نے صرف بارہ لاکھ میں ہتھیا لیا اور پانچ لاکھ اس کے علاوہ وصول کر لئے ...... اور سب سے بڑھ کر یہ کہ باسط اب پہلے سے زیادہ بڑھ کر اس پر اعتماد کرنے لگا۔ وہ فاروقی کے اس ''احسان'' کو کیسے فراموش کر دیتا کہ وہ ایک عرصے تک اس کی خاطر پٹھان کو بھاری مارک اپ ادا کرتا رہا تھا!

فاروقی نے اسی پر بس نہیں کی، بلکہ باسط کے اعتماد کو استعمال کرتے ہوئے ایک خطرناک قدم اٹھایا اور چند ماہ پہلے شکیلہ نامی ایک عورت سے اپنے ''دوست'' کی شادی بھی کروا دی تھی۔ سوتیلی ماں گھر میں آئی تو شعیب اور فوزیہ کی زندگی اجیرن ہو گئی اور اب ان کے حالات انتہائی خوفناک صورت اختیار کر چکے تھے!

شعیب کا دعویٰ تھا، وہ فاروقی کی ''حقیقت'' کو سمجھ گیا ہے۔ اس چال باز اور کمینے شخص سے اسے شدید نفرت تھی لیکن وہ اب بھی اس کے باپ کا با اعتماد دوست تھا۔ شعیب نے فاروقی کے بارے میں باسط کو بتانے کی کوشش کی تو وہ اپنے دوست کے خلاف ایک لفظ سننے کو تیار نہ ہوا بلکہ الٹا شعیب کو بری طرح ڈانٹ دیا، یہاں تک کہہ دیا کہ وہ دوستوں کے بیچ آنے کی کوشش نہ کرے۔ شعیب نے پچھلے دنوں باپ کا خیال کرتے ہوئے دکان پر بھی جانا شروع کر دیا تھا لیکن باپ کے رویے کو دیکھتے ہوئے اس نے یہ سلسلہ موقوف کر دیا او زیادہ تر گھر پر رہتا یا پھر دوستوں سے ملنے نکل جاتا۔ ویسے بھی آج کل فارغ ہی تھا۔ شعیب کے ردِعمل نے باپ کو اور بھی برگشتہ کر دیا۔ حتیٰ کہ وہ اپنے بیٹے کی طرف سے متنفر ہوتا چ یا۔ باپ بیٹے میں اتنی بڑی خلیج حائل ہو گئی کہ ایک گھر میں رہتے ہوئے وہ ایک دوسر سے بات نہیں کرتے تھے۔

شعیب کے مطابق شکیلہ بھی کوئی خاندانی عورت نہیں تھی۔ فاروقی نے کسی خطرناک مقصد کے تحت ہی اسے اس گھر میں پہنچایا تھا اور وہ خود بھی وہاں آتا جاتا رہتا تھا۔ فاروقی کو باسط کا تعاون حاصل تھا لہٰذا شعیب ان معاملات میں دخل دینے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔ اسے سب سے زیادہ فکر اپنی چھوٹی بہن کی تھی۔ شعیب کو خدشہ تھا کہ شکیلہ ایک خراب عورت ہے۔ وہ اس کی بہن کے ساتھ کوئی اونچ نیچ نہ کر دے۔ اس نے ایک دو مرتبہ براہِ راست بھی فاروقی سے الجھنے کی کوشش کی تو اس نے شعیب کے تمام تر موقف کو ایک سنگین غلط فہمی کا نام دے کر الٹا اسے ہی منافقانہ شفقت سے سمجھانے کی کوشش کی۔ شعیب ہتھے سے اُکھڑ گیا اور ان کے بیچ اچھی خاصی تلخ کلامی بھی ہو گئی۔ شعیب سب کچھ سمجھ رہا تھا لیکن کیا کرے، یہ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔

اس کے بعد ہی ایک روز تیز رفتار کار نے شعیب کو کچلنے کی کوشش کی۔ اس کی خوش قسمتی کہ بروقت ایک طرف چھلانگ لگا کر اس نے خود کو بچا لیا۔ ایسا ہی ایک اور واقعہ بھی پیش آیا جب اس کی جان لینے کی کوشش کی گئی، اس مرتبہ بھی اس کی قسمت نے ساتھ دیا اور آج کا واقعہ تو تازہ بہ تازہ تھا۔

''وکیل انکل!'' اپنی داستان کے اختتام پر اس نے کہا۔ ''یہ ضروری تو نہیں کہ ہر بار قسمت میرا ہی ساتھ دے۔ کبھی فاروقی اپنے مشن میں کامیاب بھی تو ہو سکتا ہے۔''

''تم ٹھیک کہتے ہو۔'' میں نے سوچ میں ڈوبے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''لیکن یہ واضح نہیں ہو رہا کہ فاروقی تمہاری جان کے درپے کیوں ہے ...... تم اسے کیا نقصان پہنچا سکتے ہو؟''

وہ سر کو ایک مخصوص انداز میں حرکت دیتے ہوئے بولا۔ ''میں ہی وہ واحد آدمی ہوں جو اس کے خلاف بولتا ہوں۔ اسے ڈر ہے کہ کہیں ابو میری باتوں کا یقین نہ کر لیں اور اس کا منصوبہ خاک میں نہ مل جائے۔ میں اس کے راستے کا کانٹا ہوں۔ مجھے ''صاف'' کئے بغیر وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔''

''اس مقصد سے تمہاری مراد شکیلہ تو نہیں؟'' میں نے سوالیہ نظر سے اس کی طرف دیکھا۔

اس نے اثبات میں سر ہلایا اور بولا۔ ''آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں وکیل انکل! میرے لئے سب سے زیادہ تشویش کی بات یہ ہے کہ میں ابھی تک شکیلہ کے عزائم تک نہیں پہنچ سکا ہوں۔ ابو کوئی دولت مند شخص تو ہیں نہیں جو اس انداز میں سوچا جائے۔ آ جا کر ایک فوزیہ ہی کی فکر مجھے کھائے جا رہی ہے۔ شکیلہ اپنے انداز و اطوار سے اُس علاقے کی لگتی ہے

اور فاروقی کا کردار بھی مجھ سے پوشیدہ نہیں۔ ابو کی آنکھوں پر تو ایسی پٹی بندھی ہے کہ میں لاچار ہو کر رہ گیا ہوں۔'' اس نے متفکرانہ انداز میں تھوڑی دیر تک توقف کیا پھر بولا۔
''وکیل انکل! ان حالات میں آپ مجھے کیا مشورہ دیں گے؟''
میں نے چند لمحے سوچنے میں صرف کئے پھر اس کے سوال کا جواب دیتے ہوئے گمبھیر انداز میں کہا۔
''دیکھو برخوردار! بنگلے کی فروخت کا معاملہ تو ایسا ہے جس کے لئے کچھ نہیں کیا جا سکتا۔ تمہارے باپ نے وہ بنگلا بیچا۔ بارہ لاکھ روپے میں بیچا یا بیس لاکھ میں، اس کی مرضی! اسی طرح خریدار پارٹی فاروقی تھا یا کوئی اور شخص اس سے بھی کوئی فرق نہیں پڑتا۔ خرید و فروخت کی یہ کارروائی یقیناً رجسٹرار کے سامنے ہوئی ہو گی۔ اس قانونی منتقلی جائیداد کے خلاف آواز اٹھانا یا فاروقی کو ایک فراڈ شخص کے طور پر اس معاملے میں گھسیٹنا وقت اور رقم برباد کرنے کے مترادف ہو گا البتہ......''
میں لمحے بھر کو رکا پھر سلسلۂ کلام کو جاری رکھتے ہوئے کہا۔ ''اس وقت تم اور تمہاری بہن جن حالات سے گزر رہے ہو وہ واقعی تشویش ناک ہے۔ اگر تمہارے اندازے اور خیالات بالکل درست ہیں تو پھر تمہاری جان اور فوزیہ کی آبرو کو کئی خطرات لاحق ہیں۔''
''اس صورت حال میں ہم دونوں کو کیا کرنا چاہئے؟'' شعیب نے گہری سنجیدگی سے پوچھا۔
میں نے کہا۔ ''ان حالات میں اصولی طور پر تمہیں پولیس سے مدد حاصل کرنا......''
''پولیس صرف ان لوگوں کی مدد کرتی ہے جو ان کے ''مطالبے'' پورے کرنے کی سکت رکھتے ہوں۔'' وہ میری بات پوری ہونے سے پہلے ہی بول پڑا۔ ''میں اپنے معاملے میں پولیس کو ملوث نہیں کرنا چاہتا اور اس کی دو وجوہ ہیں۔''
وہ اتنا کہہ کر خاموش ہوا۔ میں سوالیہ نظر سے اسے دیکھتا رہا۔ اس نے اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''اول تو پولیس والوں کو رشوت کھلانے کے لئے میرے پاس رقم نہیں ہے۔ صرف ناجائز کام ہی کے لئے نہیں بلکہ اپنا جائز کام کروانے کے لئے بھی ان کی مٹھی گرم کرنا پڑتی ہے۔ اور دوسرے میں ابو کی وجہ سے مار کھانے والی پوزیشن پر ہوں۔ ابو ایک منٹ میں فاروقی کی حمایت کر کے میرے موقف کی دھجیاں بکھیر دیں گے۔ مدد تو رہی ایک طرف پولیس الٹی میری ہی دشمن ہو جائے گی۔ یہ قدم تو بھول کر نہیں اٹھانا۔''
وہ پولیس سے خاصا بدظن اور نالاں دکھائی دیتا تھا اور اس رویے کے لئے وہ زیادہ

قصوروار بھی نہیں تھا۔ میں چند لمحات تک اس کی آنکھوں میں دیکھتا رہا پھر سرسری لہجے میں پوچھا۔
''پھر تم کیا کرنے کا ارادہ رکھتے ہو؟''
''جنگ!'' وہ پُرعزم انداز میں بولا۔ ''میں فاروقی اور شکیلہ کے خلاف جنگ کروں گا اور انہیں کسی بھی ناپاک مقصد میں کامیاب نہیں ہونے دوں گا، چاہے اس کے لئے مجھے اپنی جان بھی کیوں نہ قربان کرنا پڑے۔''
اس کے لہجے کی سختی اور الفاظ کا استحکام ظاہر کرتا تھا وہ جو کچھ کہہ رہا ہے کر بھی گزرے گا۔ اس کے حالات سن کر مجھے اس سے ہمدردی پیدا ہو گئی تھی۔ میں واقعی اس کے لئے کچھ کرنا چاہتا تھا۔ میں اپنے طور پر اگر پولیس کو اس معاملے میں متحرک کرتا تو بہتر نتائج کی توقع کی جا سکتی تھی لیکن اس صورت میں یہ خدشہ بہرحال موجود تھا کہ فاروقی جیسا مکار شخص پولیس والوں کے ''کام'' آ کر اس معاملے کو دبا دیتا۔ میں نے ان تمام عواقب و جوانب کو ذہن میں رکھتے ہوئے شعیب سے پوچھا۔
''تمہارا اور کوئی قریبی رشتے دار نہیں ہے؟''
''جہانگیر ماموں ہیں۔'' اس نے بتایا۔
''یہ جہانگیر کہاں ہوتے ہیں اور کیا کرتے ہیں؟''
''ایک پرائیویٹ فرم میں اکاؤنٹنٹ ہیں۔'' اس نے جواب دیا۔ ''رہائش نارتھ ناظم آباد میں ہے۔''
''ٹھیک ہے......تم اپنے ماموں کو کسی وقت میرے دفتر بھیج دو۔'' میں نے اپنا وزیٹنگ کارڈ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''میں تمہارے مسئلے کا کوئی نہ کوئی حل نکالنے کی کوشش کرتا ہوں۔''
اس نے میری معلومات میں اضافہ کرتے ہوئے کہا۔ ''جہانگیر ماموں ابو کو زیادہ پسند نہیں کرتے۔ امی کی زندگی میں تو مجبوراً مل لیتے تھے، ان کی وفات کے بعد سے وہ ہمارے گھر نہیں آئے۔ اور جب سے ابو نے شکیلہ سے شادی کی ہے، وہ سخت ناراض ہیں۔''
''یہ اور بھی اچھی بات ہے۔'' میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔
''جی......کیا مطلب؟'' شعیب الجھن بھری نظر سے مجھے تکنے لگا۔
میں نے کہا۔ ''مطلب بعد میں سمجھاؤں گا، پہلے تم انہیں میرے دفتر میں بھیجو۔ اتنا تو کر لو گے نا؟''

"ہاں ضرور، فون پر ان سے کبھی کبھار میری بات ہو جاتی ہے۔"

اس کے بعد میں نے شعیب سے اس کے اس دوست کا نام پتہ معلوم کیا جس سے ملنے کے لئے وہ اس علاقے میں آیا تھا۔ فاروقی کے کاروبار اور رہائش کے بارے میں بھی وہ جو کچھ جانتا تھا وہ پوچھ لیا، پھر میں اسے رخصت کرنے کے لئے گھر سے باہر نکل آیا۔

"میں چلا جاؤں گا وکیل انکل۔ آپ خواہ مخواہ تکلیف نہ کریں۔" اس نے بے تکلفی سے کہا۔

"میں چاہتا ہوں تم بہ حفاظت اپنے گھر پہنچو۔" میں نے کہا۔ "اس وقت رات کا ایک بج رہا ہے۔"

میری رہائش کے نزدیک ہی اسٹریٹ کے آخری سرے پر ایک دو ٹیکسی والے کھڑے رہتے تھے۔ وہ مجھے اچھی طرح جانتے تھے۔ آدھی رات کے بعد شعیب کو اکیلے بھیجنا مجھے ٹھیک نہیں لگا۔ میں نے سوچا، اسے کسی جاننے والے کی ٹیکسی میں بٹھا دیتا ہوں تاکہ وہ صحیح سلامت گھر پہنچ جائے۔

شعیب میرے ساتھ قدم بڑھانے لگا تو میں نے کہا۔ "آج کل تم فارغ ہو۔ میرا مشورہ ہے، زیادہ وقت گھر کے اندر ہی گزارا کرو۔ تم نے اپنی سوتیلی ماں کے بارے میں جو کچھ بتایا ہے وہ خاصا تشویش ناک ہے۔ تمہیں اپنی چھوٹی بہن کا خیال رکھنا چاہئے۔"

"آپ ٹھیک کہتے ہیں وکیل انکل!" وہ پُرسوچ انداز میں بولا اور چند لمحے خاموش رہنے کے بعد اس نے کہا۔ "انکل! مجھے لگتا ہے، اس فاروقی بدمعاش نے ابو پر کوئی کالا عمل کروا دیا ہے، کوئی بندش وغیرہ۔"

"یہ خیال تمہارے ذہن میں کیوں آیا؟" میں نے چونکتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

وہ سمجھانے والے انداز میں بولا۔ "اب دیکھیں نا! فاروقی کا کہنا ہے اس نے کسی پٹھان سے دس فی صد ماہانہ مارک اپ پر پانچ لاکھ کا قرضہ لے رکھا تھا، یعنی پچاس ہزار روپے ماہانہ سود پر۔ ٹھیک ہے اس نے یہ رقم ابو کو یک مشت نہیں دی اور نہ ہی پٹھان سے ایک ساتھ لی ہوگی۔ اگر ہم پانچ سال کی مدت کو انتہائی مختصر کر کے دو سال میں بھی بدل دیں تو سود کی رقم آسمان سے باتیں کرنے لگے گی۔ پچاس ہزار ماہانہ کا مطلب ہے چھ لاکھ سالانہ اور...... دو سال کا سود بنا پورے بارہ لاکھ روپے! یہ تو سمجھ میں آنے والی بات نہیں۔ فاروقی اتنا بڑا نقصان کیسے برداشت کر سکتا ہے؟ یقینی طور پر اس نے کہیں سے کوئی قرض نہیں لے رکھا تھا۔ اس نے ابو کو جو پانچ لاکھ دیئے، وہ اس کی اپنی رقم تھی اور یہ ڈرامہ رچا کر اس نے

ہمارا شاندار بنگلا بکوا دیا۔ کیا سود والی یہ بات آپ کی سمجھ میں بیٹھ رہی ہے انکل؟"

"نہیں......" میں نے نفی میں گردن ہلائی۔ "مجھے بھی یہ فاروقی کا کوئی ڈراما ہی لگتا ہے۔ مگر تم نے جو بندش اور کالے عمل والی بات کی ہے اس کی وضاحت نہیں ہو سکی۔"

وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔ "وکیل انکل! میں دراصل یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اتنی موٹی سی اور سامنے کی بات ابو کی عقل میں کیوں نہیں اترتی؟ وہ میری بات سننے کو تیار نہیں ہیں اور مسلسل فاروقی کی حمایت پر کمر بستہ ہیں۔ فاروقی کا جادو کیوں ان کے سر چڑھ کر بول رہا ہے؟"

"تم فی الحال کالے جادو، سفلی اور بندش وغیرہ کے چکر میں نہ پڑو۔" میں نے بڑی نرمی سے اسے سمجھایا۔ "ان کی کوئی حقیقت، اہمیت یا حیثیت نہیں۔ بات دراصل یہ ہے کہ فاروقی نے اپنی چرب زبانی اور مکاری کے بل بوتے پر تمہارے ابو کو اُلو بنا رکھا ہے۔ بہرحال سب ٹھیک ہو جائے گا۔ فاروقی جیسے کائیاں لوگ سفلی اور بندش کے چکروں میں نہیں پڑتے۔ انہیں زبان کا استعمال آتا ہے۔ وہ اپنی باتوں سے اس طرح دوسروں کو متاثر کرتے ہیں کہ لگتا ہے انہوں نے جیسے کوئی سحر پھونک دیا ہو۔ تمہارے ابو کو اس عیار شخص کے چنگل سے نکالنے کے لئے بڑی حکمت عملی سے کام لینا ہوگا!"

وہ بڑے معنی خیز انداز میں گردن ہلاتے ہوئے ٹیکسی میں بیٹھا اور رخصت ہو گیا۔ میں اس کے اور اس کے حالات پر غور کرتے ہوئے اپنے گھر کی طرف لوٹ آیا۔

☆☆☆

مجھے توقع تو یہی تھی کہ شعیب اگلے روز اپنے ماموں کو میرے دفتر بھیج دے گا لیکن ایسا کچھ نہیں ہوا۔ دو چار دن بعد میں اس کو اور اس کے معاملے کو بھول گیا۔ اپنی پیشہ ورانہ مصروفیات میں نان ایشو معاملات کو یاد رکھنا میرے لئے بہت مشکل ہو جاتا ہے۔

اس واقعے کے دس روز بعد جب میں اپنے دفتر میں موجود تھا تو میری سیکرٹری نے مجھے بتایا کہ کوئی جہانگیر صاحب مجھ سے ملنے آئے ہیں۔ اس وقت میں فارغ ہی تھا لہٰذا سیکرٹری سے کہا۔ "ٹھیک ہے، انہیں اندر بھیج دو۔"

وہ چالیس سال کا ایک فربہ شخص تھا۔ گھنی مونچھیں، سر درمیان سے صاف اور صورت شکل میں عام سا۔ وہ خاصا گھبرایا ہوا اور پریشان دکھائی دیتا تھا۔ میرے اشارے پر جب وہ کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا تو میں نے سوالیہ نظر سے اسے دیکھتے ہوئے پیشہ ورانہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"جی جہانگیر صاحب! فرمایئے میں آپ کی کیا خدمت کرسکتا ہوں؟"

کچھ فرمانے کی بجائے اس نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا اور ایک وزیٹنگ کارڈ نکال کر میری طرف بڑھا دیا۔ دیکھنے سے پہلے ہی میں نے پہچان لیا، وہ میرا ہی تعارفی کارڈ تھا۔ میں نے وہ کارڈ جہانگیر سے لے لیا اور ایک مرتبہ پھر سوالیہ نظر سے اسے دیکھا۔

وہ بولا۔ "وکیل صاحب! چند روز پہلے میرے بھانجے نے یہ کارڈ مجھے دیتے ہوئے آپ سے ملنے کو کہا تھا۔ لیکن افسوس کہ مجھے دیر ہوگئی۔ مجھے اسی روز شعیب کی بات مان لینا چاہئے تھی۔"

شعیب کا نام سن کر میرے ذہن میں وہ واقعہ تازہ ہوگیا جب ایک پستہ قامت نوجوان آدھی رات کے بعد میرے بنگلے میں کودا تھا۔ اس کے ساتھ ہی شعیب کو پیش آمدہ حالات بھی میری یادداشت سے گزرے اور یہ بھی یاد آگیا کہ میں نے شعیب سے کہا تھا، وہ اپنے ماموں جہانگیر کو میرے پاس بھیجے اور اس وقت یہی جہانگیر میرے سامنے بیٹھا تھا۔

میں نے کہا۔ "کوئی بات نہیں ...... دیر آید درست آید...... آپ کے بھانجے نے مجھے بتایا تھا، کسی فاروقی نے اسے بہت تنگ کر رکھا ہے۔ باپ اس کی بات پر یقین کرنے کو تیار نہیں......"

"وکیل صاحب! یہ قصہ تو بہت پرانا ہو چکا۔" جہانگیر قطع کلامی کرتے ہوئے بولا۔

میں نے استفساریہ نظر سے اسے دیکھا اور کہا۔ "نیا قصہ کیا ہے؟"

"شعیب اس وقت تھانے میں بند ہے!"

"اوہ......" میں ایک گہری سانس لے کر رہ گیا۔ "کس جرم میں اسے بند کیا گیا ہے؟"

جہانگیر کے انکشاف نے مجھے وقتی طور پر پریشان کر دیا تھا۔ میرے سوال کے جواب میں اس نے بتایا۔ "شعیب پر قتل کا الزام ہے!"

"فاروقی کے قتل کا؟" بے ساختہ میرے منہ سے نکلا۔

"فاروقی نہیں، اس کی ایجنٹ کے قتل کا۔"

"ایجنٹ؟" میں نے الجھن زدہ نظر سے جہانگیر کو دیکھا۔

اس نے بتایا۔ "میں شکیلہ کی بات کر رہا ہوں ...... باسط کی نئی بیوی!"

میرے استفسار پر جہانگیر نے مجھے آگاہ کیا کہ آج دوپہر کو شکیلہ اپنے بیڈ روم میں مردہ پائی گئی تھی۔ فوزیہ سکول سے گھر پہنچی تو شکیلہ کی افراتفری شدہ لاش دیکھ کر بھونچکا رہ گئی۔ فوری طور پر اس کی سمجھ میں یہی آیا کہ وہ اپنے باپ کو فون کرے۔ چنانچہ اس نے باسط کی

دکان پر فون کیا۔ تھوڑی دیر بعد باسط اپنے فلیٹ پر تھا۔ اس کے بعد ہی پولیس کو اطلاع دی گئی۔ پھر پانچ بجے کے قریب پولیس نے شعیب کو شکیلہ کے قتل کے الزام میں گرفتار کر لیا۔ اس وقت وہ متعلقہ تھانے میں بند تھا۔ کل صبح اسے عدالت میں پیش کیا جانے والا تھا۔

"میں ابھی تھانے میں اس سے مل کر ہی آ رہا ہوں۔" جہانگیر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "اس کا اصرار ہے کہ میں آپ کو اس واقعے کے بارے میں بتا دوں، پھر آپ معاملے کو سنبھال لیں گے۔ اس کا دعویٰ ہے کہ وہ کسی قتل میں ملوث نہیں لہٰذا آپ اسے باعزت بری کروا لیں گے ...... اور میں آپ کے پاس آ گیا ہوں۔" اس نے تھوڑا رک کر امید بھری نظر سے مجھے دیکھا اور بات کو آگے بڑھاتے ہوئے بولا۔

"وکیل صاحب! باسط تو اس قابل نہیں کہ اس کے معاملات میں کودا جائے لیکن بھانجے کا رشتہ مجبور کرتا ہے۔ شگفتہ میری اکلوتی بہن تھی اور وہ بڑی کسمپرسی میں مری ہے۔ میں شعیب اور فوزیہ کی طرف سے بہت پریشان ہوں۔ ویسے ایک بات بتاؤں!" اس نے عجیب سی نظر سے مجھے دیکھا پھر زہریلے انداز میں بولا۔

"اچھا ہوا، شکیلہ مر گئی ...... اس کا زندہ رہنا بہت سے زندوں کے لئے خطرناک تھا۔"

میں نے کہا۔ "وہ محض مر نہیں گئی بلکہ اسے قتل کیا گیا ہے اور الزام آپ کے بھانجے پر آ رہا ہے، گویا وہ جاتے جاتے بھی ایک کو تو لپیٹ ہی گئی۔"

وہ یک دم بے حد گھبراہٹ کا شکار نظر آنے لگا۔ "بیگ صاحب! آپ شعیب کے کیس کو اپنے ہاتھ میں لے لیں ...... میں آپ کی فیس اور دیگر اخراجات اٹھانے کو تیار ہوں۔ میرا بھانجا بے گناہ ہے اور اس کی بے گناہی کو آپ ہی ثابت کر سکتے ہیں۔"

"میں آپ کے جذبات کو سمجھ رہا ہوں جہانگیر صاحب!" میں نے رسانیت سے کہا۔ "لیکن اس معاملے میں ایک پیچیدگی ہے۔"

اس نے سوالیہ نظر سے مجھے دیکھا۔ میں نے اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

"شعیب کا باپ زندہ اور موجود ہے۔ جب تک وہ اپنے بیٹے کی حمایت سے ہاتھ نہیں کھینچ لیتا، کسی اور کا اس معاملے میں کودنا سمجھ میں نہیں آتا۔ باسط کی بیوی قتل ہوئی ہے اور الزام اس کے بیٹے پر ہے۔ وہ بے چارہ اس وقت بڑی مشکل میں گرفتار ہے۔ اس کے لئے یہ فیصلہ کرنا آسان نہیں ہوگا کہ مدعی بن کر بیٹے کو سزا دلوائے یا بیوی کے قتل کو بھول کر بیٹے کو بچائے۔ میرا خیال ہے آپ باسط سے بات کریں، بلکہ اسے میرے دفتر ہی میں لے آئیں۔ میں بھی اسے سمجھانے کی کوشش کروں گا۔ اگر وہ اپنا پورا زور شعیب کو چھڑانے پر لگا دے تو

ہمارے لئے کافی آسانی پیدا ہو جائے گی۔"

"میں تو اس کم ظرف کے منہ نہیں لگوں گا۔" وہ برا سا منہ بناتے ہوئے بولا۔

جہانگیر کا اشارہ عبدالباسط کی طرف تھا۔ میں نے کہا۔ "پھر تو معاملہ الجھ جائے گا۔"

اس نے کہا۔ "کیا ایسا ممکن نہیں کہ میں پس پردہ رہ کر آپ کے ذریعے شعیب کی رہائی کے لئے کوشش کروں؟"

"ہاں ...... ایسا ممکن ہے۔" میں نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "بلکہ آپ کے لئے یہی مناسب ہوگا کہ آپ "بی ہائنڈ دی سین" رہیں۔ میں شعیب کی وکالت کے لئے ایک راہ نکالتا ہوں لیکن اس سے بھی پہلے زیادہ ضروری یہ ہے کہ میں تھانے جا کر شعیب سے ایک بھرپور ملاقات کروں۔"

"ٹھیک ہے ...... میں آپ کے ساتھ متعلقہ تھانے جانے کو تیار ہوں۔" جہانگیر نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ "لیکن آپ نے اس راہ کے بارے میں کچھ نہیں بتایا جس پر قدم رکھ کر آپ شعیب کی وکالت کریں گے؟"

میں نے بتایا۔ "شعیب ایک عاقل و بالغ لڑکا ہے۔ پچھلے سال اس کا قومی شناختی کارڈ بھی بن چکا ہے۔ وہ ہر قسم کے قانونی معاملات کو بذاتِ خود ڈیل کر سکتا ہے۔ وہ مجھے اپنا وکیل مقرر کر دے تو پھر سارے مسئلے ہی حل ہو جائیں گے اور وہ ایسا کرنے کا قانونی حق رکھتا ہے۔ اس اقدام کے لئے اسے کسی سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں۔"

"یہی زیادہ مناسب رہے گا وکیل صاحب!" جہانگیر نے تائیدی لہجے میں کہا۔ "میں تو صرف یہ چاہتا ہوں شعیب اس وبال سے نکل آئے چاہے میں پیش پردہ رہوں یا پس پردہ۔ میں آپ کی فیس سمیت تمام عدالتی اخراجات برداشت کرنے کو تیار ہوں۔"

میں نے اپنے ذہن میں ایک لائحہ عمل ترتیب دیتے ہوئے کہا۔ "ٹھیک ہے ...... آپ کو تھوڑی دیر ویٹنگ روم میں بیٹھنا ہوگا۔ میں دفتر سے فارغ ہونے کے بعد آپ کے ساتھ تھانے چلتا ہوں۔ اگر عبدالباسط سے بھی ملاقات ہو جاتی ہے تو یہ اور بھی اچھا ہوگا، ذرا اس کے موڈ مزاج کا بھی پتہ چل جائے گا۔"

وہ ناپسندیدہ لہجے میں بولا۔ "اگر باسط اکیلا ملا تو ہی اس سے بات ہو سکے گی۔ وہ کسی ناپاک حیوان کی اولاد فاروقی کسی دُم چھلّے کی طرح ہر وقت اس کے ساتھ بندھا رہتا ہے۔"

وہ ایک لمحے کو رکا پھر تلخ الفاظ میں بتانے لگا۔ "جب آج دوپہر میں، فوزیہ نے باسط کو فون کر کے شکیلہ کے قتل کے بارے میں بتایا تو اس وقت بھی فاروقی، باسط کی دُکان پر موجود

تھا۔ پھر وہ اس کے ساتھ ہی گھر بھی چلا آیا۔ یہ بات شعیب کی زبانی مجھے معلوم ہوئی ہے۔"

"ٹھیک ہے ...... اس فاروقی کا بھی کوئی بندوبست کرنا ہی ہوگا۔" میں نے پُر معنی انداز میں کہا۔

جہانگیر میرے چیمبر سے اٹھا اور ویٹنگ روم کی طرف بڑھ گیا۔

ٹھیک نو بجے رات ہم متعلقہ تھانے پہنچ گئے۔ جہانگیر اپنی موٹر سائیکل پر میری گاڑی کے ساتھ ساتھ آیا تھا۔ میں چند ضروری کاغذات بھی ساتھ رکھ لایا تھا جن پر شعیب کے دستخط کی ضرورت پیش آ سکتی تھی۔

یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ میں نے شعیب کے ساتھ تھوڑا وقت گزارنے کے لئے کون کون سے فارمولے آزما کر پولیس والوں کو رام کیا۔ یہ تذکرہ بارہا کیا جا چکا ہے۔ آدھے گھنٹے کے بعد جب میں تھانے سے نکلا تو نہ صرف ضروری کاغذات پر شعیب کے دستخط لے چکا تھا بلکہ اس واقعے کے بارے میں بھی مجھے اچھی خاصی معلومات حاصل ہو چکی تھیں۔ میں نے شعیب پر واضح کرتے ہوئے کہا۔

"مجھے امید تو نہیں کہ تمہارا باپ تمہیں کسی قسم کی سزا دلوانے کے لئے کوئی چارہ جوئی کرے۔ لیکن اگر اس نے مقتولہ بیوی کی محبت کے جوش میں ایسا کوئی قدم اٹھایا بھی تو تم گھبرانا نہیں ...... جہانگیر ماموں تمہاری پشت پناہی پر کمربستہ ہیں۔ ان شاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

اس نے اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے جواب دیا تھا۔ "میں جانتا ہوں، ماموں کو ہمارا بڑا خیال ہے۔"

"ہمارا" سے اس کی مراد شعیب اور فوزیہ تھی!

آئندہ روز پولیس نے ریمانڈ کے حصول کے لئے شعیب کو عدالت میں پیش کیا۔ میں ضروری تیاری کے ساتھ وہاں موجود تھا۔ میں نے یہ ظاہر نہیں ہونے دیا کہ میرا خرچہ جہانگیر اٹھا رہا ہے۔ بہرحال عبدالباسط نے معقولیت دکھائی اور میری وکالت پر کوئی اعتراض نہ کیا۔ وہ بہت ہی اعصاب زدہ اور خستہ حال دکھائی دیتا تھا۔ میں نے محسوس کیا وہ بھی اس بات کا خواہاں تھا کہ کسی طرح شعیب کو اس معاملے سے نجات مل جائے اور یہ اس کا عین فطری ردِعمل تھا۔ اس کی تسلی کے لئے میں نے کہہ دیا۔

"میں شعیب کے ایک انتہائی گہرے دوست کا انکل ہوں اور کم سے کم فیس پر یہ کیس لڑنے کو تیار ہوا ہوں۔"

اس نے کئی مرتبہ میرا شکریہ ادا کیا۔ میں نے اِدھر اُدھر سے سن گن لے کر فاروقی کے بارے میں معلوم کرنے کی کوشش کی اور مجھے پتہ چلا کہ وہ اس روز عدالت میں موجود نہیں تھا۔ میں نے عبدالباسط سے فیس والی بات محض اس لئے کہی تھی کہ اسے کسی قسم کا شک نہ ہو ورنہ میں نے سوچا تھا وہ تھوڑی بہت رقم بعد میں اسے لوٹا دوں گا۔

اس روز میں نے شعیب کی ضمانت کروانے کے لئے بہت زور مارا لیکن مجھے اس مقصد میں کامیابی حاصل نہ ہو سکی۔ قتل کے ملزم کی ضمانت آسانی سے نہیں ہوتی۔ عدالت نے سات دن کے ریمانڈ پر ملزم شعیب کو پولیس کی تحویل میں دے دیا۔

آگے بڑھنے سے پہلے میں اس کیس کے بارے میں آپ کو اہم باتیں بتاتا چلوں تاکہ عدالتی کارروائی کے دوران میں آپ کا ذہن کسی الجھن کا شکار نہ ہو۔ ریمانڈ کی مدت پوری ہونے کے بعد پولیس نے عدالت میں چالان پیش کر دیا۔ ابتدائی کارروائی ٹیکنیکل اور بور قسم کی تھی لہٰذا میں اس کا ذکر گول کرتا ہوں۔

یہاں پر میں پوسٹ مارٹم کی رپورٹ اور استغاثہ کا ذکر بھی ضرور کروں گا۔ مقتولہ شکیلہ کی پوسٹ مارٹم رپورٹ کے مطابق اس کی موت اٹھائیس اکتوبر کی دوپہر گیارہ اور بارہ بجے کے درمیان واقع ہوئی تھی۔ موت کا سبب دم گھٹنا بتایا گیا تھا۔ مقتولہ کی گردن کو اتنی شدت سے دبایا گیا کہ سانس کی آمد و شد کا سلسلہ موقوف ہو کر رہ گیا۔ ازیں علاوہ مقتولہ کا چہرہ بری طرح زخمی ملا تھا۔ یہ زخم کسی تیز دھار آلے کی مدد سے لگائے گئے تھے۔ تعداد میں وہ کم و بیش آٹھ کٹ تھے۔ زخموں کے انداز سے ظاہر ہوتا تھا، قاتل مقتولہ کے لئے اپنے دل میں شدید نفرت رکھتا تھا۔ رپورٹ میں واضح تھا کہ مقتولہ کے چہرے کو اس کی موت کے بعد بگاڑا گیا تھا۔

واقعاتی شہادتیں جائے وقوعہ پر اچھی خاصی افراتفری کی نشاندہی کرتی تھیں۔ مذکورہ بیڈ روم میں ابتری کے آثار تھے۔ یوں محسوس ہوتا تھا، وہاں عظیم الشان دھماچوکڑی ڈالی گئی ہو۔ مقتولہ کا لباس بھی جگہ جگہ سے پھٹا ہوا ملا تھا جیسے اس نے خود کو بچانے کے لئے شدید چارہ جوئی کی ہو اور اسی تگ و دو میں اس کا لباس پھٹتا چلا گیا۔ استغاثہ کے مطابق ملزم مقتولہ سے بے حد نفرت کرتا تھا جیسا کہ عام طور پر جوان اولاد سوتیلی ماؤں سے کرتی ہے۔ شکیلہ کے اس گھر میں آنے کے بعد باپ بچوں سے دور ہو گیا تھا اور یہ بالکل فطری بات تھی۔ عبدالباسط اپنی نئی نویلی دلہن کے ساتھ مصروف ہوا تو بچوں کو اس سے شکایات پیدا ہو گئیں۔ انہیں یوں محسوس ہوا سوتیلی ماں نے ان کا باپ چھین لیا ہو!

جوانی میں خون کن پٹیوں پر ٹھوکریں مارتا ہے اور شعیب جوان ہونے کے ساتھ خاصا جوشیلا اور جذباتی بھی واقع ہوا تھا۔ وہ مقتولہ کو اپنا دشمن نمبر ون سمجھنے لگا۔ ان کے درمیان اٹھتے بیٹھتے جھڑپیں ہونے لگیں اور ایک موقع پر ملزم نے طیش میں آکر مقتولہ پر چاقو بھی تان لیا تھا اور کوئی خطرناک دھمکی بھی دی تھی۔ ملزم کو زیادہ غصہ اور افسوس اس بات کا تھا کہ اس سرد و گرم جنگ میں باپ اپنی بیوی یعنی ملزم کی سوتیلی ماں کی حمایت کرتا تھا۔

استغاثہ کے مطابق جب ملزم کو یہ یقین ہو گیا کہ سوتیلی ماں کے خلاف باپ اس کی ایک نہیں سنے گا تو اس نے مقتولہ سے ایک بھیانک انتقام لینے کا منصوبہ بنایا۔ وہ موقع کی تاک میں رہا اور بالآخر اٹھائیس اکتوبر کی دوپہر اسے یہ موقع ہاتھ لگ گیا۔

بیکار ہونے کے بعد عبدالباسط بے بس نہیں رہا تھا۔ جب گاڑی بک گئی تو وہ بسوں اور ویگنوں میں سفر کرنے پر مجبور ہو گیا۔ وہ گھر سے دکان جانے کے لئے بھی بس وغیرہ ہی استعمال کرتا تھا لہٰذا تھوڑا جلدی ہی نکلتا۔ وقوعہ کے روز وہ لگ بھگ دس بجے گھر سے روانہ ہوا۔ اس سے پہلے فوزیہ اسکول جا چکی تھی۔ باسط کے جانے کے بعد ملزم اور مقتولہ گھر میں رہ گئے۔ ملزم ان دنوں فارغ تھا اور ناشتہ کر کے آوارہ گردی کے لئے نکل جاتا تھا۔ باپ اور بیٹے میں اٹھ کھڑے ہونے والے سنگین اختلافات کے باعث دونوں میں برائے نام بات چیت رہ گئی تھی لہٰذا باسط ملزم کے صبح سے گئے اور آدھی رات کو واپس آنے پر کوئی اعتراض نہیں کرتا تھا۔ جب ملزم رات گئے لوٹتا تو فوزیہ اس کے لئے دروازہ کھول دیتی۔ دونوں بہن بھائیوں میں ایکا تھا۔

استغاثہ کے مطابق وقوعہ کے روز یعنی اٹھائیس اکتوبر کو ملزم خلافِ معمول ناشتے کے بعد گھر سے روانہ نہیں ہوا اور اپنے کمرے میں موجود رہا۔ اس فلیٹ میں تین بیڈ روم تھے۔ ایک باسط اینڈ کمپنی کے قبضے میں تھا اور باقی دو دونوں بہن بھائی کے استعمال میں تھے۔ ڈرائنگ روم کو سب مل جل کر استعمال کرتے تھے جیسا کہ عام طور پر گھروں میں ہوتا ہے۔

وقوعہ کے روز ملزم اپنے باپ کے جانے کا انتظار کرتا رہا اور جب اسے یقین ہو گیا کہ عبدالباسط اپنی دکان پر پہنچ گیا ہوگا تو وہ اپنے بیڈ روم سے نکل کر مقتولہ کے بیڈ روم میں پہنچ گیا۔ آج وہ مقتولہ کو کسی عبرت ناک انجام سے دوچار کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ استغاثہ نے تو یہاں تک دعویٰ کیا تھا کہ اس روز ملزم اپنی سوتیلی ماں پر مجرمانہ حملے کا منصوبہ بنا کر اس کے بیڈ روم میں گھسا تھا لیکن مقتولہ نے بھرپور جدوجہد کے بعد اس کی مذموم کوشش ناکام بنا دی۔ اسی مدافعت اور مزاحمت میں اس کا لباس بھی پھٹتا چلا گیا۔ ملزم نے جب دیکھا کہ

مقتولہ کسی بھی طور زیر ہونے کا نام نہیں لے رہی تو اس کا جنون نقطۂ عروج پر پہنچ گیا۔ اپنے مقصد میں ناکامی نے اسے ایک ہیجان، ایک وحشت میں مبتلا کر دیا تھا۔ اس کی سمجھ میں اور کچھ نہ آیا تو اس نے اسی جنونی کیفیت میں مقتولہ کا گلا دبا کر اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اس بربریت پر بھی اس کے انتقام کی آگ ٹھنڈی نہ ہوئی اور اس نے مزید درندگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے مقتولہ کے چہرے پر کسی تیز دھار آلے کے کٹ لگا کر اس کا حلیہ بگاڑ دیا۔ ازاں بعد ملزم کے بیڈروم سے وہ خون آلود چاقو بھی برآمد کر لیا گیا جس کی مدد سے ملزم نے مقتولہ کے چہرے کی بے حرمتی کی تھی۔

یہ استغاثہ کی رپورٹ تھی اور ظاہر ہے، جانبدارانہ تھی۔ اس دعوے میں میرے موکل کو پھانسی پر لٹکانے کا مکمل مسالہ موجود تھا اور مجھے ان حالات میں ملزم شعیب کو اس طرح بچانا تھا جیسے نہایت ہی صفائی کے ساتھ مکھن کے اندر سے بال کو کھینچ کر باہر نکالا جاتا ہے!

ایک بات کا میں ذکر کرنا بھول گیا اور وہ یہ کہ پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کے مطابق مقتولہ کسی قسم کے مجرمانہ حملے کا شکار ہونے سے محفوظ رہی تھی اور یہ پوائنٹ کسی حد تک میرے موکل کی حمایت میں جاتا تھا!

✲☆✲

منظر اسی عدالت کا تھا...... ایکیوزڈ باکس میں میرا موکل سر جھکائے کھڑا تھا۔ اس کا زندگی میں پہلی مرتبہ پولیس اور عدالت سے واسطہ پڑا تھا لیکن میں نے محسوس کیا، شعیب خاصا اولوالعزم لڑکا تھا، اس پر میرے ہمت بندھانے نے اسے اور بھی مضبوط اور پُرسکون بنا دیا تھا۔ پھر ایک شے ہوتی ہے یقین۔ شعیب کو اپنی بے گناہی کا ایک سو ایک فی صد یقین تھا اور اس کے سکون و اعتماد کا سب سے بڑا سبب بھی یہی تھا۔

عدالت کی باقاعدہ کارروائی کا آغاز ہوا۔ جج نے فردِ جرم پڑھ کر سنائی اور ملزم نے صحت جرم سے انکار کر دیا۔ اس کے بعد ملزم کا طویل بیان ریکارڈ کیا گیا جس میں اس نے اپنے خاندانی پس منظر، والدہ کی طویل بیماری کے بعد موت، انکل فاروقی کا گھناؤنا کردار، مقتولہ کی اس گھر میں آمد اور باپ کے بدلتے ہوئے رویوں کا تذکرہ کیا۔ ایک طرح سے اس نے اس کیس کے بیک گراؤنڈ کو اجاگر کر کے خود کو بے گناہ ثابت کرنے کی کوشش کی تھی۔

ملزم کا بیان ریکارڈ ہو چکا تو وکیل استغاثہ اپنی جگہ سے ہلا اور جج سے اجازت حاصل کرنے کے بعد ملزم والے کٹہرے کے پاس آ گیا۔ وہ چند لمحات تک خاموشی سے اس کی آنکھوں میں دیکھتا رہا پھر سنسناتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

”کیا یہ سچ ہے کہ تم اپنی سوتیلی ماں یعنی شکیلہ سے شدید نفرت کرتے تھے؟“

”ہاں ...... یہ سچ ہے۔“ ملزم نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔ ”اور میں نے اس نفرت کے محرکات کا تفصیلی ذکر بھی کیا ہے۔ وہ عورت جن حالات میں ہم پر مسلط کی گئی تھی اس کے نتیجے میں ہم اس سے محبت کر ہی نہیں سکتے تھے۔“

”ہم سے تمہاری کیا مراد ہے؟“ وکیل استغاثہ نے تیز لہجے میں سوال کیا۔

”میں اور میری بہن فوزیہ۔“ ملزم نے جواب دیا۔

”کیا تمہاری بہن فوزیہ بھی مقتولہ سے اتنی ہی نفرت کرتی تھی؟“

”ڈیفینیٹلی۔“

وکیل استغاثہ نے پوچھا۔ ”کیا تمہاری بہن اس نفرت کا اظہار بھی کیا کرتی تھی؟“

”فوزیہ ایک خاموش طبع لڑکی ہے۔“ ملزم نے بتایا۔ ”وہ ڈھکے چھپے انداز میں اپنی ناپسندیدگی ظاہر کرتی رہتی تھی مگر اس عورت کے سامنے آ کر کبھی اس نے ایک لفظ منہ سے نہیں نکالا۔“

”اور اس کی کسر تم نے پوری کر دی۔“ وکیل استغاثہ نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا پھر وہ اس میز کی طرف بڑھ گیا جہاں سیلوفین بیگ میں ایک تیز دھار خون آلود چاقو رکھا تھا۔ چاقو کی دھار اور پھل پر موجود خون سوکھ کر سیاہ رنگت اختیار کر چکا تھا۔

وکیل استغاثہ نے مذکورہ بیگ اٹھا لیا اور واپس ملزم کے پاس آ گیا، پھر سیلوفین بیگ کو میرے موکل کی آنکھوں کے سامنے جھلاتے ہوئے پوچھا۔ ”کیا تم اس چاقو کو پہچانتے ہو؟“

”جی ہاں ...... یہ میرا چاقو ہے۔“ ملزم نے کسی قسم کی گھبراہٹ ظاہر کیے بغیر جواب دیا۔

”چاقو کو پہچان لیا ہے تو یہ بھی بتا دو، اس کی دھار پر جما ہوا خون کس کا ہے؟“

”میں نہیں جانتا......“ ملزم نے کندھے اچکائے۔ ”سنا ہے اس چاقو کی مدد سے اس عورت کے چہرے کو بنانے سنوارنے کی کوشش کی گئی تھی لہٰذا یہ خون اسی کا ہوگا۔“ بات کے اختتام تک اس کا لہجہ انتہائی کڑوا ہو گیا تھا۔

وکیل استغاثہ نے گھور کر اسے دیکھا اور معنی خیز انداز میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ ”تم نے بالکل درست سنا ہے۔ چاقو کے پھل پر خشک ہو جانے والا یہ خون واقعی اسی عورت کا ہے جو تمہاری سوتیلی ماں اور اس کیس میں مقتولہ کی حیثیت رکھتی ہے اور یہ تصدیق میں نہیں کر رہا بلکہ چاقو کے لیبارٹری ٹیسٹ نے اس حقیقت کو آشکار کیا ہے اور اس کے ساتھ ہی یہ بھی پتہ چلا ہے کہ فنگر پرنٹس ٹیسٹ کے مطابق اس چاقو کے دستے پر تمہاری انگلیوں کے نشانات

پائے گئے ہیں۔''
وکیل استغاثہ اتنا کہہ کر رکا اور ملزم کے کسی شدید ردِعمل کا انتظار کرنے لگا لیکن میرے موکل نے انتہائی بے پروایانہ انداز میں کہا۔
''ظاہر ہے...... یہ میرا چاقو ہے اور اس کے دستے پر میری ہی انگلیوں کے نشانات ہونا چاہئیں۔''
''پولیس نے یہ چاقو تمہارے بیڈ روم سے برآمد کیا ہے۔''
''میں ایک بار پھر یہی کہوں گا، میرے چاقو کو میرے بیڈ روم ہی سے برآمد ہونا چاہئے۔''
ملزم کے اس غیر متزلزل اور جاندار انداز نے وکیل استغاثہ کے چہرے پر جھینپ کے آثار پیدا کر دیئے۔ اگلے ہی لمحے یہ جھینپ غصے میں بدل گئی اور اس نے قدرے ترش لہجے میں دریافت کیا۔
''کیا تم اس بات سے انکار کرو گے کہ وقوعہ سے دو روز قبل یعنی چھبیس اکتوبر کی رات کو مقتولہ سے تمہارا شدید جھگڑا ہوا تھا اور تم نے طیش میں آ کر چاقو نکال لیا تھا؟''
''ہاں، یہ واقعہ پیش آیا تھا۔''
''تم نے یہی چاقو اپنی سوتیلی ماں پر تانا تھا نا؟''
''جی ہاں...... وہ یہی چاقو تھا۔''
''اور تمہیں یاد ہوگا، اس موقع پر تم نے مقتولہ کو ایک سنگین دھمکی بھی دی تھی؟''
''ہاں، اس وقت میں شدید غصے میں تھا۔'' ملزم نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''ابو اسی وقت گھر میں داخل ہوئے اور وہ جھگڑا رفع دفع ہو گیا۔''
''یعنی تم یہ کہنا چاہتے ہو اگر اس وقت تمہارا باپ موقع پر نہ پہنچتا تو تم اپنی دھمکی پر عمل کرنے میں ایک لمحے کی دیر نہ کرتے؟'' وکیل استغاثہ نے نکیلے انداز میں استفسار کیا۔
''میں اس بارے میں، وقت گزرنے کے بعد کچھ نہیں بتا سکتا۔''
''معزز عدالت کو اپنی سنگین دھمکی کے بارے میں تو بتا سکتے ہو؟'' وکیل استغاثہ نے طنزیہ نظر سے ملزم کو دیکھا۔
تھوڑے تامل اور تھوڑی ہچکچاہٹ کے بعد ملزم نے وکیل استغاثہ کی فرمائش پوری کر دی۔ مذکورہ رات کو میرے موکل نے مقتولہ کو مجرمانہ حملے اور جان سے مارنے کی دھمکی دی تھی۔ یہ اس کا ایک وقتی اشتعال تھا جو اس وقت استغاثہ کے خلاف استعمال کر رہا تھا۔ بہرحال یہاں

تک پہنچنے کے بعد وکیل استغاثہ نے سوال و جواب کا سلسلہ موقوف کر دیا۔
اپنی باری پر میں اپنے موکل کے قریب آیا اور پوچھا۔ ''ذرا سوچ کر بتاؤ وقوعہ کے روز تم کتنے بجے گھر سے نکلے تھے؟''
''اس میں سوچنے والی کون سی بات ہے؟'' وہ جلدی سے بولا۔ ''اس روز میں ٹھیک ساڑھے دس بجے گھر سے نکل گیا تھا۔''
''جب تم گھر سے رخصت ہوئے تو اس وقت گھر میں اور کون کون تھا؟''
''صرف وہی عورت!''
''تمہارا اشارہ مقتولہ کی جانب ہے؟''
''جی ہاں......'' اس نے اثبات میں گردن ہلا دی۔
میں نے پوچھا۔ ''مذکورہ روز تمہاری واپسی کتنے بجے ہوئی تھی؟''
''لگ بھگ پانچ بجے شام۔'' اس نے جواب دیا۔
''تم تو صبح کے گئے عموماً رات کو دیر سے گھر لوٹتے تھے۔'' میں نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔ ''اس دن تم جلدی کیوں واپس آ گئے؟''
ملزم نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں بتایا۔ ''دراصل میں اپنا چاقو لینے گھر آیا تھا۔ ہم تین دوستوں میں چھوٹے پرندوں کے شکار کا پروگرام بن گیا تھا۔ میرے ایک دوست کے پاس چھرّے والی بندوق ہے۔ دوسرے دوست نے کہا، پرندہ جب چھرّا کھا کر زمین پر گرتا ہے تو اسے فوراً ذبح کر لینا چاہئے۔ میں نے انہیں بتایا میرے پاس گھر میں ایک تیز دھار چاقو موجود ہے۔ انہوں نے کہا میں گھر سے وہ چاقو لے آؤں اور اسی مقصد کے لئے میں شام پانچ بجے گھر لوٹا تھا۔''
''کیا تم اپنے ان دو دوستوں کے نام معزز عدالت کے ریکارڈ پر لانا پسند کرو گے؟''
''وحید اور ابرار۔'' ملزم نے بتایا۔
میں نے پوچھا۔ ''ان میں سے چھرّے والی بندوق کس کے پاس ہے؟''
''وحید کے پاس۔'' اس نے جواب دیا۔
''ان دونوں کی رہائش کہاں ہے؟''
''وحید تو گلشن اقبال ہی میں رہتا ہے۔'' اس نے کہا۔ ''جب کہ ابرار کا گھر پی آئی بی کالونی میں ہے۔''
''کیا وہ دونوں تمہارے بیان کی تصدیق کے لئے عدالت میں آ جائیں گے؟''

''آئی ایم شیور۔''

''اوکے......'' میں نے ایک طویل سانس خارج کی اور کہا۔''اب تم اپنے شکار کے بارے میں بتاؤ۔ اس روز تم لوگوں نے کتنے معصوم پرندے پھڑکائے تھے؟''

یہ سوال میں نے جان بوجھ کر کیا تھا۔ حالانکہ میں حقیقت حال سے بہ خوبی آگاہ تھا۔ میرا ہمیشہ سے یہ انداز رہا ہے، کبھی مسئلے کو خود پر طاری نہ کرو اور یہی رویہ میں اپنے موکلین اور موکلات کے ساتھ بھی اپناتا ہوں۔ میں جرح کے دوران میں ان سے ہلکی پھلکی چھیڑ چھاڑ کرتا رہتا ہوں تاکہ وہ ذہنی طور پر ہشاش بشاش رہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ چھیڑ چھاڑ اور اٹکھیلیاں تفریح کے زمرے میں آتی ہیں اور تفریح بہرحال انسان کو ذہنی اور جسمانی تازگی سے سرفراز کرتی ہے۔ صحت مند دماغ کسی صحت مند جسم ہی میں رہ سکتا ہے اور دماغ کی صحت، روح کے توانا ہونے کی ضمانت ہے!

ملزم نے چونک کر مجھے دیکھا اور حیرت بھرے لہجے میں بولا۔''جناب! کیا بات کر رہے ہیں آپ...... شکار کی تو اس روز نوبت ہی نہیں آئی تھی، پھر کہاں کے پرندے اور کہاں کا انہیں پھڑکانا؟''

''کیوں بھئی؟'' میں نے اپنا انداز جاری رکھا۔''شکار کی نوبت کیوں نہیں آئی تھی؟''

''جناب! گھر میں قدم رکھنے سے پہلے ہی مجھے پولیس نے گھیر لیا تھا۔ وہ لوگ اپارٹمنٹس بلڈنگ کے نیچے ہی مورچہ لگائے کھڑے تھے۔''

''اوہ......'' میں نے تاسف بھرے انداز میں ایک گہری سانس لی۔''تمہاری تو ساری تفریح ہی غارت ہو کر رہ گئی ہو گی؟''

''اور نہیں تو کیا'' وہ بدمزہ سا منہ بناتے ہوئے بولا۔''اسی غارت گری کا نتیجہ ہے کہ میں اس وقت ایک ملزم کی حیثیت سے یہاں سر جھکائے کھڑا ہوں۔''

''ویری سیڈ!'' میں نے سرسری انداز میں کہا۔''ہم تھوڑا پیچھے چلتے ہیں۔ تم اچھی طرح سوچ سمجھ کر میرے سوالات کے جواب دینا۔''

وہ ہمہ تن گوش ہو کر بڑی سنجیدگی سے مجھے تکنے لگا۔

میں چند لمحے گہری نظر سے اسے دیکھتا رہا پھر کہا''جیسا کہ تھوڑی دیر پہلے معزز عدالت کے روبرو بیان کیا گیا ہے، وقوعہ سے صرف دو دن پہلے چھبیس اکتوبر کی رات مقتولہ سے تمہارا شدید نوعیت کا جھگڑا ہو گیا تھا۔ کیا تم بتا سکتے ہو یہ جھگڑا کتنے بجے ہوا تھا؟''

''ساڑھے چھ سے سات بجے کے درمیان۔''

''یعنی رات کے آغاز ہی میں۔ اکتوبر میں کم و بیش ساڑھے چھ بجے سورج غروب ہوتا ہے۔''

''آپ کا اندازہ درست ہے۔'' اس نے سادگی سے کہا۔

میں نے پوچھا۔''اس وقت تم دونوں کے علاوہ گھر میں اور کون موجود تھا؟''

''میری چھوٹی بہن فوزیہ۔''

''کیا فوزیہ نے تم دونوں کے بیچ نمٹاؤ یا سلجھاؤ کی کوئی کوشش کی؟''

''اس ہنگامے نے فوزیہ کو سہما دیا تھا'' میرے موکل نے بتایا۔''اس نے اپنے کمرے کا دروازہ بند کیا اور دبک کر بیٹھ گئی۔''

''غالباً تم لوگوں کا پھڈا عبدالباسط کی آمد پر ختم ہوا تھا۔''

''جی ہاں...... ابو نے آ کر وہ ہنگامہ بند کروایا تھا۔''

''تمہارے ابو اس وقت کہاں سے آئے تھے؟''

''اپنی دکان سے۔''

میں نے تھوڑا توقف کر کے معنی خیز نظر سے وکیل استغاثہ کو دیکھا اور دوبارہ ملزم کی جانب متوجہ ہوتے ہوئے جرح کے سلسلے کو جاری رکھا۔

''ملزم شعیب! معزز عدالت یہ جاننا چاہتی ہے کہ مذکورہ روز یعنی چھبیس اکتوبر کی رات...... بلکہ شام مقتولہ سے کس بات پر تمہارا جھگڑا ہوا تھا؟''

''میں نے اس عورت کی حرکتوں پر اسے سرزنش کی اور وہ میری بات سنتے ہی چراغ پا ہو گئی۔'' ملزم نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں بتایا۔''پھر ہمارے درمیان جھگڑا بڑھتا چلا گیا اور نتیجے کے طور پر میں نے طیش میں آ کر چاقو نکال لیا، غصے میں اسے وہ سنگین دھمکی دے ڈالی، تھوڑی دیر پہلے وکیل استغاثہ نے جس کا ذکر کیا ہے۔ سمجھ لیں وہ میرا وقتی اشتعال تھا۔ حقیقت میں، میں ایسا کوئی ارادہ نہیں رکھتا تھا۔''

میں نے اس کی مجرمانہ حملے والی سنگین دھمکی کا ذکر گول کر دیا اور ملزم سے پوچھا۔

''تم نے ابھی معزز عدالت کے روبرو بتایا ہے کہ اس جھگڑے کی وجہ مقتولہ کی ''حرکات'' تھیں جن کے بارے میں تم نے اس سے باز پرس کی تھی۔'' ذرا ان......''

میری بات مکمل ہونے سے پہلے ہی وہ بول اٹھا۔''ہاں، میرا پوچھنا ہی غضب ہو گیا تھا وہ چیخ کر بولی، تم کون ہوتے ہو مجھ پر نظر رکھنے والے۔ میں تمہاری نہیں تمہارے باپ کی بیوی ہوں۔ یہ سوال کرنے کا حق میرے شوہر کو ہے۔''

''ٹھیک ہے.....'' میں نے بڑی رسان سے کہا۔''اب ان حرکات کے بارے میں بھی بتا دو؟''

عدالتی کارروائی کے دوران میں انداز اور زاویے کی بڑی اہمیت ہوتی ہے۔ ہر وکیل اپنے مطلب اور فائدے کے نکات کو اجاگر کرتا ہے اور مخالفانہ و نقصان دہ امور کو تاریک کنوئیں میں ڈالنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ جو وکیل اس مقصد میں کامیاب ہو جاتا ہے سمجھیں وہی کیس کو جیت لیتا ہے۔ ہم دونوں نے ایک ہی ایشو پر جرح کی مگر وکیل استغاثہ نے مجرمانہ حملے والی دھمکی کو فلیش کیا کیونکہ اس سے استغاثہ کو تقویت ملتی اور میں مقتولہ کی ان حرکات کو کھول رہا تھا جو درحقیقت اس جھگڑے کا سبب بنی تھیں۔

ملزم نے میرے سوال کے جواب میں مقتولہ کا کچا چٹھا کھول کر بیان کر دیا۔ یہ صفحات من و عن اس تفصیل کے متحمل نہیں ہو سکتے لہٰذا عقل مند کے لئے اشارہ ہی کافی کے مصداق شعیب کی نظر میں شکیلہ کا کردار داغدار تھا۔ وہ اپنے شوہر سے بے وفائی کی مرتکب ہو رہی تھی۔

شعیب جب یہ سب بیان کر چکا تو میں نے سوال کیا۔''تمہارے والد نے اس روز تم دونوں کو ٹھنڈا کر کے معاملہ رفع دفع کرا دیا۔ اس کے بعد تم نے اس چاقو کا کیا، کیا؟''

''کرنا کیا تھا، میں نے اسے اپنے پاس رکھ لیا۔''

''کیا یہ چاقو ہر وقت تمہارے پاس رہتا ہے؟''

اس نے نفی میں گردن ہلائی اور قطعیت سے بولا۔''یہ چاقو میرے کمرے میں رکھا رہتا ہے۔''

''کمرے میں کس جگہ؟''

''بیڈ سائیڈ کی دراز میں۔''

''کیا مذکورہ روز بھی تم نے چاقو کو اسی دراز میں رکھا تھا؟''

اس نے اثبات میں جواب دیا۔

میں نے پوچھا۔''مذکورہ دراز میں کوئی لاک وغیرہ بھی لگا ہوا ہے؟''

''جی نہیں۔''

''تم گھر سے باہر جاتے وقت اپنے کمرے کو لاک کرتے ہو؟''

اس نے ایک مرتبہ پھر نفی میں جواب دیا۔

''اس کا مطلب ہے تمہاری غیر موجودگی میں کوئی بھی کمرے میں داخل ہو سکتا ہے!''

میں نے پُرسوچ انداز میں کہا، پھر ملزم سے پوچھا۔''کیا چھبیس اکتوبر کے بعد سے تمہیں چاقو کی ضرورت پیش آئی؟''

''اٹھائیس اکتوبر کو جب ہم تینوں دوست شکار پر جا رہے تھے۔''

''گویا چھبیس اور اٹھائیس اکتوبر کے درمیان نہیں؟''

''جی نہیں۔''

''اس کا مطلب ہے تمہیں یہ بھی معلوم نہیں ہو گا کہ ان دو دنوں کے دوران میں چاقو مذکورہ دراز کے اندر موجود تھا یا نہیں؟'' میں نے تیز آواز میں ایک امکان ظاہر کیا۔

''آپ بالکل ٹھیک کہتے ہیں۔'' وہ تائیدی انداز میں بولا۔''میں چاقو کی موجودگی یا غیر موجودگی کے بارے میں وثوق سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔''

میں نے استفسار کیا۔''افرادِ خانہ کے علاوہ تمہارے گھر میں اور کس شخص کا زیادہ آنا جانا ہے؟''

''انکل فاروقی کا۔'' اس نے اٹل لہجے میں جواب دیا۔

اس کے ساتھ ہی عدالت کا وقت ختم ہو گیا۔

☆☆☆

فوزیہ پندرہ سال کی ایک سانولی سلونی لڑکی تھی۔ وہ میٹرک کی طالبہ تھی۔ گواہوں والے کٹہرے میں کھڑی وہ سہمی ہوئی نظر سے ایک ایک چہرے کو تک رہی تھی۔ عدالتی کارروائی کا آغاز ہوا تو اس کا حلفیہ بیان ریکارڈ کیا گیا پھر وکیل استغاثہ جرح کے لئے اس کے کٹہرے کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا۔

''مس فوزیہ!'' اس نے سوالات کا سلسلہ شروع کرتے ہوئے کہا۔''کیا یہ سچ ہے، تمہارا بھائی اور اس مقدمے کا ملزم شعیب مقتولہ یعنی تمہاری سوتیلی ماں سے شدید نفرت کرتا تھا؟''

فوزیہ نے ہچکچاہٹ آمیز لہجے میں جواب دیا۔''جی ہاں ...... یہ سچ ہے۔''

''اور تم؟''

''میں بھی شکیلہ کو پسند نہیں کرتی تھی۔''

''مجھے پتہ چلا ہے ملزم خاصا گستاخ اور خود سر لڑکا ہے۔'' وکیل استغاثہ نے ایک خاص زاویے سے وار کیا۔''بزرگوں کا احترام اسے چھو کر نہیں گزرا۔ سوتیلی ماں تو رہی ایک طرف، وہ تو اپنے سگے باپ کو بھی خاطر میں نہیں لاتا۔ باپ بیٹے کے درمیان کئی جھڑپیں بھی ہو چکی ہیں اور گزشتہ کچھ عرصے سے ان میں بول چال بھی بند ہے۔''

وکیل استغاثہ گواہ کو اس انداز سے کس رہا تھا کہ میرے موکل کی ذات منفی بن کر اُبھرے۔ فوزیہ نے تھوک نگل کر حلق تر کیا اور ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولی۔

''ہاں، یہ حقیقت ہے کہ جب سے ابو نے دوسری شادی کی ہے، شعیب ان سے کھنچا کھنچا رہنے لگا تھا۔ شکیلہ کے حوالے سے ان میں تلخ کلامی بھی ہوتی رہتی تھی۔ بہرحال یہ شعیب کا ایک خاص ردِعمل تھا ورنہ عام حالات میں وہ صلح جُو اور امن پسند ہے۔ آج تک ہم بہن بھائی میں کوئی بڑا کلیش نہیں ہوا۔''

''فوزیہ! معزز عدالت یہ جاننا چاہتی ہے، تمہارے ابو کا مقتولہ کے ساتھ کیسا رویہ تھا؟'' وکیل استغاثہ نے جرح کے سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

''بالکل نارمل۔'' فوزیہ نے جواب دیا۔

''اور مقتولہ کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟''

''وہ بھی ابو کے ساتھ ٹھیک ہی تھی۔''

''یعنی ان دونوں میں کوئی لڑائی جھگڑا نہیں ہوتا تھا؟''

''جی ہاں...... میرا یہی مطلب ہے۔''

وکیل استغاثہ نے فاتحانہ نظر سے میری جانب دیکھا اور جرح ختم کر دی۔

اپنی باری پر جج کی اجازت حاصل کرنے کے بعد میں فوزیہ والے کٹہرے کے نزدیک پہنچ گیا۔ میں چند لمحے نرم نگاہ سے فوزیہ کے خال وخط کا جائزہ لیتا رہا پھر مہربان لہجے میں اسے مخاطب کیا۔

''فوزیہ بیٹی! آج کل تمہاری پڑھائی کیسی جا رہی ہے؟''

میں نے ہلکے پھلکے انداز میں جرح کا آغاز کیا تھا جو کہ میرا مخصوص اسٹائل بھی ہے۔ وہ برا سا منہ بناتے ہوئے بولی۔

''آج کل سب کچھ ڈسٹرب ہو کر رہ گیا ہے۔''

''ہونا بھی چاہئے۔'' میں نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے تائیدی انداز میں کہا۔ ''یہ کوئی معمولی واقعہ نہیں ہے۔ بہرحال......'' میں نے تھوڑا توقف کیا پھر اضافہ کرتے ہوئے پوچھا۔ ''تمہاری سکول ٹائمنگ کیا ہے؟''

اس نے بتایا۔ ''میں روزانہ صبح آٹھ بجے گھر سے نکلتی ہوں اور دوپہر دو بجے تک میری واپسی ہوتی ہے۔''

''ٹھیک ہے......'' میں نے رسانیت سے کہا۔ ''کیا وقوعہ کے روز یعنی اٹھائیس اکتوبر کو

بھی تم اسکول جانے کے لئے صبح آٹھ بجے ہی گھر سے نکلی تھیں؟''

اس نے اثبات میں جواب دیا۔ میں نے استفسار کیا۔

''اس وقت گھر میں اور کون کون موجود تھا؟''

''سبھی تھے۔''

''سبھی کون؟''

''ابو، شکیلہ اور شعیب۔''

فوزیہ نے ایک مرتبہ بھی مقتولہ کو امی، ممی یا ماں نہیں کہا تھا اور یہی حال شعیب کا بھی تھا۔ یہ انداز بڑے واضح طور پر بتاتا تھا، وہ دونوں بہن بھائی اپنی سوتیلی ماں کے لئے کس قسم کے جذبات رکھتے تھے۔

میں نے جرح کے سلسلے کو دراز کرتے ہوئے سوال کیا۔ ''فوزیہ بیٹی! وقوعہ کے روز جب تم سکول سے واپس آئیں تو گھر میں کون کون موجود تھا؟''

میرے طرزِ تخاطب نے فوزیہ کو خاصا حوصلہ دیا تھا۔ میں بڑی نرمی سے اسے بیٹی کہہ کر پکار رہا تھا جس کے سبب وہ پُر اعتماد نظر آنے لگی۔ ورنہ ابتدا میں وہ بڑی ڈری سہمی اور گھبرائی ہوئی تھی۔ یہ سچ ہے کہ الفاظ میں بڑی طاقت ہوتی ہے۔ منفی الفاظ کی تاثیر تخریبی اور مثبت الفاظ کا اثر تعمیری ہوتا ہے۔ کاش، دنیا بھر کے انسان تعمیری اور مثبت انداز میں سوچنے لگیں۔

میرے سوال کے جواب میں فوزیہ نے بتایا۔ ''کوئی بھی نہیں تھا، سوائے شکیلہ کے...... اور وہ اپنے بیڈ روم میں مُردہ پڑی تھی۔''

''کیا اٹھائیس اکتوبر کو بھی تم دو بجے دوپہر ہی واپس آئی تھیں؟''

''جی ہاں...... چند منٹ کے فرق سے لگ بھگ یہی وقت تھا۔''

''تم نے اس روز گھر کے اندر کیا دیکھا؟''

وہ جواب دیتے ہوئے بولی۔ ''میں نے حسبِ معمول گھنٹی بجائی اور انتظار کرنے لگی کہ دروازہ کھلے۔ میری واپسی پر گھر میں عموماً شکیلہ ہی ہوتی تھی اور وہی دروازہ کھولتی تھی۔ اس دن جب تین مرتبہ گھنٹی بجانے پر بھی اس نے دروازہ نہیں کھولا تو مجھے بے حد تشویش ہوئی۔ پہلے میں یہی سمجھی تھی کہ شاید شکیلہ واش روم وغیرہ میں ہو۔ لیکن جب مجھے دروازے پر کھڑے دس منٹ گزر گئے تو میں نے دروازے کے ہینڈل کو گھما دیا۔'' وہ چند لمحات کو سانس لینے کی غرض سے رکی پھر اضافہ کرتے ہوئے بتانے لگی۔

''یہ میرا ایک غیر ارادی اور اضطراری عمل تھا اور اس عمل کے ردِعمل نے مجھے حیرت میں

ڈال دیا۔ ہینڈل گھومتے ہی دروازہ کھل گیا۔ میں نے اندر داخل ہونے کے بعد دروازہ بند کیا اور سیدھی اپنے کمرے میں پہنچی۔ میں بیگ کو اس کی مخصوص جگہ پر رکھ کر فارغ ہوئی تھی کہ مجھے عجیب سا احساس ہوا۔ میں اس احساس کو کوئی نام نہ دے سکی۔ بس مجھے یوں لگا جیسے گھر کے اندر کوئی گڑبڑ ہے۔ دروازہ کھلا پا کر مجھے جو حیرت ہوئی تھی وہ یک بہ یک گہری تشویش میں بدل گئی اور یہی تشویش بے ساختہ مجھے شکیلہ کے کمرے تک لے گئی۔ لاشعوری طور پر شاید میں یہ سوچ رہی تھی کہ اگر اس گھر میں واقعی کوئی گڑبڑ ہے تو وہ یقیناً شکیلہ کے ساتھ ہوگی کیونکہ اس وقت گھر میں شکیلہ کے سوا اور کوئی نہیں تھا۔ میں اس کے بیڈروم میں پہنچی اور پھر وہاں کے منظر نے مجھے دہلا کر رکھ دیا۔'' وہ ایک جھرجھری لے کر خاموش ہوگئی۔

''بیٹی!'' میں نے اسے حوصلہ دینے والے محبت بھرے لہجے میں پکارا۔ ''اپنے ذہن پر زور دو اور پورے ہوش وحواس سے بتاؤ کہ تم نے مقتولہ کے بیڈروم میں کیا منظر دیکھا تھا؟''

اس نے تھوڑا تامل کیا پھر مضبوط لہجے میں بولی۔ ''کمرے میں ...... خصوصاً بیڈ پر بڑی افراتفری کے آثار تھے۔ شکیلہ کا لباس جگہ جگہ سے پھٹا ہوا تھا اور اس کے چہرے کی حالت......'' اس نے ایک مرتبہ پھر جھرجھری لی اور بیان کو آگے بڑھاتے ہوئے بولی۔ ''یوں محسوس ہوتا تھا جیسے کسی نے بڑی فرصت میں بیٹھ کر اس کا حلیہ بگاڑنے کی کوشش کی ہو۔ میں نے ایسا بھیانک منظر اپنی زندگی میں پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ کسی نے بے انتہا سفاکی اور بربریت کا مظاہرہ کیا تھا۔ یہ تو مجھے بعد میں پتہ چلا ہے کہ شکیلہ کے چہرے کو ظلم وستم کا نشانہ بنانے سے پہلے گلا گھونٹ کر اسے موت کے گھاٹ اتار دیا گیا تھا۔''

وہ خاموش ہوئی تو میں نے استفساریہ انداز میں کہا۔ ''فوزیہ بیٹی! تم نے وقوعہ کے روز مقتولہ کے بیڈروم میں جو کچھ دیکھا اس تمام تر کی ذمے داری استغاثہ نے تمہارے بھائی شعیب پر ڈالی ہے اسی سبب وہ ایک ملزم کی حیثیت سے اس وقت کٹہرے میں کھڑا ہے۔ تمہارا کیا خیال ہے؟''

''جی!'' اس نے اُلجھن زدہ نظر سے مجھے دیکھا۔''

میں نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔ ''میرا مطلب ہے کیا تم بھی ایسا سمجھتی ہو کہ یہ سب شعیب کا کیا دھرا ہوسکتا ہے...... یا کیا دھرا ہے؟''

''نہیں......'' اس نے قطعیت سے نفی میں گردن ہلائی۔ ''بھائی ایسا نہیں کرسکتا!''

''تمہارے خیال میں ایسا کون کرسکتا ہے؟''

''میں اس بارے میں کوئی اندازہ نہیں لگا سکتی۔''

''ٹھیک ہے......'' میں نے عام سے لہجے میں کہا، پھر زاویہ سوالات میں تھوڑی تبدیلی لاتے ہوئے پوچھا۔ ''وقوعہ کے روز تم نے مقتولہ کے بیڈروم میں جو اندوہناک منظر دیکھا، اس نے تمہارے اعصاب کو بری طرح جھنجوڑ کر رکھ دیا ہوگا۔'' میں نے رک کر فوزیہ کی آنکھوں میں جھانکا۔ اس نے اثبات میں گردن ہلائی تو میں نے مزید کہا۔ ''اس اعصاب شکنی کی کیفیت میں تم نے سب سے پہلا کام کیا، کیا؟''

''میں اس وقت بے حد گھبرائی ہوئی تھی۔'' فوزیہ نے جواب دیا۔ ''میری سمجھ میں کچھ نہ آیا تو میں نے فوراً ابو کو فون کردیا پھر اپنے کمرے میں دبک کر رونے لگی۔''

''تم نے اپنے ابو کو کیا بتایا تھا؟''

''میں نے کہا تھا، شکیلہ اپنے بیڈروم میں مردہ پڑی ہے۔''

''تمہیں کیسے پتہ چلا کہ تمہاری سوتیلی ماں دنیا میں باقی نہیں رہی؟''

''یہ محض میرا ایک اندازہ تھا جو میں نے اس کی حالت کے پیش نظر قائم کیا تھا۔'' وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولی۔ ''اور ازاں بعد میرا یہ اندازہ درست بھی ثابت ہوا۔''

میں نے سوال کیا۔ ''تم نے لگ بھگ کتنے بجے اپنے ابو کو فون پر اس واقعے کی اطلاع دی تھی؟''

''سوا دو بجے!'' اس نے جواب دیا۔

میں نے پوچھا۔ ''اور تمہارے ابو گھر کب پہنچے تھے؟''

''اس وقت تین بجنے میں دس منٹ باقی تھے۔''

''کیا وہ اکیلے ہی گھر آئے تھے؟''

''نہیں، ان کے ساتھ انکل فاروقی بھی تھے۔''

''وہی انکل فاروقی نا جو تمہارے ابو کے گہرے دوست ہیں؟'' میں نے تیکھے انداز میں پوچھا۔

اس نے برا سا منہ بنایا اور بولی۔ ''ہاں وہی۔''

اس کے انداز نے واضح کردیا کہ شعیب کی طرح وہ بھی زاہد فاروقی کو پسند نہیں کرتی تھی۔ میں نے اپنی جرح کو ایک نئے زاویے سے آشنا کرتے ہوئے فوزیہ سے استفسار کیا۔

''ایک بات میری سمجھ میں نہیں آئی بیٹی! فاروقی تمہارے باپ کا بڑا گہرا دوست ہے۔ پھر شعیب اس سے نفرت کیوں کرتا تھا؟''

''شعیب کا خیال ہے انکل فاروقی ہمارے باپ کا دوست نہیں بلکہ ایک خطرناک دشمن

ہے جس نے دوستی کی آڑ میں ہمیشہ ابو کو نقصان ہی پہنچایا ہے۔ لیکن ابو شعیب کی بات سننے کو تیار نہیں ہیں اور باپ بیٹے میں یہی نکتہ جھگڑے کا باعث ہے۔ ہمارے ابو انکل فاروقی کے خلاف ایک لفظ نہیں سن سکتے۔''

''کیا تم اپنے بھائی کے خیالات سے اتفاق کرتی ہو؟''

''میرا خیال ہے بھائی کا موقف بالکل درست ہے۔''

''میں نے سنا ہے تمہارے باپ نے زاہد فاروقی ہی کے ایما پر شکیلہ سے شادی کی تھی؟''

''آپ نے بالکل ٹھیک سنا ہے۔''

''کیا اسی وجہ سے ملزم مقتولہ سے بھی نفرت کرنے لگا تھا؟''

''ہاں ......ایک وجہ یہ بھی تھی۔''

''اور اس کے علاوہ......؟'' میں نے سوالیہ انداز میں جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔ مطلب یہی تھا اس کے علاوہ اور کون کون سی وجوہات ہیں۔ فوزیہ فوراً میرے مطلب کی تہہ تک پہنچ گئی اور نہایت ہی پُرسکون لہجے میں بولی۔

''شعیب کے شکیلہ سے نفرت کرنے کا سب سے بڑا سبب اس کے لچھن تھے۔'' یہ جملہ ادا کرتے ہوئے فوزیہ کا لہجہ انتہائی زہریلا ہو گیا تھا۔

میں نے جلدی سے کہا۔ ''اب اس لفظ ''لچھن'' کی وضاحت بھی کر دو؟''

اس نے ایک گہری اور بوجھل سانس خارج کی اور بتایا کہ ان کی سوتیلی ماں کے انداز و اطوار درست نہیں تھے۔ وہ بن سنور کر اکثر دروازے پر کھڑی رہتی اور یہی بات شعیب کو قطعی ناپسند تھی۔ اس کے دوستوا نے کئی مرتبہ اس حوالے سے شعیب کو شرمندہ بھی کیا تھا۔ شکیلہ کے طور طریقے خاندانی اور معزز لوگوں والے نہیں تھے۔ جب کبھی گھر میں زاہد فاروقی موجود ہوتا تو وہ عبدالباسط کو بھول بھال کر فاروقی کی خدمت میں لگی رہتی۔ گفتگو کے دوران میں وہ اکثر ہلکی بات بھی کر جاتی۔ وہ فاروقی سے بعض اوقات اتنی بے تکلف ہو جاتی کہ کوئی بھی غیرت مند شوہر اپنی بیوی کی ایسی حرکات کو برداشت نہیں کر سکتا۔ باسط اپنے دوست فاروقی پر اتنا اعتماد کرتا تھا کہ اس نے دوست کو کبھی ٹوکا اور نہ ہی بیوی کو کبھی روکا۔ مگر شعیب کا خون کھول کر رہ جاتا۔ اس نے اولین کوشش کے طور پر عبدالباسط سے بات کی۔ باپ نے اسے سوکھا ٹہلا دیا۔ وہ مارک اَپ والے معاملے میں باپ سے کئی مرتبہ الجھ چکا تھا، اس بار بھی باپ نے اسے ہری جھنڈی دکھائی تو اس نے براہِ راست مقتولہ سے بات کر لی

جس کے نتیجے میں مقتولہ نے اسے کھری کھری سنا کر لتاڑ ڈالا۔ چھبیس اکتوبر والا واقعہ اسی سبب پیش آیا تھا جب باسط نے بیچ بچاؤ کر کے انہیں کوئی انتہائی قدم اٹھانے سے روک دیا تھا۔ اسی نوعیت کی اور بھی کئی باتیں فوزیہ کی زبانی عدالت کے ریکارڈ پر محفوظ ہوئیں۔ اس نے ملزم کے مارک اَپ والے موقف اور فاروقی کی عیاری کے حوالے سے ملزم کے خیالات کی بھی حمایت کی۔ اس پلیٹ فارم پر وہ دونوں ہم خیال تھے۔

فوزیہ اپنی بات مکمل کر چکی تو میں نے گمبھیر آواز میں کہا۔ ''جیسا کہ تم نے بتایا ہے باسط اور مقتولہ کی شادی میں زاہد فاروقی کا ہاتھ تھا۔ کیا فاروقی تمہاری سوتیلی ماں کا کوئی رشتے دار ہے؟''

''میں اس بارے میں وثوق سے کچھ نہیں کہہ سکتی۔'' وہ سادہ لہجے میں بولی۔ ''تاہم آپس میں ان کے ملنے کا انداز اور ربط ضبط یہی ظاہر کرتا تھا کہ وہ دونوں ایک دوسرے سے بہ خوبی واقف ہیں۔ ان کے بیچ کوئی رشتہ تھا یا تعلق یہ تو اللہ ہی جانتا ہے یا پھر زاہد فاروقی!''

''ٹھیک ہے ...... جب مسٹر فاروقی کٹہرے میں کھڑا ہو گا تو میں اس سے یہ سوال ضرور پوچھوں گا۔'' میں نے سرسری انداز میں کہا پھر فوزیہ سے استفسار کیا۔ ''اس مقدمے کے ملزم اور تمہارے بھائی شعیب کا کہنا ہے کہ جس طرح ایک گہری سازش کے تحت فاروقی نے تم لوگوں کا بیس لاکھ کا بنگلا محض بارہ لاکھ میں ہتھیا لیا اور الٹا تمہارے باپ پر ایک احسانِ عظیم بھی چڑھا دیا، بالکل اسی طرح فاروقی نے کسی خطرناک مقصد کے تحت مقتولہ اور باسط کی شادی بھی کروائی ہے۔ تمہیں کیا لگتا ہے؟''

''ایسا ہو سکتا ہے۔'' اس نے اثبات میں گردن ہلائی۔ ''فاروقی جیسے شخص سے کچھ بھی بعید نہیں۔''

''تمہارے خیال میں اس سلسلے میں فاروقی کا کیا منصوبہ ہو سکتا ہے؟''

وہ تامل کرتے ہوئے بولی۔ ''مجھے اس کا اندازہ نہیں۔''

''لیکن تمہارے بھائی کو اندازہ ہے۔'' میں نے پُرخیال لہجے میں کہا پھر اضافہ کیا۔ ''شعیب تمہارے حوالے سے بہت پریشان تھا اس کا خیال تھا، فاروقی اپنے مہرے شکیلہ کے ذریعے تمہیں نقصان پہنچانے کا ارادہ رکھتا تھا۔ تم میری بات سمجھ رہی ہو نا؟''

''جی!'' اس نے پُروثوق انداز میں گردن ہلائی۔

''اس حوالے سے تم نے مقتولہ کے رویے سے کچھ محسوس کیا؟''

''میں شکیلہ کا سامنا کرتے ہوئے اور اس سے بات چیت کے دوران میں بڑی الجھن

بلکہ کوفت محسوس کرتی تھی۔'' اس نے گہری سنجیدگی سے بتایا۔ ''مجھے یوں لگتا جیسے وہ نگاہ ہی نگاہ میں میرا ایکسرے کر رہی ہو۔ میں اس کی کھوجتی ہوئی نظر سے گھبرا جاتی اور اس سے کترانے لگتی۔ اس کے نتیجے میں ہمارے درمیان میل ملاپ تقریباً ختم ہو کر رہ گیا تھا۔'' وہ لمحے بھر کو متوقف ہوئی پھر ایک گہری سانس لیتے ہوئے گویا ہوئی۔ ''اگرچہ شکیلہ نے واضح الفاظ میں مجھ سے کوئی عامیانہ یا بھٹکانے والی کوئی بات نہیں کی تھی تاہم اس کے گھورنے کے انداز سے میں وحشت میں مبتلا ہو جاتی۔ مجھے یوں محسوس ہوتا جیسے میں کوئی معصوم سی بکری ہوں اور شکیلہ کسی تجربہ کار قصائی کی مانند نگاہ ہی نگاہ میں ٹٹول کر یہ جانچنے کی کوشش کر رہی ہو کہ اس سودے میں اسے کتنا فائدہ ہوگا!''

دو چار ضمنی سوالات کے بعد میں نے جرح ختم کر دی۔

پھر میری درخواست پر اس کیس کا تفتیشی افسر جج کی اجازت سے گواہوں والے کٹہرے میں آن کھڑا ہوا۔ رینک کے اعتبار سے وہ ایک انسپکٹر تھا۔ اس کا نام قادر بخش تھا۔ اپنے ڈیل ڈول، چہرے کی کرختگی اور موٹی توند کے سبب وہ سادہ لباس میں بھی پکا پولیس والا نظر آتا۔ تاہم اس وقت وہ یونیفارم میں تھا۔

میں نے انکوائری آفیسر کو مخاطب کرتے ہوئے سوال کیا۔ ''آئی۔ او صاحب! آپ کو اس واقعے کی اطلاع کب اور کس نے دی تھی؟''

''مقتولہ کے شوہر باسط نے تھانے فون کر کے ہمیں اس واردات کی اطلاع دی تھی۔'' اس نے بڑی رسان سے جواب دیا۔ ''وقت تھا سہ پہر چار بجے کا اور تاریخ اٹھائیس اکتوبر کی تھی۔ ہمارے روزنامچے میں یہ معلومات درج ہیں۔''

''او کے۔'' میں نے سرسری انداز میں کہا پھر پوچھا۔ ''آپ کتنے بجے جائے وقوعہ پر پہنچے تھے؟''

''ساڑھے چار بجے۔'' اس نے بتایا۔

''آپ نے موقع کی کارروائی مکمل کرنے کے بعد لاش کو پوسٹ مارٹم کے لئے سرکاری ہسپتال بھجوا دیا۔'' میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ ''اور ملزم شعیب جیسے ہی پانچ بجے شام اپنے گھر پہنچا، آپ نے اسے سوتیلی ماں کے قتل کے الزام میں گرفتار کر لیا۔ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟''

''آپ بالکل درست کہہ رہے ہیں۔ ایسا ہی ہوا تھا۔''

میں نے پوچھا۔ ''انسپکٹر صاحب! استغاثہ کا سارا زور اس نقطے پر ہے کہ ملزم، مقتولہ سے

شدید نفرت کرتا تھا، ان کے درمیان اکثر و بیشتر چھوٹی چھوٹی جھڑپیں ہوتی رہتی تھیں۔ پھر وقوعہ سے دو روز قبل یعنی چھبیس اکتوبر کی رات بھی ان میں شدید نوعیت کا جھگڑا ہوا جس کے نتیجے میں نہ صرف ملزم نے چاقو نکال لیا بلکہ مقتولہ کو انتہائی طیش کے عالم میں مجرمانہ حملے کی دھمکی بھی دی۔ بہرحال مقتولہ کے شوہر نے موقع پر پہنچ کر بیچ بچاؤ کرا کے معاملہ رفع دفع کر دیا۔'' میں لمحے بھر کو سانس لینے کی غرض سے متوقف ہوا پھر بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

''وقوعہ کے روز مقتولہ کے فلیٹ پر جو کچھ ہوا، اس کے ذیل میں بھی استغاثہ یعنی آپ کا دعویٰ ہے کہ ملزم موقع پا کر مجرمانہ حملے کی نیت سے اپنی سوتیلی ماں کے کمرے میں داخل ہوا تھا لیکن مقتولہ کی بروقت مداخلت اور مدافعت نے ملزم کو اس کے ناپاک عزائم میں کامیاب نہیں ہونے دیا۔ اس چھینا جھپٹی میں مقتولہ کا لباس تار تار ہو گیا۔ مسلسل ناکامی نے ملزم کو جھنجلاہٹ میں مبتلا کر دیا اور وحشت کے عالم میں اس نے اپنی سوتیلی ماں کا گلا گھونٹ کر اسے موت سے ہمکنار کر دیا۔ تیز دھار چاقو کی مدد سے ملزم نے کس طرح مقتولہ کا حلیہ بگاڑا، اس پر ہم بعد میں بات کریں گے۔ سر دست آپ سے میرا اتنا سا سوال ہے کہ مجرمانہ حملے کی تصدیق یا تردید کی خاطر کیا آپ نے مقتولہ کا ''طبی معائنہ بعد از مرگ'' کرایا تھا؟''

اس نے اثبات میں گردن جھٹکی اور جواب دیا۔ ''ہم اس معائنے اور ٹیسٹ سے غفلت کیوں کر برت سکتے تھے؟ آپ کی اطلاع کے لئے عرض ہے پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کے ساتھ ہی طبی معائنے کی رپورٹ بھی منسلک ہے۔ شاید آپ نے اس طرف دھیان نہیں دیا۔''

''اس اطلاع کا بہت بہت شکریہ آئی۔ او صاحب!'' میں نے زیر لب مسکراتے ہوئے مضحکہ اُڑانے والے انداز میں کہا۔ ''میں نے وہ رپورٹ نہ صرف دیکھی بلکہ پڑھی بھی ہے۔ مذکورہ رپورٹ کا نتیجہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ مقتولہ پر کسی قسم کا مجرمانہ حملہ نہیں کیا گیا یا بالفرض ایسے کسی حملے کی اگر سعی کی بھی گئی ہے تو حملہ آور کو ایک فیصد بھی کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔''

''جو بات آپ کو معلوم ہے، وہ مجھ سے کیوں پوچھ رہے ہیں؟'' وہ برہمی سے بولا۔

میں نے چھیڑ چھاڑ کے انداز میں کہا۔ ''بس ایسے ہی، جی چاہ رہا تھا۔'' پھر ایک لمحے کے توقف سے اضافہ کیا۔ ''کیا آپ سے ایسا کوئی سوال کرنے کی ممانعت ہے؟''

اس نے نہ ''ہاں'' کی اور نہ ہی ''نہ''۔ یک ٹک غصیلی نظر سے مجھے گھورتا رہا۔ گویا میں اپنے مقصد میں کامیاب رہا تھا۔ میں اپنی اٹکھیلیوں سے اسے طیش دلانا چاہتا تھا تاکہ اسے

اپنی مرضی کے زاویے میں گھس سکوں۔ میں نے بدستور اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

''قادر بخش صاحب! پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کے مطابق مقتولہ شکیلہ کی موت دم گھٹنے سے واقع ہوئی ہے۔ یعنی مبینہ طور پر گلا دبا کر اسے موت کے گھاٹ اتارا گیا ہے۔ کیا آپ نے مقتولہ کی گردن پر سے فنگر پرنٹس اٹھانے کی زحمت کی تھی؟''

''جی ہاں، کی تھی۔'' اس نے ناگوار نظر سے مجھے دیکھا۔

میں نے دھیرے سے پوچھا۔ ''پھر کچھ کامیابی حاصل ہوئی؟''

''گردن پر سے ایف پی (فنگر پرنٹس) نہیں مل سکے۔'' اس نے بتایا۔

''اس کا کیا مطلب ہوا؟''

''یہی کہ ملزم نے دستانے وغیرہ پہن کر قتل کی واردات کی ہے۔''

استغاثہ کے مطابق ملزم درحقیقت مجرمانہ حملے کی نیت سے مقتولہ کے بیڈ روم میں گھسا تھا'' میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ ''اور اپنے مقصد میں ناکامی سے جھنجلا کر اس نے مقتولہ کا گلا دبا دیا۔ تو کیا......'' میں نے جملہ ادھورا چھوڑ کر معنی خیز نظر سے انکوائری آفیسر کو دیکھا اور اپنی بات کو مکمل کرتے ہوئے کہا۔ ''آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ملزم باقاعدہ ہاتھوں پر دستانے چڑھا کر اپنی سوتیلی ماں کو فتح کرنے نکلا تھا؟''

''جی ہاں ...... بظاہر تو یہی نظر آ رہا ہے۔'' اس نے عام سے لہجے میں کہا۔

میں نے کہا۔ ''بیڈ روم کی حالت بتاتی ہے، قاتل اور مقتولہ کے درمیان اچھی خاصی دھینگا مشتی ہوئی تھی۔ مقصد کوئی بھی رہا ہو ایک بات طے ہے کہ اس چھینا جھپٹی میں ہی مقتولہ کا لباس تار تار ہوا تھا۔ آپ کے بقول واردات کے وقت ملزم نے اپنے ہاتھوں پر دستانے چڑھا رکھے تھے۔ اس کا مطلب ہے، مقتولہ کے بدن کے کسی حصے پر ملزم کے فنگر پرنٹس نہیں پائے گئے ہوں گے۔ ظاہر ہے مقتولہ کے بیڈ روم میں وقوعہ کے وقت جو صورت حال رہی ہو گی، اس میں کئی بار قاتل کے ہاتھ مقتولہ کے جسم سے مس ہوئے ہوں گے؟''

ایک لمحہ سوچنے کے بعد تفتیشی افسر نے جواب دیا۔ ''آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ واقعی مقتولہ کے وجود کے کسی بھی حصے پر ملزم کی انگلیوں کے نشانات نہیں ملے۔''

''دیٹس رائٹ۔'' میں نے آئی او کے گرد گھیرا تنگ کرتے ہوئے کہا۔ ''گویا آپ نے مقتولہ کے بدن کے مختلف حصوں سے ایف پی اٹھانے کی کوشش کی تھی؟''

''جی ہاں ...... یہ بہت ضروری تھا۔'' وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔

میں نے کہا۔ ''آئی او صاحب! جیسا کہ آپ جانتے ہیں اور یہ واقعہ بھی ہے کہ قاتل نے مقتولہ کا گلا دبانے کے بعد اسے موت کے گھاٹ اتارا لیکن اس پر بھی اس کے انتقام کی آگ سرد نہ ہوئی اور مزید بربریت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس نے کسی تیز دھار آلے کی مدد......''

''تیز دھار چاقو کی مدد سے......'' تفتیشی افسر نے میری بات کاٹتے ہوئے کہا۔

''تھینک یو مائی ڈیئر!'' میں نے اپنے ہونٹوں پر زہریلی مسکراہٹ سجاتے ہوئے کہا۔ ''ہاں تو میں کہہ رہا تھا قاتل نے تیز دھار چاقو کی مدد سے مقتولہ کے چہرے کو شدید نقصان پہنچایا۔ مقتولہ شکیلہ کے چہرے پر آٹھ انتہائی خطرناک کٹ پائے گئے ہیں۔ آپ نے اس تیز دھار چاقو کو برآمد کر لیا تھا۔ آپ سے میرا صرف اتنا سوال ہے کہ مذکورہ خون آلود چاقو آپ کو کہاں سے ملا تھا؟''

''ملزم کے کمرے میں سے۔'' اس نے جلدی سے جواب دیا۔

''کمرے میں کس جگہ سے؟''

''بیڈ سائیڈ کی دراز میں سے۔''

''جب آپ ملزم کے بیڈ روم میں پہنچے تو کیا سائیڈ کی دراز لاک تھی؟''

''جی نہیں۔'' اس نے نفی میں گردن ہلائی۔

''اور بیڈ روم کا دروازہ؟''

''وہ بھی ہمیں کھلا ہوا ملا تھا۔''

''اس کا مطلب ہے ملزم نے آپ کے بقول مقتولہ کا گلا گھونٹ کر اسے موت کے گھاٹ اتارا، پھر چاقو کی مدد سے اس کا حلیہ بگاڑا اور خون آلود چاقو کو اپنی دراز میں ڈال کر گھر سے نکل گیا۔ اس نے دراز کو بند کیا اور نہ ہی کمرے کو لاک کرنے کی ضرورت محسوس کی۔'' میں نے ایک لمحے کو توقف کیا پھر تفتیشی افسر کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

''آئی۔ او صاحب! کیا خیال ہے یہ کچھ عجیب سا نہیں لگتا؟''

''ہاں...... اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ملزم خاصا بے پروا ثابت ہوا ہے۔'' وہ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔ ''یہ اس کی سفاکی اور ڈھٹائی کا ثبوت بھی ہے۔''

میں نے قدرے ترش لہجے میں کہا۔ ''آئی او صاحب! خون آلود چاقو کی لیبارٹری رپورٹ سے پتہ چلتا ہے کہ اس کے پھل پر موجود خون مقتولہ ہی کا ہے۔ اس سے یہ تو ثابت ہو گیا کہ اسی چاقو کی مدد سے مقتولہ کے چہرے کو بھیانک نقصان پہنچایا گیا ہے۔ چاقو

کے حوالے سے ایک اور اہم بات بھی سامنے آئی ہے۔ اگر آپ کی یادداشت......؟''

میں نے دانستہ جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔ وہ جلدی سے بولا۔ ''بالکل...... بالکل، مجھے اچھی طرح یاد ہے، چاقو کے دستے پر ملزم کی انگلیوں کے نشانات کی شہادت ملی ہے۔''

''آپ یہ کہنا چاہتے ہیں، چاقو استعمال کرتے وقت اس نے دستانے اتار لئے تھے؟''

''آں...... ہاں......'' وہ گڑبڑا گیا۔ ''میرا خیال ہے...... ایسا ہی ہوا ہوگا۔''

''خیال نہیں، حقیقت بیان کریں۔'' میں نے درشت لہجے میں کہا۔ ''معزز عدالت خیالی قصے کہانیاں سننے کے موڈ میں نہیں۔''

اس نے کن انکھیوں سے جج کی طرف دیکھا اور مجھ سے مخاطب ہوتے ہوئے بولا۔

''ملزم دستانے پہن کر مقتولہ کے کمرے میں گھسا۔ جب اسے اپنے مذموم عزائم میں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا تو وہ جھنجلا کر اپنے کمرے میں آیا...... میرا مطلب ہے وہ مقتولہ کا گلا دبا کر اسے ٹھکانے لگانے کے بعد اپنے بیڈ روم میں پہنچا۔'' تفتیشی افسر خاصا نروس ہو رہا تھا۔ گھبراہٹ بھرے بیان کو آگے بڑھاتے ہوئے بولا۔ ''اپنے بیڈ روم میں پہنچ کر اس نے دستانے اتار پھینکے، دراز میں سے چاقو نکالا اور دوبارہ مقتولہ کے بیڈ روم میں پہنچ گیا۔ اس کے بعد ہی اس نے مقتولہ کے چہرے کو بگاڑا تھا۔''

اتنا کہہ کر آئی او نے الجھن زدہ نظر سے جج کی جانب دیکھا۔ اس کے انداز میں اضطراب پایا جاتا تھا۔ اس کی آنکھوں میں موجود تاثرات بتاتے تھے وہ اس وقت کسی مشکل میں گرفتار تھا۔ میں نے اس کی مشکل کو بڑھاوا دیتے ہوئے کہا۔

''گویا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ملزم اپنے مقصد میں ناکامی کے بعد اس قدر طیش میں آ گیا کہ اس نے مقتولہ کا گلا دبا کر اسے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خاموش کر دیا، پھر اپنے کمرے میں پہنچا، دستانے اتار کر ایک طرف پھینکے اور چاقو بہ دست دوبارہ مقتولہ کے بیڈ روم میں پہنچ گیا۔'' میں نے اسی کے الفاظ دہراتے ہوئے اپنا کام جاری رکھا۔ ''ملزم نے بڑی بے دردی سے چاقو کے بہیمانہ وار کر کے مقتولہ کے چہرے پر ظلم کیا۔ ایک مرتبہ پھر وہ واپس اپنے بیڈ روم میں پہنچا، خون آلود چاقو کو بیڈ سائیڈ کی دراز میں ڈالا اور خاموشی کے ساتھ گھر سے نکل گیا۔ ایم آئی رائٹ؟''

''رائٹ یو آر۔'' وہ سپاٹ آواز میں بولا۔

میں نے چبھتے ہوئے انداز میں استفسار کیا۔ ''آپ نے تو وقوعہ کے روز پورے فلیٹ کی تلاشی لی ہوگی۔ خصوصاً دو کمرے آپ کے مرکزِ نگاہ رہے ہوں گے۔ یعنی مقتولہ اور ملزم کے

بیڈ روم۔ کیا آپ کو ان دو کمروں میں کہیں وہ دستانے پڑے ہوئے ملے جنہیں ہاتھوں پر چڑھا کر ملزم نے مقتولہ کا گلا دبایا تھا...... آپ کے بہ قول؟''

''جی نہیں۔'' اس نے نفی میں گردن ہلائی۔

''پھر مذکورہ دستانے کہاں چلے گئے؟'' میں نے اس کی آنکھوں میں گھورا۔ ''ملزم کے جانے اور اس کی بہن فوزیہ کے آنے کے درمیانی وقفے میں کوئی شخص فلیٹ کے اندر داخل نہیں ہوا۔ اگر ہوا بھی ہے تو اس کا کوئی ثبوت نہیں۔ آپ دستانوں کی غیر موجودگی کے بارے میں کیا کہتے ہیں تفتیشی افسر قادر بخش صاحب؟''

وہ قدرے برہمی سے بولا۔ ''اگر وہ دستانے فلیٹ کے اندر نہیں پائے گئے تو اس کا ایک ہی مطلب ہے اور وہ یہ کہ ملزم مذکورہ دستانے اپنے ساتھ لے گیا تھا۔ باہر جا کر اس نے وہ دستانے کچرے کے کسی ڈھیر پر پھینک دیئے ہوں گے۔''

''بہت خوب...... ویل ڈن مائی ڈیئر آئی۔ او!'' میں نے بھگو کر رسید کرنے والے انداز میں کہا۔ ''آپ کے عالمانہ تجزیے نے دل خوش کر دیا۔ واقعی آپ تفتیش کی دنیا کے کنگ ہیں۔ شرلک ہومز تو کم بخت آپ کے پاؤں کی دھول ہے!''

میرے طنزیہ اور زہریلے الفاظ نے اسے چونکا دیا بلکہ سلگا دیا، غصیلے لہجے میں بولا۔

''آپ یہ کس طرح کی باتیں کر رہے ہیں؟ میں نے مذاق والی کوئی بات تو نہیں کہی۔ پھر آپ کا انداز مضحکہ خیز کیوں ہے؟''

''آئی ایم سوری آئی۔ او صاحب!'' میں نے سینے پر ہاتھ رکھا اور سر کو ہلکا سا خم دیتے ہوئے کہا۔ ''اگر میرے کسی لفظ سے آپ کی دل آزاری ہوئی ہو تو میں اس کے لئے انتہائی معذرت خواہ ہوں۔ دراصل آپ نے بہ یک وقت دو مختلف باتیں کی ہیں۔''

''کیا مختلف باتیں؟'' اس کی برہمی میں ذرا کمی واقع نہ ہوئی۔

میں نے کہا۔ ''آپ میرے موکل کو ایک ہی وقت میں انتہائی احمق اور انتہائی چالاک ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔''

''آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟'' اس نے بے حد الجھے ہوئے انداز میں مجھے دیکھا۔

میں اپنا مقصد حاصل کرنے میں کامیاب رہا تھا۔ اس کا الجھنا میرے تیر کے ہدف پر بیٹھنے کی دلیل تھی۔ میں نے اس کے کانوں کے کیڑے جھاڑتے ہوئے کہا۔

''میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ کیا میرا موکل اتنا ہی بے وقوف تھا کہ اپنے دستانے تو اس نے گھر سے باہر کسی کچرے کے ڈھیر پر پھینک دیئے لیکن اپنے جرم کا چیختا چنگھاڑتا ثبوت وہ

خون آلود چاقو اس نے بیڈ سائیڈ کی دراز میں چھوڑ دیا تا کہ پولیس کو کسی قسم کی زحمت نہ اٹھانا پڑے اور وہ بہ آسانی اسے شکیلہ کے قاتل کی حیثیت سے گرفتار کر لے۔'' میں ایک لمحے کو سانس لینے کی خاطر رکا، پھر چیخ سے مشابہ آواز میں کہا۔

''ہاؤ کین اِٹ پاسیبل؟''

انکوائری آفیسر کو کوئی جواب نہ سوجھا اور بے حد گھبراہٹ بھرے انداز میں بغلیں جھانکنے لگا۔ اس کی کھسیاہٹ نے حاضرین عدالت کو چہ میگوئیوں پر مجبور کر دیا۔ شور قدرے بلند ہوا تو جج کو خاموشی واپس لانے کے احکام صادر کرنا پڑے۔

عدالت کا مخصوص وقت قریب الختم تھا۔ جج نے نگاہ اٹھا کر دیوار گیر کلاک کو دیکھا اور ایک ہفتہ بعد کی تاریخ دے کر عدالت برخاست کر دی۔

☆☆☆

اس روز عدالت میں خاصا رش تھا!

جب تمام متعلقہ افراد حاضر ہو گئے تو جج کی اجازت سے عدالتی کارروائی کا آغاز کیا گیا۔ گواہوں والے کٹہرے میں مقتولہ کا شوہر اور ملزم کا باپ عبدالباسط موجود تھا۔ اس نے سچ بولنے کا حلف اٹھایا پھر اپنا بیان ریکارڈ کروا دیا۔ یہ کم و بیش وہی بیان تھا جو اس نے پولیس کو دیا تھا۔

وکیل استغاثہ نے اپنی جرح کے ذریعے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ ملزم اپنی سوتیلی ماں سے بے حد نفرت کرتا تھا۔ وہ اپنے باپ کا کہنا بھی نہیں مانتا تھا اور ہر وقت اس سے خفا رہتا تھا۔ وکیل استغاثہ نے اس واقعے کو ایک مرتبہ پھر فلیش کیا جب میرے موکل نے چاقو لہرا کر مقتولہ کو ایک خطرناک دھمکی دی تھی۔ بہرحال اس طرح تو ہوتا ہے اس طرح کے کاموں میں!

میں اپنی باری پر گواہ والے کٹہرے کے نزدیک آ گیا اور اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔ ''باسط صاحب! جس اپارٹمنٹس بلڈنگ میں آپ کا فلیٹ ہے وہاں آباد کاری کی کیا صورت حال ہے؟''

''وہ بلڈنگ پوری طرح آباد ہے۔'' اس نے جواب دیا۔

میں نے پوچھا۔ ''کل کتنے فلیٹ ہوں گے اس عمارت میں؟''

''پینسٹھ۔'' اس نے بتایا۔ ''پینتیس بلاک اے میں اور تیس بلاک بی میں۔ ہر فلور پر پانچ فلیٹ بنائے گئے ہیں۔ لیکن سب کی مکانیت ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ ایک کمرے

سے لے کر چار کمرے تک کے فلیٹ موجود ہیں۔''

''آپ کی رہائش کس بلاک میں ہے؟''

''بلاک اے میں۔''

''کیا بلاک اے کے پانچوں فلیٹ آباد ہیں؟'' میں نے اس کے چہرے پر نگاہ جماتے ہوئے پوچھا۔ ''میرا مطلب ہے جس فلور پر آپ کی رہائش ہے، اس فلور کے باقی چار فلیٹس میں بھی مکین موجود ہیں؟''

اس نے اثبات میں گردن ہلائی۔ ''جی ہاں، ہمارے والے فلور کے ہر فلیٹ میں فیملی موجود ہے۔ میں بلاک اے کے فلیٹ نمبر تین سو پانچ میں رہتا ہوں۔ یعنی تھرڈ فلور پر۔''

''اوکے!'' میں نے تشکرانہ انداز میں کہا اور اچانک اپنی جرح کا رخ بدل دیا۔ ''باسط صاحب! مجھے پتہ چلا ہے آپ کی بیوی طویل عرصہ بیمار رہنے کے بعد اپنے خالق حقیقی سے جا ملی تھی۔ غالباً آپ کی بیوی سرطان جیسے موذی مرض میں مبتلا تھی؟''

''غالباً نہیں، یقیناً!'' اس نے زور دے کر کہا۔ ''پانچ سال اس نے بہت اذیت اٹھائی تھی۔ اللہ اس کی آخرت آسان کر دے۔''

''آمین!'' میں نے بہ آواز بلند کہا پھر استفسار کیا۔ ''کینسر کا علاج پیچیدہ ہونے کے ساتھ ہی خاصا مہنگا بھی ہے۔ آپ تو بڑے دباؤ میں آ گئے ہوں گے؟''

''ایسا ویسا دباؤ؟'' اس نے آنکھیں پھیلائیں۔ ''گھر، گاڑی، کاروبار سب کچھ فروخت ہو گیا۔ شاندار بنگلے سے کرائے کے فلیٹ میں اٹھ آیا ہوں۔ دیگر لوگوں کا قرض الگ ہے۔''

''مجھے پتہ چلا ہے آپ نے بیس لاکھ کا بنگلا محض بارہ لاکھ میں فروخت کر دیا تھا؟''

''کیا کریں بھائی، مجبوری میں سب کچھ کرنا پڑتا ہے۔'' وہ ایک ٹھنڈی آہ بھرتے ہوئے بولا۔

میں نے کہا۔ ''میں نے یہ بھی سنا ہے، وہ بنگلا آپ کے ایک گہرے دوست نے خرید لیا تھا۔ غالباً اس شخص کا نام......''

''زاہد فاروقی پر خواہ مخواہ الزام لگایا جا رہا ہے۔'' وہ میری بات پوری ہونے سے پہلے ہی بول اٹھا۔ ''پتہ نہیں لوگوں کو افواہیں اڑانے سے کیا حاصل ہوتا ہے!''

عبدالباسط کے انداز سے ظاہر تھا، وہ اب بھی فاروقی کے خلاف کوئی لفظ سننے کو تیار نہیں۔ پتہ نہیں یہ اس کے احمقانہ پن کی انتہا تھی یا دوستی کی معراج۔

''تو آپ کے اس دوست کا نام فاروقی ہے۔'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

''میری معلومات کے مطابق آپ نے اپنے اس دوست سے اچھا خاصا قرض بھی لیا تھا جو بنگلے کی فروخت کے بعد ادا کر دیا گیا۔''

''جو قرض لیا جاتا ہے، اسے ادا بھی کرنا پڑتا ہے۔'' باسط نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ ''فاروقی کا یہ احسان ہی کیا کم ہے کہ وہ وقت پڑنے پر کام آ گیا اور اس نے اتنی بڑی قربانی دی کہ میرے لئے تو کسی مثال سے کم نہیں۔''

میں نے سہلانے والے انداز میں کہا۔ ''اس عظیم قربانی کے بارے میں، میں نے بھی سنا ہے۔ آپ کا دوست آپ کی بے خبری میں بھاری سود ادا کرتا رہا اور آپ کو ایک لمحے کے لئے پریشان نہیں ہونے دیا۔ واہ واہ...... سبحان اللہ!''

''اسی لئے تو میں دل سے فاروقی کی قدر کرتا ہوں وکیل صاحب! اور یہی بات لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتی۔'' وہ ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے بولا۔ ''میں فاروقی کی قربانیوں کو گنوا نہیں سکتا۔'' وہ چند لمحات کے لئے خاموش ہوا پھر جذباتی لہجے میں بولا۔

''اسی لئے ...... بالکل اسی لئے جب میں نے اپنے اس دوست کو پریشان دیکھا تو اپنا بنگلا فروخت کر کے سب سے پہلے اس کی پریشانی دور کی۔ ایسے دوست قسمت والوں کو نصیب ہوتے ہیں۔ لوگ فاروقی کے بارے میں چاہے کچھ بھی کہتے رہیں مگر میرے دل میں موجود اس کی قدر و قیمت میں رتی برابر کمی نہیں آ سکتی۔''

میں نے دل ہی دل میں اس سراپا حماقت شخص کو جو بھی کہہ سکتا تھا، اس میں کسی ''کوتاہی'' سے کام نہیں لیا پھر بہ آواز بلند کہا۔ ''باسط صاحب! آفرین ہے، آپ بڑے جگر والے ہیں۔ یہ آپ ہی کا ظرف ہے، ہما شما کے بس کی بات نہیں۔''

''میں نے فاروقی کی خاطر اپنے سگے بیٹے کی مخالفت بھی مول لی۔'' وہ خاصا جذباتی ہو رہا تھا۔ ''شعیب کو فاروقی کے بارے میں ایک غلط فہمی ہو گئی تھی۔ پوچھ لیں، آپ کے سامنے کھڑا ہے۔'' بات ختم کرتے ہی اس نے میرے موکل کی جانب اشارہ کیا۔

میں نے ملزم سے کوئی استفسار نہ کیا اور نہ ہی گواہ کی خوش فہمی دور کرنے کی کوشش کی کہ ملزم کو فاروقی کے بارے میں کوئی غلط فہمی نہیں ہوئی تھی بلکہ وہ اول آخر فاروقی ہی کو اپنی اور اپنے گھر کی تباہی کا ذمے دار سمجھتا ہے۔ میں نے نہایت ہی محتاط اور معنی خیز الفاظ کا سہارا لیا اور گواہ کو ایک شفاف آئینہ دکھانے کی کوشش کی۔

''آپ ٹھیک کہتے ہیں باسط صاحب! واقعی، زاہد فاروقی مختلف مواقع پر آپ کے بہت کام آتا رہا ہے۔ کسی پٹھان کو بھاری سود ادا کر کے اس نے آپ کو پانچ لاکھ جیسی بڑی رقم

فراہم کی۔ ازیں علاوہ بیوی کے انتقال کے بعد آپ کی زندگی میں جو خلا پیدا ہو گیا تھا اس کی بھرائی میں بھی فاروقی نے نہایت ہی اہم رول ادا کیا ہے۔ مقتولہ شکیلہ سے آپ کی شادی فاروقی ہی کی کوششوں کا نتیجہ تھی نا؟''

''جی ہاں ...... جی ہاں......'' اس نے بڑی شدت سے اثبات میں گردن ہلائی اور بولا۔ ''فاروقی بہت ہی نیک انسان ہے۔ کبھی آپ اس سے ضرور ملئے گا۔''

''کبھی کیا، آپ سے فارغ ہونے کے بعد میں اسی کمرے میں زاہد فاروقی سے ایک بھرپور ملاقات کروں گا۔'' میں نے اپنی معلومات کی روشنی میں کہا۔ ''وہ اس وقت عدالت سے باہر برآمدے میں موجود ہے۔ آپ کے بعد اس کی گواہی ہو گی۔'' پھر میں نے وکیل استغاثہ کی طرف دیکھا اور کہا۔ ''میں غلط تو نہیں کہہ رہا وکیل صاحب؟''

اس نے ''ہاں'' کی اور نہ ہی تردید کی کوشش میں گردن جھٹکی۔ میں کٹہرے میں کھڑے گواہ کی جانب متوجہ ہو گیا۔ میں نے مقتولہ کے شوہر کو مخاطب کرتے ہوئے سوال کیا۔

''باسط صاحب! حالات و واقعات کی وضاحت کے لئے استغاثہ نے جتنے صفحے کالے کئے ہیں ان میں ایک نہایت ہی اہم پوائنٹ کو بڑی بے دردی سے نظر انداز کیا گیا ہے۔ آپ اس پوائنٹ کے بارے میں کیا کہیں گے؟''

میرا استفسار چونکہ خاصا مبہم تھا اس لئے وہ پوچھے بنا نہ رہ سکا۔ ''کون سا پوائنٹ وکیل صاحب؟''

''جائے وقوعہ کا جو نقشہ کھینچا گیا ہے اس سے تو یہی ظاہر ہے کہ قاتل اور مقتولہ کے بیچ کم و بیش دس منٹ تک کھینچا تانی ہوتی رہی تھی۔'' میں نے اپنا مقصد واضح کرتے ہوئے کہا۔ ''استغاثہ کے مطابق میرا موکل مجرمانہ حملے کی غرض سے مقتولہ کے بیڈ روم میں گھسا۔ ان دونوں کے درمیان اتنی شدید چھینا جھپٹی ہوئی کہ بچاؤ کی کوشش میں مقتولہ کا لباس تار تار ہو گیا۔ آپ مقتولہ کے شوہر ہیں، آپ سے زیادہ یہ بات اور کوئی نہیں جانتا ہو گا، کیا آپ معزز عدالت کو بتانا پسند فرمائیں گے کہ آپ کی بیوی کے منہ میں زبان نہیں تھی؟''

''یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں جناب؟'' وہ ناگواری سے مجھے دیکھتے ہوئے بولا۔

''آپ کی خفگی سے ظاہر ہوتا ہے کہ مقتولہ بھی منہ میں زبان رکھتی تھی۔''

''آپ کو شک کیوں ہے؟''

میں نے اس کے سوال کا جواب دینے کی بجائے اپنا استفسار یہ انداز جاری رکھا۔ ''اس کا مطلب ہے اگر مقتولہ کی زبان سلامت تھی تو پھر وہ قوتِ گویائی سے بھی مالا مال ہو گی؟''

''بے شک...... بے شک!''
''پھر اس نے وقوعہ کے وقت غیر فطری ردِ عمل کا مظاہرہ کیوں کیا؟''
''میں سمجھا نہیں، آپ کیا کہنا چاہ رہے ہیں؟''
میں نے کہا۔''جب...... استغاثہ کے مطابق ملزم مقتولہ کو اپنی خواہش کے تابع لانے کی جدوجہد میں مصروف تھا تو مقتولہ نے اپنے لب کیوں سی رکھے تھے؟ وہ مدافعت اور مخالفت تو پیش کر رہی تھی لیکن اس ظلم کے خلاف اس کی زبان سے ایک جملہ تک ادا کیوں نہیں ہوا؟ ملزم اسے زیر کرنے کے لئے دست درازی کرتا رہا، نتیجے میں مقتولہ کا لباس دھجیوں میں بکھرتا چلا گیا مگر اس نے زبانی احتجاج کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ یہ سمجھ میں آنے والی بات نہیں، عقل اسے تسلیم کرنے سے انکاری ہے۔ ایسی صورت میں تو ایک گونگی عورت بھی ''غوں غاں'' کی صدائیں بلند کر کے آسمان سر پر اٹھا لیتی ہے۔ مقتولہ کے پھٹے ہوئے لباس سے یہ شہادت تو ملتی ہے کہ اس نے ظلم کے خلاف بھرپور مزاحمت کی تھی مگر اس کی زبان پر کون سا قفل پڑا ہوا تھا؟''
''آپ...... آپ......'' باسط غصے اور ندامت کی ملی جلی کیفیت کے زیر اثر جھرجھراتی ہوئی آواز میں بولا۔''آپ یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ شکیلہ نے اس موقع پر چیخنے چلانے کی کوشش نہیں کی ہوگی؟''
''یہ میں نہیں کہہ رہا مسٹر باسط!'' میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔''بلکہ حقائق اس جانب واضح اشارہ کر رہے ہیں کہ وقوعہ کے روز آپ کے فلیٹ کے اندر سے کسی عورت کے چیخنے چلانے کی ایک صدا تک نہیں اُبھری۔ اگر ایسا ہوا ہوتا تو......'' میں نے دانستہ جملہ نامکمل چھوڑا اور حاضرین عدالت پر ایک بھرپور نگاہ ڈالنے کے بعد دوبارہ گواہ کی جانب متوجہ ہو گیا۔
''باسط صاحب! آپ تھوڑی دیر پہلے اس حقیقت کا اعتراف کر چکے ہیں کہ بلاک اے کے تھرڈ فلور پر واقع پانچوں فلیٹ پوری طرح آباد ہیں۔ آپ کی رہائش تین سو پانچ نمبر میں ہے۔ باقی چار فلیٹس میں بھی فیملی والے لوگ رہتے ہیں۔ کیا وقوعہ کے وقت ان چاروں فلیٹس کے افرادِ خانہ گہری نیند میں تھے، کسی نے آپ کے فلیٹ میں ہونے والی دھینگا مشتی کو محسوس کیا اور نہ ہی مظلوم کی فریاد کسی کی سماعت تک رسائی حاصل کر سکی۔ یہ غیر فطری، غیر منطقی اور عقل میں نہ آنے والی بات ہے۔ جب کہ وقوعہ کا وقت بھری دوپہر یعنی گیارہ اور بارہ بجے کے درمیان کا ہے۔ یہ ایک ایسا وقت ہے جب گھروں کے اندر خواتین دوپہر کا

کھانا بنانے کی تیاریوں میں مصروف ہوتی ہیں۔ خواتین کی تمام تر حسیات تو ویسے بھی بہت تیز ہوتی ہیں۔ ازیں علاوہ فلیٹ سسٹم میں تو ایک گھر کے معاملات کو دوسرے گھر سے پوشیدہ رکھنا ناممکن کی حد تک مشکل ہوتا ہے کجا یہ کہ آپ کی بیوی دس منٹ تک ایک ظالم شکاری کی گرفت میں نہ آنے کے لئے تگ و دو میں مصروف رہی اپنی ناموس کی حفاظت میں اس کا لباس ٹکڑوں میں بٹتا رہا اور کسی پڑوسن کو کانوں کان خبر نہ ہوئی۔'' میں ایک لمحے کو سانس لینے کی خاطر متوقف ہوا پھر سلسلۂ کلام کو جاری رکھتے ہوئے کہا۔
''استغاثہ کی جانب سے دائر کئے جانے والے پلندے میں کہیں ایسا کوئی ذکر موجود نہیں، کسی مرد و زن کی شہادت کا تذکرہ نہیں جس نے وقوعہ کے روز مقتولہ کی فریادی صدا سنی ہو، کوئی احتجاجی چیخ اس کی سماعت تک پہنچی ہو اور اس نے اپنے پڑوس میں کوئی گڑبڑ، کوئی ہلچل محسوس کی ہو۔ قتل کی واردات کوئی معمولی واقعہ نہیں ہوتا۔ پھر جو حالات مقتولہ کے ساتھ پیش آئے، وہ غیر معمولی سے بھی کہیں بڑھ کر ہیں۔ آپ اس بارے میں کیا کہتے ہیں؟''
''مم...... میں...... بھلا کیا...... کہہ سکتا ہوں؟'' وہ بے حد الجھے ہوئے لہجے میں بولا۔
''ٹھیک ہے...... آپ کچھ نہ کہیں۔'' میں نے اس کی مشکل آسان کرتے ہوئے کہا۔
''صرف اتنا بتا دیں، یہ بات بڑی عجیب سی نہیں لگتی کہ اٹھائیس اکتوبر کو دن دیہاڑے آپ کے فلیٹ میں ایک سنگین واردات ہوئی۔ اس واردات کا دورانیہ کم از کم پندرہ منٹ رہا اور ان پندرہ منٹ میں آپ کے بیڈ روم کے در و دیوار نے جو مناظر دیکھے وہ کسی سائلنٹ مووی کی شوٹنگ نہیں تھی۔ اس کے باوجود بھی اس سنسنی خیز واقعے کی آس پڑوس میں کسی کو خبر نہ ہو سکی!''
''ہاں...... واقعی یہ عجیب سا لگتا ہے۔'' وہ آنکھیں پھیلاتے ہوئے بولا۔
''تھینک یو مسٹر باسط!'' میں نے معتدل لہجے میں کہا، پھر پوچھا۔''وقوعہ کے روز آپ اپنی دکان پر تھے۔ اس اندوہناک واقعے کی اطلاع آپ کو کس نے دی تھی؟''
''میری بیٹی فوزیہ نے۔'' اس نے بتایا۔
''فوزیہ اپنی گواہی کے دوران میں معزز عدالت کے رو برو یہ اقرار کر چکی ہے کہ جب اس واقعے کی اطلاع پا کر آپ گھر پہنچے تو زاہد فاروقی بھی آپ کے ہمراہ تھا؟''
''جی ہاں...... یہ بات درست ہے۔''
''جب آپ کی دکان پر فوزیہ کا فون آیا تو کیا اس وقت فاروقی وہاں موجود تھا؟'' میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔''یا بعد میں اس نے آپ کو جوائن کیا تھا؟''

اس نے جواب دیا کہ وقوعہ کی اطلاع کے موقع پر فاروقی اس کی دکان میں موجود تھا۔
میں نے جرح کے سلسلے کو اختتام کی طرف لاتے ہوئے کہا۔
''واقعات و حالات کے مطابق آپ کی بیٹی فوزیہ نے لگ بھگ سوا دو بجے آپ کو فون کیا تھا۔'' میں نے نہایت ہی ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''آپ معزز عدالت کو بتانا پسند فرمائیں گے کہ مذکورہ روز فاروقی کتنے بجے آپ کی دکان پر پہنچا تھا؟''
''ایک بجے دوپہر!'' اس نے حتمی لہجے میں کہا۔
''مجھے اور کچھ نہیں پوچھنا جناب عالی!'' میں نے جج کی جانب دیکھتے ہوئے جرح ختم کر دی۔
عدالت میں ایک وقت میں صرف ایک گواہ کو حاضر کیا جاتا ہے تاکہ اس سے کئے گئے سوال و جواب سے دوسرے گواہ کی شہادت متاثر نہ ہو۔ باقی حاضر گواہ عدالت کے برآمدے میں بچھی بینچ پر بیٹھ کر ''پکار'' کا انتظار کرتے ہیں۔
عبدالباسط کی گواہی ہو چکی تو اسے عدالت کے کمرے سے باہر بھیج دیا گیا۔ اب زاہد فاروقی کو اندر آکر گواہوں والے کٹہرے میں کھڑا ہونا تھا لیکن یہیں پر گڑبڑ ہو گئی۔
عدالتی عملے نے جب فاروقی کو پکارا تو وہ اپنی جگہ پر موجود نہ پایا گیا۔ جج نے متعلقہ عدالتی عملے کے علاوہ تفتیشی افسر اور وکیل استغاثہ کو بھی ہدایت کی کہ گواہ کو ڈھونڈ ڈھانڈ کر فوراً عدالت میں پیش کیا جائے۔ مگر دس منٹ کی تگ و دو کے بعد بھی فاروقی ہاتھ نہ آیا۔
اس افراتفری میں اچھا خاصا وقت نکل گیا۔ کسی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا، وہ اللہ کا بندہ چپ چپاتے کدھر چلا گیا تھا۔ اس کی روپوشی یا فرار مختلف نوعیت کے شکوک و شبہات کو جنم دے رہا تھا۔ جب عدالت کا وقت ختم ہونے میں صرف پانچ منٹ رہ گئے تو جج نے دس دن بعد کی تاریخ دے کر عدالت برخاست کرنے کا اعلان کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے وکیل استغاثہ کو تاکید بھی کر دی۔
''آئندہ پیشی پر گواہ کو ہر صورت عدالت میں پیش کیا جائے۔'' جج نے دوٹوک لہجے میں کہا پھر اپنے سامنے میز پر پھیلے ہوئے کاغذات پر نگاہ ڈالتے ہوئے بولا۔ ''مسٹر فاروقی استغاثہ کا آخری گواہ ہے، اس کے نمٹنے کے بعد ہی ڈیفنس کی باری آئے گی۔ عدالت کسی قسم کی تاخیر کو برداشت نہیں کرے گی۔''
زاہد فاروقی اچانک عدالت کے برآمدے سے اٹھ کر کہاں چلا گیا تھا، یہ کسی معمے سے کم نہیں تھا۔ اس بات کے امکانات نہ ہونے کے برابر تھے کہ کمرے کے اندر ہونے والی

عدالتی کارروائی اس کی سماعت تک پہنچ گئی ہو۔ اس کے غیاب نے مجھے تشویش میں مبتلا کر دیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی مجھے یہ اطمینان بھی حاصل ہوا کہ فاروقی مضبوط بنیاد کا گواہ نہیں تھا۔ اگر میں اس پر تھوڑی سی محنت کر لیتا تو اس کیس کو بڑی آسانی سے اپنے حق میں موڑ سکتا تھا۔
آئندہ پیشی سے پہلے میں نے ایک خاص کام کیا اور وہ یہ کہ ملزم کے دو دوستوں کو اپنے دفتر میں بلا کر ان سے بھرپور ملاقات کی۔ وحید اور ابرار نے مجھے یقین دلایا کہ وہ سچ اور حق کا ساتھ دینے کے لئے کسی بھی وقت عدالت میں حاضر ہونے کو تیار ہیں۔ میں نے احتیاطاً انہیں آئندہ پیشی پر عدالت میں بلا لیا۔ اس بھرپور ملاقات میں ہمارے درمیان ہر بات طے ہو گئی تھی۔ وحید اور ابرار ملزم کے وہی دوست تھے جن کے ساتھ وقوعہ کے روز اس نے شکار کا پروگرام بنایا تھا...... لیکن بدقسمتی سے کسی اور کے پھیلائے ہوئے جال میں پھنس کے خود شکار ہو گیا تھا!
دس دن کی مدت پَر لگا کر اُڑ گئی۔ آئندہ پیشی پر بھی استغاثہ اپنے آخری گواہ کو عدالت میں حاضر کرنے میں ناکام رہا۔ یہ صورتِ حال خاصی مشکوک اور سنسنی خیز تھی۔ گواہ کی مسلسل روپوشی بہت سے ذہنوں کو الجھا رہی تھی۔ جج نے انکوائری آفیسر کو سختی سے ہدایت کی کہ آئندہ پیشی پر گواہ کو ہر قیمت پر عدالت میں پیش کیا جائے ورنہ اس کی گواہی کو خارج کر دیا جائے گا۔
اس موقع پر میں نے اپنی جگہ سے اٹھ کر معزز عدالت سے درخواست کی۔ ''جناب عالی! اگر آپ کی اجازت ہو تو میں صفائی کے دو گواہوں کو عدالت میں پیش کرنا چاہتا ہوں۔ اس کیس کے سلسلے میں آج بھی کچھ نہ کچھ کارروائی ہو ہی جائے تو اچھا ہے۔'' پھر میں نے وکیل استغاثہ کی جانب دیکھتے ہوئے اضافہ کیا۔ ''استغاثہ کا گواہ مسٹر زاہد فاروقی جب ہاتھ آئے گا تو اس کی گواہی بھی ہو جائے گی۔ اس طرح عدالت کا قیمتی وقت برباد ہونے سے بچ جائے گا۔''
میری تجویز معقول تھی لہٰذا جج نے اثبات میں گردن ہلائی اور پوچھا۔ ''آپ جن دو گواہوں کو پیش کرنا چاہتے ہیں وہ اس وقت کہاں ہیں؟''
''وہ دونوں شریف آدمی عدالت کے برآمدے میں موجود ہیں۔''
''اوہ......'' جج نے بھویں اچکائیں۔ ''اس کا مطلب ہے آپ کو آج مسٹر فاروقی کی غیر حاضری کا یقین تھا وکیل صاحب؟''

اس کا انداز ستائشی تھا۔ میں نے اثبات میں سر ہلانے پر اکتفا کیا۔
''دیٹس گڈ!'' جج نے معنی خیز لہجے میں کہا۔
پھر اس کے حکم پر وحید اور ابرار کو باری باری جج کے سامنے حاضر کیا گیا۔ انہوں نے اپنی اپنی باری پر سچ بولنے کا حلف اٹھایا پھر اپنا مختصر بیان ریکارڈ کرا دیا۔ ان دونوں کی گواہی میرے موکل کے حق میں جاتی تھی۔ وکیل استغاثہ نے ان پر کڑی جرح بھی کی۔ میں اس کی تفصیل میں نہیں جاؤں گا۔ تاہم میں وحید اور ابرار کے حلفیہ بیان کا خلاصہ ضرور آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔

ان دونوں نے فرداً فرداً ملزم کے موقف کی تصدیق کرتے ہوئے بتایا تھا کہ وقوعہ کے روز ملزم شعیب پونے گیارہ بجے وحید کے پاس پہنچا تھا۔ وحید کی رہائش بھی گلشن اقبال کے علاقے میں تھی۔ ملزم کے گھر سے اس کے گھر کا فاصلہ زیادہ نہیں تھا لہٰذا وہ ساڑھے دس بجے اپنے گھر سے نکلا اور پونے گیارہ بجے وحید کے پاس پہنچ گیا۔ پھر یہ دونوں دوست اپنے ایک تیسرے دوست سے ملنے پی آئی بی کالونی گئے۔ ابرار کے پاس وہ لگ بھگ سوا گیارہ بجے پہنچے تھے۔ دن کا بیش تر حصہ انہوں نے ایک ساتھ گزارا، پھر سہ پہر چار بجے ان کے درمیان شکار کا پروگرام بن گیا۔ وہ تینوں اٹھے اور وحید کے گھر آ گئے۔ وحید کو اپنی چھرّے والی بندوق لینا تھی۔ ابرار کو وحید کے گھر چھوڑ کر شعیب چاقو لینے اپنے گھر آ گیا ...... اور یہاں پہلے سے گھات لگائے پولیس والوں نے اسے گرفتار کر لیا۔
مقتولہ شکیلہ کی موت، پوسٹ مارٹم رپورٹ کے مطابق دوپہر گیارہ اور بارہ بجے کے درمیان واقع ہوئی تھی اور وحید اور ابرار کی گواہی یہ ظاہر کرتی تھی کہ ملزم شعیب ساڑھے دس بجے سے لے کر شام پانچ بجے تک اپنے گھر یعنی وقوعہ سے دور رہا تھا۔
یہ شعیب کے لئے ایک پلس پوائنٹ تھا۔

☆☆☆

پولیس اگر کسی کام پر کمربستہ ہو جائے تو بدمعاش کو پاتال سے بھی کھینچ لاتی ہے۔ اگلی پیشی پر استغاثہ کا گواہ مسٹر زاہد فاروقی عدالت میں حاضر تھا۔ گزشتہ پیشی پر صفائی کے گواہوں کے بیانات کے بعد فاروقی کی حیثیت خاصی متنازعہ ہو کر رہ گئی تھی۔ فاروقی گہری سانولی رنگت کا مالک ایک مضبوط البدن اور دراز قامت شخص تھا۔ اس کی عمر لگ بھگ پینتالیس سال رہی ہو گی۔ اس نے آنکھوں پر گہرے شیشوں والا چشمہ لگا رکھا تھا۔ یہ اندازہ لگانا مشکل تھا کہ وہ دھوپ کا چشمہ تھا یا پھر نگاہ کا!

اس وقت فاروقی خاصا مضمحل اور بیزار نظر آ رہا تھا، انداز سے نقاہت جھلکتی تھی۔ شاید اس نوعیت کی اداکاری کر کے وہ اس بیان کو جسٹیفائی کر رہا تھا جو اس نے اپنی غیر حاضری کے سلسلے میں دیا تھا۔ اس نے اپنی اچانک بیماری کا بہانہ کیا تھا۔
''پتہ نہیں، وکیل استغاثہ اس کی بیماری والی کہانی پر ایمان لے آیا تھا یا پھر کوئی اور وجہ تھی۔ بہرحال اس نے سرسری سی جرح کے بعد گواہ کو فارغ کر دیا۔ میں اپنی باری پر آگے بڑھا اور گواہ کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔
''فاروقی صاحب! اب آپ کی طبیعت کیسی ہے؟''
''ٹھیک نہیں ہے ......'' وہ کراہتے ہوئے بولا۔
''اللہ ٹھیک کرے گا۔'' میں نے کہا، پھر پوچھا۔ ''آخر آپ کو ہو کیا گیا تھا؟ اس روز آپ عدالت کے برآمدے سے اچانک کہاں غائب ہو گئے تھے؟''
اس نے چند لمحات تک ساکت نظر سے مجھے دیکھا پھر جواب دیتے ہوئے گویا ہوا۔
''اس روز اچانک مجھے باتھ روم جانے کی ضرورت پیش آ گئی۔ میرے پیٹ میں شدید قسم کا مروڑ اٹھا تھا، پھر ڈائریا (مرض اسہال) نے مجھ پر حملہ کر دیا اور مجبوراً مجھے ایمرجنسی میں عدالت سے گول ہونا پڑا۔''
''مگر آپ تو کافی عرصے تک منظر سے غائب رہے!'' میں نے تفریح لینے والے انداز میں کہا۔ ''ڈائریا اتنا طول تو نہیں کھینچتا؟''
اس نے ایک ٹھنڈی آہ بھری اور کمزوری کی اداکاری کرتے ہوئے بولا۔ ''بس کیا بتاؤں بھائی! مجھے تو ہسپتال میں داخل ہونا پڑا تھا۔ کئی ڈرپیں چڑھیں، پھر کہیں جا کر اٹھنے کے قابل ہوا ہوں۔'' بات ختم کرتے ہی وہ بائیں ہاتھ کی مٹھی کو کھول بند کرنے لگا۔ ان حرکات سے وہ بھرپور نقاہت کا اظہار بھی کر رہا تھا۔
میں نے فروعی اور غیر ضروری باتوں سے اجتناب برتتے ہوئے پوچھا۔ ''کیا آپ اس ہسپتال کا نام بتانا پسند فرمائیں گے جہاں آپ کو ڈرپیں (ڈرپس) چڑھتی رہی ہیں؟''
''اس وقت ہسپتال کا نام میرے ذہن میں نہیں آ رہا۔'' وہ عجیب سے لہجے میں بولا۔
''مذکورہ ہسپتال کس علاقے میں واقع ہے؟''
''حسین آباد میں۔''
''اور آپ کی رہائش؟''
''سمن آباد میں۔''

''آپ کو اپنی رہائش اور ہسپتال کے علاقے کا نام یاد ہے مگر ہسپتال کا نام یادنہیں آ رہا۔'' میں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ ''یہ کچھ عجیب سی اور نا قابل فہم بات نہیں ہے؟''

''وہ...... وہ دراصل ...... ایک پرائیویٹ کلینک تھا۔'' وہ اپنی پیشانی کو سہلاتے ہوئے بولا۔

''چلیں، اس کلینک کا نام ہی بتا دیں؟'' میں اسے آسانی سے چھوڑنے والا نہیں تھا۔

وہ تھوڑی دیر تک سوچنے والے انداز میں پیشانی کو مسلتا رہا، پھر بے بسی سے بولا۔

''افسوس باوجود کوشش کے بھی مجھے اس کلینک کا نام یادنہیں آرہا۔''

''مسٹر فاروقی!'' میں نے درشت لہجے میں کہا۔ ''ڈائریا اتنا خطرناک نہیں کہ اس سے یادداشت ہی جاتی رہے ...... اور وہ بھی اپنی مرضی کے مطابق جزوی طور پر۔ ٹھیک ہے ڈائریا انسانی زندگی کے لئے مہلک ثابت ہوسکتا ہے مگر جیسا آپ ظاہر کرنے کی کوشش کر رہے ہیں، ڈائریا یادداشت پر اس طور اثر انداز نہیں ہوتا۔''

میرے سوال کا جواب دینے کی بجائے وہ خاموش رہا تو وکیل استغاثہ اس کی مدد کو دوڑ پڑا۔ اس نے چیخ سے مشابہ آواز میں کہا۔

''مجھے سخت اعتراض ہے جناب عالی! وکیل صفائی گواہ کو غیر متعلق باتوں میں الجھا کر اصل موضوع سے ہٹ رہے ہیں۔ اس وقت شکیلہ مرڈر کیس زیر سماعت ہے۔ گواہ کی بیماری اور کسی ہسپتال میں علاج کا موجودہ کیس سے کوئی تعلق نہیں۔ فاضل وکیل کو تاخیری حربوں سے باز رہنے کی ہدایت کی جائے۔''

وکیل استغاثہ کی درخواست پر جج نے مجھ سے کہا۔ ''بیگ صاحب! آپ اپنے سوالات کو زیر سماعت مقدمے تک محدود رکھیں۔''

میں نے اثبات میں سر ہلایا اور گواہ کی جانب متوجہ ہوگیا۔ ''فاروقی صاحب! مقتولہ کا شوہر آپ کی دوستی کے گن گاتا نہیں تھکتا۔ آپ نے اس پر کیا جادو کر رکھا ہے؟''

''پُرخلوص اور سچی دوستی کسی جادو ٹونے کی محتاج نہیں ہوتی۔''

''بجا فرمایا آپ نے۔'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''آپ کا جگری دوست مسٹر عبدالباسط اپنے بیان کی روشنی میں معزز عدالت کے روبرو آپ کی تعریفوں کے پل باندھ چکا ہے۔ آپ نے اس پر جو جو احسانِ عظیم فرما رکھے ہیں اس نے ان کی تفصیلات سے آگاہ کیا ہے۔ آپ خوش قسمت ہیں کہ آپ کو باسط جیسا دوست میسر ہے۔''

''اس نے میری تعریف میں جو کچھ کہا، یہ اس کے اعلیٰ ظرف ہونے کی پہچان ہے۔''

میں نے اپنی جرح میں تھوڑا کاسٹک سوڈا شامل کر لیا اور گواہ کی صفائی دھلائی کرتے ہوئے سخت لہجے میں استفسار کیا۔

''مسٹر فاروقی! کیا یہ سچ ہے کہ آپ نے ملزم کو ختم کرنے کے لئے اس پر قاتلانہ حملہ کرایا تھا...... ایک نہیں تین مرتبہ!''

''یہ جھوٹ ہے ...... مجھ پر الزام ہے۔'' وہ برہمی سے بولا۔ ''شعیب پتہ نہیں کیوں مجھ سے بدگمان ہوگیا تھا۔ یہ سب اس کی سوچی ہوئی کہانی ہے۔''

''ملزم اگر آپ سے بدگمان ہوگیا تھا تو آپ کا فرض بنتا تھا کہ اس کی بدگمانی دور کرتے۔'' میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ ''وہ آپ کے ایک ایسے دوست کا بیٹا تھا جو آپ کی ان فٹ دوستی پر اندھا اعتماد کرتا ہے۔''

''میں نے اپنے تئیں بہت کوشش کی کہ اس کا ذہن صاف کر دوں مگر افسوس کہ مجھے اس کوشش میں کلی طور پر ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔'' اس نے چہرے پر مایوسی کے تاثرات سجاتے ہوئے کہا۔

''آپ نے ملزم کی بدگمانی کا سبب جاننے کی سعی کی؟''

''ہاں......'' اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ ''مگر اس سلسلے میں بھی مجھے کامیابی حاصل نہ ہوسکی۔ ملزم انتہائی بدتمیز اور سرکش شخص ہے۔ یہ اپنے سامنے باپ کو کچھ نہیں گردانتا، مجھے کیا اہمیت دے گا۔''

میں نے پوچھا۔ ''ویسے آپ کے خیال میں ملزم کی برہمی اور برگشتگی کا سبب کیا ہوسکتا ہے؟''

''شاید سوتیلی ماں یعنی مقتولہ کی اپنے گھر میں آمد اسے پسند نہیں آئی تھی۔''

''اور یہ آمد چونکہ آپ کے وسیلے سے ہوئی تھی اس لئے وہ آپ کو بھی ناپسند کرنے لگا!''

''بالکل، بالکل ...... یہی وجہ ہے۔'' وہ جلدی سے بولا۔ ''میں نے تو ایک نیکی سمجھ کر باسط کی شادی کرا دی تھی۔ مجھے کیا معلوم تھا اس کے بدلے باسط کا بیٹا میرا دشمن بن جائے گا۔ میں نے انہی دو بہن بھائی کا خیال کرتے ہوئے باسط سے شادی پر زور دیا اور اس نے عقل مندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے میری بات مان بھی لی۔ بچوں کے لئے گھر میں کسی عورت کا ہونا بہت ضروری ہے، چاہے وہ بچے چھوٹے ہوں یا بڑے۔ مگر صاحب!'' وہ لمحے بھر کو متوقف ہوا پھر عجیب سے لہجے میں بولا۔ ''میرے اس احسان کو ملزم نے غلط رنگ دیا۔ اس نے نہ صرف اپنی سوتیلی ماں کی کردار کشی کی بلکہ اس پر مجرمانہ حملے کے لئے بھی اٹھ کھڑا

ہوا۔ توبہ...... توبہ!'' بات ختم کرتے ہی اس نے اپنے کانوں کو چھوا اور جذباتی انداز میں بولا۔ ''ملزم کے اس اقدام کے سامنے اس نفرت کی کوئی حیثیت نہیں جو ملزم کے دل میں میرے لئے ہے۔''

میں نے اس کے جذباتی ڈائیلاگ کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔ ''مسٹر فاروقی! اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ ملزم محض سوتیلی ماں کے سبب آپ کو ناپسند کرتا ہے تو یہ آپ کی کم علمی ہوگی۔ آپ سے نفرت کرنے کے لئے اس کے پاس اور بھی بہت سی وجوہات ہیں۔''

''مثلاً کون سی وجوہات؟'' اس نے غصیلی نظر سے مجھے دیکھا۔

میں نے کہا۔ ''ملزم کی جان لینے کے لئے آپ کی کوشش کا میں ذکر کر چکا ہوں۔ سوتیلی ماں والا معاملہ بھی زیر بحث آچکا۔ اب میں بنگلے کی فروخت اور قرض کی طرف آتا ہوں۔''

میں نے تھوڑا توقف کر کے حاضرین عدالت پر ایک سرسری سی نگاہ ڈالی پھر گواہ کی جانب متوجہ ہو گیا۔ اس بار میرا انداز خاصا ترش اور اُکھڑا ہوا تھا۔

''مسٹر فاروقی! ملزم کی آپ سے نفرت کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ آپ نے ان کی مجبوری کا فائدہ اٹھاتے ہوئے بیس لاکھ مالیت کا بنگلا محض بارہ لاکھ روپے میں خرید لیا تھا؟''

''یہ جھوٹ ہے......'' وہ چلایا۔ ''باسط کا بنگلا میں نے نہیں کسی اور پارٹی نے خریدا تھا۔ باسط کو سارے حالات کی خبر ہے۔ جب وہ اس فروخت پر مطمئن ہے تو ملزم کو شور مچانے کی کیا ضرورت ہے؟''

''ملزم اس لئے شور مچاتا رہا ہے اور اب بھی مچا رہا ہے کہ اس کے خیال میں آپ نے اس کے باپ کو مسلسل دھوکے میں رکھا ہوا ہے۔'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''آپ نے ایک فرضی پارٹی سامنے لا کر اپنے دوست کی پیٹھ میں خنجر گھونپا اور وہ بنگلا اونے پونے میں ہتھیا لیا۔''

''اس بارے میں سوچنا باسط کا کام ہے۔'' وہ بگڑے ہوئے لہجے میں بولا۔ ''ملزم کون ہوتا ہے ہم دوستوں کے بیچ آنے والا!''

اس تمام ذکر سے میں عدالت کو باور کرانا چاہتا تھا کہ فاروقی کس ٹائپ کا کردار تھا۔ اگر میری اس کوشش سے کچھ حاصل نہ بھی ہوتا تو کم از کم فاروقی کی حیثیت کا تعین ضرور ہو جاتا۔ میں نے اس کے چہرے پر نگاہ جماتے ہوئے کہا۔

''میں آپ کی بات سے اتفاق کرتا ہوں۔ واقعی ملزم کو آپ لوگوں کی دوستی میں رخنہ نہیں ڈالنا چاہئے۔ آپ نے قرض کے سلسلے میں باسط کی خاطر جو قربانی دی ہے، اس کی مثال

پوری دنیا میں کہیں نہیں ملتی۔ کیا ملتی ہے؟'' بات کے اختتام پر میں نے اسی سے سوال کر ڈالا۔

وہ بولا۔ ''میں نے جو کچھ کیا وہ میرا فرض بنتا تھا۔''

''آپ جیسے فرض نبھانے والے اب دنیا میں ناپید ہوتے جا رہے ہیں۔'' میں نے گہری سنجیدگی کی ایکٹنگ کرتے ہوئے کہا۔ ''واہ...... واہ...... سبحان اللہ! آپ نے تیس لاکھ کا نقصان برداشت کر لیا اور آپ کی زبان سے اُف تک نہیں نکلی؟''

''تیس لاکھ کا نقصان؟'' جج نے حیرت سے آنکھیں پھیلائیں اور مجھ سے استفسار کیا۔ ''بیگ صاحب! یہ تیس لاکھ کی کیا کہانی ہے؟''

میں نے مزے لے لے کر جج کو بتایا۔ ''یور آنر! جیسا کہ معزز عدالت کے ریکارڈ پر موجود ہے کہ ملزم کی حقیقی والدہ کا انتقال سرطان جیسے موذی مرض کے باعث ہوا تھا۔ بیوی کے علاج معالجے کے لئے ملزم کے والد عبدالباسط نے نہ صرف اپنا بنگلا اور کاروبار فروخت کر دیا بلکہ اسے عزیز و اقارب سے بھاری قرض بھی لینا پڑا۔ سب سے بڑی مثال مسٹر فاروقی کی ہے۔ انہوں نے کسی سود خور سے بھاری مارک اَپ پر پانچ لاکھ کی رقم اٹھائی اور اپنے دوست کو بیوی کے علاج کے لئے دے دی۔ مارک اَپ والی بات کو گواہ نے گول کر دیا۔ باسط یہی سمجھتا رہا کہ وہ رقم گواہ نے اپنی جیب سے قرض دی ہے۔ پانچ سال بعد یعنی باسط کی بیوی کے انتقال کے فوراً بعد گواہ نے اپنی پانچ لاکھ کی رقم کا مطالبہ کرتے ہوئے باسط کو مارک اپ والے راز سے واقفیت دے دی۔ لیکن اس بات پر مصر رہا کہ وہ اصل رقم واپس لے گا، مارک اَپ کے ذیل میں وہ اپنے دوست سے ایک پیسہ وصول نہیں کرے گا۔''

میں سانس لینے کے لئے متوقف ہوا پھر سلسلۂ کلام کو جاری رکھتے ہوئے کہا۔ ''جناب عالی! گواہ کے بقول پانچ لاکھ کی یہ رقم اس نے ایک سود خور سے دس فی صد ماہانہ مارک اَپ پر لی تھی۔ پانچ لاکھ پر دس فیصد ماہانہ کا مطلب ہے پورے پچاس ہزار روپے۔ یعنی ایک سال کا مارک اپ ہوا چھ لاکھ روپے...... اور پانچ سال میں مارک اپ کی رقم پہنچ گئی تیس لاکھ روپے تک...... ٹھیک ہے گواہ نے یہ رقم سود خور کو ایک ساتھ نہیں دی۔ وہ اصل قرض کا دس فی صد مارک اَپ ماہانہ ادا کرتا رہا۔ مگر گواہ کا یہ ایثار بھی حیران کن ہے کہ اس نے زبان پر خاموشی کی مہر ثبت کر کے ایک دوست کی خاطر تیس لاکھ کا سودا ادا کر دیا اور......''

''آبجیکشن یور آنر!'' وکیل استغاثہ نے اعتراض اٹھاتے ہوئے کہا۔ ''قرض اور سود کے لین دین کا زیر سماعت کیس سے کوئی تعلق نہیں۔ میرے فاضل دوست خواہ مخواہ عدالت کا

قیمتی وقت برباد کر رہے ہیں۔"

"تعلق ہے ...... اور بڑا گہرا تعلق ہے!" میں نے ترکی بہ ترکی کہا۔ "گواہ فاروقی نے مقتولہ کے شوہر اور ملزم کی زندگی میں جس قسم کا کردار ادا کیا ہے اس کو سمجھنے کے لئے ان واقعات کی تفصیل میں جانا ضروری ہے جو اس خاندان کی تباہی کا سبب بنے ہیں۔" پھر میں جج کی جانب مڑا اور کہا۔ "جنابِ عالی! اس بات کی کوئی حقیقت نہیں کہ گواہ نے کسی سود خور سے قرض لیا ہو۔ یہ شکل اور اعمال سے اتنا بے وقوف نظر نہیں آتا کہ پانچ لاکھ کی رقم پر تیس لاکھ مارک اَپ ادا کر دے۔ سچی بات یہ ہے کہ اس نے اپنے پاس سے باسط کو پانچ لاکھ روپے دیئے تھے اور اسے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اپنی جھوٹی دوستی کے طلسم میں گرفتار رکھنے کے لئے مارک اَپ والی کہانی چلا دی۔"

"مارک اَپ والی کہانی جھوٹی نہیں۔" گواہ فاروقی خفگی سے بولا۔ "میں نے واقعی وہ رقم ایک پٹھان سے قرض اٹھا کر باسط کو فراہم کی تھی۔"

"اس سود خور کا نام بتاؤ؟" میں نے اسے آڑے ہاتھوں لیا۔

"مم...... میں...... اس شریف آدمی کو خواہ مخواہ اس کیس میں ملوث نہیں کرنا چاہتا۔" وہ نکل بھاگنے کی کوشش کرتے ہوئے بولا۔

میں نے اس کے فرار کا ہر راستہ بند کرتے ہوئے کہا۔ "گویا تم یہ کہنا چاہتے ہو، اس کیس میں جو دیگر افراد ملوث ہیں وہ سب بدمعاش ہیں ...... بہ شمول تمہارے؟"

"میں نے تو ایسی کوئی بات نہیں کی۔"

"تمہاری بات کا یہی مفہوم بنتا ہے۔" میں نے ڈانٹ سے مشابہ انداز میں کہا۔ "تمہیں نہ صرف اس شخص کا نام بتانا ہو گا بلکہ گواہی کے لئے اسے عدالت تک بھی لانا ہو گا۔ معزز عدالت تمہاری کسی بھی کہانی کو بغیر شہادت یا ثبوت کے تسلیم نہیں کرے گی۔"

"مم...... مجھے اس سود خور کا نام یاد نہیں رہا......" وہ گھبراہٹ بھرے انداز میں بولا۔

"اس کا پتہ ٹھکانہ تو معلوم ہو گا۔" میں نے زہر میں بجھے الفاظ میں کہا۔ "تم ایک طویل عرصے تک اسے بھاری سود ادا کرنے جاتے رہے ہو۔"

"وہ...... وہ بھی......"

"آبجیکشن یور آنر!" پتہ نہیں گواہ "وہ بھی" کے آگے کیا کہنا چاہتا تھا کہ وکیل استغاثہ نے اپنا فرض پورا کرتے ہوئے کہا۔ "جنابِ عالی! شکیلہ مرڈر کیس کو خواہ مخواہ قرض والی کہانی سے منتھی کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ میں ایک مرتبہ پھر بھرپور درخواست کروں گا کہ

فاضل وکیل اپنی جرح کو متعلقات تک محدود رکھیں۔"

میں گواہ فاروقی کے حوالے سے عدالت کی توجہ جن امور کی جانب مبذول کرانا چاہتا تھا اس میں، میں نے کامیابی حاصل کر لی تھی۔ لہٰذا وکیل استغاثہ کی طرف طنزیہ نظر سے دیکھتے ہوئے میں نے کہا۔

"تھینک یو مائی ڈیئر کونسلر۔ آپ نے بروقت مجھے متعلقات سے آگاہی دی۔ پتہ نہیں، میں کہاں سے کہاں چلا گیا تھا۔ بہرحال، اگین تھینک یو۔ اب میں ایسی غلطی نہیں کروں گا۔" پھر میں کٹہرے میں کھڑے ہوئے گواہ زاہد فاروقی کی جانب گھوم گیا۔

"مسٹر فاروقی! مجھے افسوس ہے کہ ڈائریا نے آپ کی یادداشت کا سوا ستیاناس مار دیا ہے۔ آپ کو یاد نہیں کہ آپ کا علاج کس ہسپتال میں ہوا، آپ نہیں جانتے وہ سود خور شخص کہاں رہتا ہے جس کو آپ ہر ماہ ایک بھاری مارک اَپ ادا کرتے رہے حتیٰ کہ آپ کو اس بندے کا نام بھی یاد نہیں رہا۔ مگر میں آپ پر واضح کر دوں کہ اب آپ سے جو سوال پوچھنے جا رہا ہوں، اس میں یادداشت کی خرابی والا بہانہ نہیں چلے گا۔"

میں تھوڑی دیر کے لئے متوقف ہوا تو فاروقی بے چینی سے پہلو بدلنے لگا۔ میں نے کھنکار کر گلا صاف کیا اور نہایت ہی چبھتے ہوئے انداز میں دریافت کیا۔

"مسٹر فاروقی! وقوعہ کے روز تم دوپہر گیارہ اور بارہ بجے کے درمیان کہاں تھے؟"

"میں باسط کی دکان پر تھا۔" وہ بے ساختہ بولا۔

"گویا تمہاری یادداشت صرف سچ بولنے سے معذور ہے۔" میں نے درشتی سے کہا۔ "جھوٹ والے ہر معاملے میں یہ خوب چلتی ہے۔"

"میں نے ...... کون...... سا جھوٹ بولا...... ہے؟" وہ لکنت زدہ لہجے میں بولا۔

اس کے استفسار میں دم نہیں تھا۔ چہرے کے تاثرات سے صاف جھلکتا تھا وہ اپنے متعدد جھوٹوں کو نبھانے کے لئے ایک اور جھوٹ بول رہا تھا۔ میں نے لتاڑ پھٹکار کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے کہا۔

"مسٹر فاروقی! مقتولہ کے شوہر عبدالباسط نے معزز عدالت کو بیان دیا ہے کہ تم وقوعہ کے روز ٹھیک ایک بجے دوپہر اس کی دکان پر پہنچے تھے، پھر سوا دو بجے جب فوزیہ نے اس سانحے کی اطلاع دی تو تم باسط کے ساتھ ہی اس کے گھر آ گئے۔ کیا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ اس سلسلے میں تمہارے دوست باسط نے عدالت سے غلط بیانی کی ہے؟"

"مم...... مجھے چکر...... آ رہا ہے۔" وہ دونوں ہاتھوں سے سر کو تھامتے ہوئے کٹہرے کے

فرش پر اکڑوں بیٹھ گیا اور زیر لب بڑبڑانے لگا۔ ''پپ...... پتہ نہیں یہ نقاہت ...... کب رخصت ہوگی۔ ڈائریا نے تو مجھے...... مردہ سا بنا دیا ہے۔''

میں نے بہ آواز بلند گواہ کو مخاطب کیا۔ ''مسٹر فاروقی! تم فکر نہ کرو، تمہارا شافی علاج کروایا جائے گا اور جو ڈاکٹر اب تم پر طبع آزمائی کرے گا اس کا نام ہے پولیس! کیا سمجھے؟ اس ڈاکٹر کے ٹریٹمنٹ سے تمہاری یادداشت واپس آجائے گی یا پھر رہی سہی بھی......''

میں نے دانستہ جملہ ادھورا چھوڑا اور جج کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ''جناب عالی! گواہ کا کردار معزز عدالت کے سامنے کھل چکا ہے۔ میں بھرپور استدعا کروں گا کہ گواہ فاروقی کو شامل تفتیش کرتے ہوئے میرے موکل کو باعزت رہائی کے احکام صادر کیے جائیں۔''

میں ایک لمحے کو سانس لینے کی خاطر رکا، پھر اس تفصیل کو دہرا دیا جن نکات کی روشنی میں میرا موکل بے گناہی کے معیار پر پورا اترتا تھا۔ یہ تمام نکات جرح کے دوران میں زیر بحث لائے جا چکے ہیں۔ مثلاً فنگر پرنٹس کے معاملات، ملزم کا دوپہر گیارہ اور بارہ بجے کے دوران جائے وقوعہ سے دور اپنے دوستوں کے ساتھ موجود ہونا وغیرہ وغیرہ۔

جج نے فاروقی کو پولیس کسٹڈی میں دے دیا۔

آئندہ پیشی پر جج نے شعیب کو بری کر دیا۔ کیونکہ پولیس نے اپنے دام میں آئے ہوئے فاروقی کو رام کر لیا تھا۔ جہاں اچھے اچھوں کی زبان کھل جاتی ہے وہاں فاروقی نے بھی اپنے جرم کا اقرار کر لیا۔ اس نے پہلے شکیلہ کو گلا گھونٹ کر موت کے گھاٹ اتارا پھر اس کے چہرے کو بگاڑ کر وہ گھر سے نکل گیا۔ فاروقی اس گھر کے تمام افراد کے معمولات سے واقف تھا لہٰذا اسے اپنے کام میں کسی دشواری کا سامنا نہیں ہوا تھا۔ شکیلہ کے وہم و گمان میں بھی نہیں رہا ہوگا کہ اس روز وہ اس سے ملنے نہیں بلکہ اسے موت سے ملوانے آیا تھا!

اقبال جرم کرتے ہوئے اس نے شکیلہ کی جان لینے کا جو سبب بتایا وہ خاصا چونکا دینے والا تھا۔ اس کے مطابق شکیلہ نے اسے دھوکا دیا تھا۔ شکیلہ اور فاروقی فراڈ کے معاملے میں ایک دوسرے کے ساتھی تھے اور کئی ''کیسوں'' میں ایک ساتھ مل کر کام کر چکے تھے۔ باسط جیسے احمق انسان کو تباہ کرنا ان کا مشترکہ منصوبہ تھا۔ پہلے انہوں نے بنگلے پر ہاتھ صاف کیا پھر سود کا چکر چلا کر باسط کی آنکھوں پر ایک ایسی پٹی باندھ دی کہ وہ اب غیر محسوس طور پر اپنا کاروبار بھی فاروقی کے ہاتھ میں دینے والا تھا۔ فاروقی نے اب تک کا کھیل شکیلہ کو پردے میں رکھ کر کھیلا تھا مگر شکیلہ اور باسط کی شادی کے کچھ عرصے بعد شکیلہ نے اچانک کینچلی بدلی اور فاروقی کو دودھ کی مکھی کے مانند نکال کر باہر پھینکنے کی کوشش کرنے لگی۔ ان کے بیچ لوٹ

کے مال پر ان بن ہوگئی تھی۔ یہ پتہ نہ چل سکا کہ کون کس کا حصہ ہڑپ کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اسی دوران میں شعیب پوری طرح فاروقی کے خلاف ہو چکا تھا۔ جب شکیلہ نے بھی آنکھیں دکھانا شروع کیں تو اس نے ایک تیر سے دو شکار کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس نے کچھ اس قسم کا سیٹ اپ کیا کہ شعیب، شکیلہ کے قتل کے الزام میں پھنس جائے اور ایسا ہوا بھی۔ اب یہ الگ بات کہ اس کیس میں میری شمولیت نے بازی پلٹ دی۔

شکیلہ اور فاروقی میں کیا رشتہ تھا، اس کے بارے میں فاروقی نے کھل کر کوئی بات نہیں کی۔ ازاں بعد مجھے معلوم ہوا وہ دونوں انتہائی بے غیرت قسم کے میاں بیوی تھے جو سادہ لوح اور احمق افراد کو گھیر گھار کر اسی طرح شکار کرتے تھے۔ اس رشتے داری میں کس حد تک صداقت ہے، میں اس بارے میں وثوق سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔ انہوں نے جو کچھ بھی کیا، برا کیا...... اور برائی کا انجام کبھی اچھا نہیں ہوتا چاہے اس برائی کا ذمے دار کوئی بھی کیوں نہ ہو۔

عبدالباسط حقیقت آشکار ہونے کے بعد بری طرح ٹوٹ کر رہ گیا۔ اس سارے چکر میں سب سے زیادہ نقصان اسی کے حصے میں آیا تھا۔ دوستی پر سے اس کا ایمان اٹھ گیا۔ سود کی لعنت سراسر زیاں ہے...... باسط نے تو اس زیاں پر بھی سود ادا کیا تھا۔

✻☆✻

مدعی چست

گاڑی کو پارک کرنے کے بعد میں عدالت کی جانب بڑھا تو ایک شناسا چہرے کو دیکھ کر چونک گیا۔ وہ برآمدے کی سیڑھیاں اتر کر باہر آ رہا تھا۔ اس نے بھی مجھے پہچان لیا۔ تاہم اس پہچان میں اچھی خاصی حیرت بھی موجود تھی۔ ٹھٹک کر میرے قریب رکتے ہوئے بولا۔
''امجد صاحب! آپ یہاں عدالت میں؟''
بات ختم کرتے ہی اس نے میرے کوٹ اور ٹائی پر ایک کھوجتی ہوئی نگاہ ڈالی۔ میں نے زیرلب مسکراتے ہوئے کہا۔ ''ایک وکیل کو کورٹ میں نہیں تو اور کہاں نظر آنا چاہئے؟''
میرے اس شناسا چہرے کا نام لیاقت تھا۔ میرے جواب نے اس کی آنکھوں سے جھلکتی حیرت کو دوچند کر دیا۔ ''آپ...... آپ وکیل ہیں؟'' اس نے تعجب کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ ''منان صاحب نے تو کبھی اس بارے میں نہیں بتایا۔''
''میں بتا رہا ہوں نا!'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''تم یہاں کیسے نظر آ رہے ہو؟ کیا کسی عدالت میں تمہارا کوئی کیس وغیرہ چل رہا ہے؟''
وہ معنی خیز لہجے میں بولا۔ ''چل تو نہیں رہا لیکن چل سکتا ہے۔''
''کیا مطلب؟'' اس کا جواب سن کر میں الجھ گیا۔
وہ محتاط انداز میں اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے بولا۔ ''میں کسی قابل وکیل کی تلاش میں ادھر آیا تھا۔ مجھے ایک اہم مشورہ کرنا ہے۔ اچھا ہوا آپ مل گئے۔ آپ منان صاحب کے دوست ہیں، آپ سے زیادہ قابل اور کون ہوگا؟ میں آپ ہی سے مشورہ کر لیتا ہوں۔''
وہ ایک ہی سانس میں نان اسٹاپ بولتا چلا گیا تو مجھے محسوس ہوا اس کا مسئلہ اتنا مختصر اور سادہ نہیں ہوگا کہ میں وہیں کھڑے کھڑے سن لوں۔ لہٰذا میں نے موقع کی مناسبت کو دیکھتے ہوئے اس سے کہا۔
''لیاقت! تم ایک کام کرو۔'' میں نے اپنی جیب سے اپنا تعارفی کارڈ نکال کر اس کی جانب بڑھا دیا اور رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے دوٹوک انداز میں کہا۔ ''اس وقت میں

بہت جلدی میں ہوں۔ میرے کیس کی آواز پڑنے ہی والی ہے۔ تم ایسا کرو، دو بجے کے بعد میرے دفتر آ جاؤ۔ میں وہاں اطمینان سے بیٹھ کر تمہاری بات سنتا ہوں۔''
لیاقت نے میرے وزیٹنگ کارڈ کو اپنے ہاتھوں میں گھما کر دیکھا اور جلدی سے اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ ''ٹھیک ہے...... ٹھیک ہے۔''
میں نے الوداعی نظر سے اسے دیکھا اور متعلقہ عدالت کی طرف بڑھ گیا۔
میرا ایک موسیقار دوست عبدالمنان دستگیر کے علاقے میں رہتا تھا اور مہینے میں ایک آدھ بار اس سے ملنے میں اس کے گھر چلا جاتا تھا۔ منان کے گھر کے نزدیک ہی مین بازار میں لیاقت کی دودھ دہی کی دکان تھی۔ لیاقت دودھ دہی کے علاوہ ایک خاص آئٹم کھیر بھی فروخت کرتا تھا۔ ایک بار خاصی تعریف کے ساتھ منان نے مجھے لیاقت کی تیار کردہ کھیر کھلا دی۔ وہ کھیر واقعی بڑی عمدہ قسم کی تھی۔ مجھے پسند آئی اور ایسی پسند آئی کہ اس کے بعد جب بھی میرا دستگیر جانا ہوتا، میں نہ صرف وہاں سے کھیر کھاتا بلکہ گھر کے لئے بھی پیک کروا لاتا۔ کھیر ایک سمپل سی سویٹ ڈش ہے لیکن بہت کم لوگ اسے لذیذ اور عمدہ بنا پاتے ہیں۔ دودھ کو مناسب آنچ پر پکانا اور لحہ بہ لحہ اس کی بدلتی ہوئی حالت کا جائزہ لیتے رہنا خاصا ماہرانہ کام ہے۔ لیاقت کی دکان کی کھیر لائٹ براؤن کلر میں بہت مزہ دیتی تھی۔
میں اس روز عدالتی مصروفیات سے نمٹ کر جب اپنے دفتر پہنچا تو لیاقت انتظار گاہ میں میری راہ دیکھ رہا تھا۔ میں نے فوراً اسے اپنے چیمبر میں بلا لیا۔
لیاقت کی عمر لگ بھگ چوّن سال رہی ہوگی مگر عورتوں کی طرح اسے بھی عمر چھپانے کا بہت شوق تھا۔ وہ خود کو محض چھیالیس کا بتاتا تھا۔ اس آٹھ سال کی ڈنڈی مارنے کے لئے اس نے جو طریقہ اختیار کیا تھا وہ میں نے ایک ہی نظر میں پکڑ لیا تھا اور اس سے واضح الفاظ میں کہہ دیا، یہ چکر دوسروں کے لئے رہنے دو۔ لیاقت کی ''ہوشیاری'' کا قصہ چونکہ خاصا دلچسپ ہے اس لئے مناسب جگہ میں اس کا ذکر کرنا نہیں بھولوں گا۔
میں نے لیاقت کو اپنے سامنے بٹھا لیا اور سوالیہ نظر سے دیکھتے ہوئے اس سے پوچھا۔ ''اب بتاؤ، تمہیں کسی وکیل کی ضرورت کیوں پیش آ گئی؟''
''امجد صاحب!'' اس نے فکرمند نظر سے مجھے دیکھا۔ لیاقت مجھے امجد کہہ کر ہی پکارتا تھا۔ ''مظفر نامی ایک بندے نے مجھے بہت پریشان کر رکھا ہے۔''
میں نے پوچھا۔ ''یہ مظفر کون ہے اور تمہاری پریشانی کا سبب کیا ہے؟''
''مظفر ہمارے علاقے کا ایک غنڈا ہے۔'' میں نے بتایا۔ ''اور یہ بدبخت میری بیوی کو

بری نظر سے دیکھتا ہے۔''

''اوہ!'' میں نے متاسفانہ انداز میں سانس خارج کی۔

میری معلومات کے مطابق لیاقت نے ایک سال پہلے دوسری شادی کی تھی اور اس کی بیوی اس کی بہ نسبت کافی سے زیادہ جوان اور دل کش تھی۔ لیاقت نے لگ بھگ گیارہ سال پہلے اپنی پہلی بیوی کو طلاق دے دی تھی۔ دیگر وجوہ کے ساتھ ایک وجۂ طلاق یہ بھی تھی کہ اس کی بیوی کوثر بانجھ تھی اور لیاقت کو اولاد کی شدید خواہش تھی۔ بہرحال، حقیقت کیا تھی یہ کوئی نہیں جانتا تھا۔ یہ خبر بھی لیاقت ہی کی مشہور کردہ تھی کہ اس کی بیوی اولاد پیدا کرنے کے قابل نہیں!

لیاقت نے بڑے شیشوں والے نظر کے چشمے کے عقب سے آنکھیں مچمچائیں اور جذباتی لہجے میں بولا۔ ''امجد صاحب! اس غنڈے کو میں کوئی ایسا سبق سکھانا چاہتا ہوں کہ زندگی بھر یاد رکھے۔''

''مثلاً؟'' میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔

وہ بولا۔ ''مثلاً...... مثلاً...... میں اسے رنگے ہاتھوں پکڑنا چاہتا ہوں۔''

اس کی احمقانہ سوچ نے مجھے کافی حد تک مایوس کیا۔ میں نے پوچھا۔ ''رنگے ہاتھوں پکڑنے کا مطلب جانتے ہو؟''

''مطلب یہ کہ...... جب وہ میری بیوی سے چھیڑ خانی کر رہا ہو تو میں اسے گردن سے دبوچ لوں۔'' وہ غصے سے کپکپاتی ہوئی آواز میں بولا۔

''اس سے کیا ہوگا؟'' میں نے چشمے کے پیچھے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے سوال کیا۔

''مجھے ثبوت مل جائے گا اس کی بدنیتی کا۔'' وہ پھنکارتے ہوئے بولا۔ ''اور اسی لئے ...... اسی لئے میں کسی وکیل کی تلاش میں ہوں۔ میری خوش قسمتی کہ آپ سے ملاقات ہو گئی۔''

بات ختم کرتے ہی اس نے مجھے ایسی نظر سے دیکھا جیسے کہ میں ادھر جادو کی چھڑی گھماؤں گا، ادھر اس کا مسئلہ حل ہو جائے گا۔ جو بھی لوگ پیشہ ور ہوتے ہیں اور ان کے پیشے میں پبلک ڈیلنگ کا عمل دخل ہوتا ہے، انہیں بسا اوقات اس قسم کے حالات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ موت اور کلائنٹ (گاہک) کا کچھ بھروسا نہیں۔ یہ کسی بھی وقت اور کسی بھی رنگ میں آپ پر نازل ہو سکتے ہیں۔ لیاقت جیسے وکھری ٹائپ کے لوگوں سے نمٹنے اور انہیں بھگتنے کا

مجھے وسیع تجربہ ہے۔

لیاقت کے ''زریں'' خیالات سننے کے بعد میں نے اس سے پوچھا۔ ''اللہ کے بندے! یہ تو بتاؤ، کوئی وکیل اس سلسلے میں تمہاری کیا مدد کر سکتا ہے؟''

''عام آدمی کی بہ نسبت وکیل زیادہ طاقتور اور بھاری ہوتا ہے۔'' وہ عقل مندوں کے سے انداز میں مجھے سمجھانے کی کوشش کرتے ہوئے بولا۔ ''جب ایک وکیل اس غنڈے کو نازیبا حرکات کرتے ہوئے دیکھ لے گا تو اس کمینے کے خلاف ایک مضبوط گواہی میرے ہاتھ آ جائے گی۔ اس گواہی کی بنیاد پر میں مظفر کو عدالت میں گھسیٹوں گا اور ...... اور اسے وہ مزہ چکھاؤں گا کہ آئندہ کسی عورت کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھنے کی جرأت نہیں کر سکے گا۔ اب تو آپ میرا مقصد سمجھ گئے ہوں گے؟''

وہ ایک غنڈے کو سبق سکھانے کے لئے جو اسکیم بنائے بیٹھا تھا وہ خاصی مضحکہ خیز اور احمقانہ تھی۔ لیاقت کی عقل پر ماتم کرنے کو جی چاہا لیکن ظاہر ہے میں ایک کلائنٹ کے ساتھ سخت رویہ اختیار نہیں کر سکتا تھا لہٰذا اس پر یہ ظاہر کرتے ہوئے کہ میں انتہائی سنجیدہ ہوں، میں نے کہا۔

''تمہارے مقصد میں ایسی کوئی پیچیدگی نہیں جو سمجھنے میں دقت پیش آئے لیکن تمہارا منصوبہ بہرحال قابل عمل دکھائی نہیں دیتا۔''

''کیوں؟'' اس نے آنکھیں سکیڑیں۔ ''اس میں ایسی ناممکن والی کون سی بات ہے؟''

میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''کوئی بھی وکیل اتنا فارغ نہیں ہوتا کہ وہ تمہارے ساتھ ساتھ گھومتا پھرے اور اس موقع کی تلاش میں رہے کہ کب وہ غنڈا تمہاری بیوی کو چھیڑے اور کب وہ اس چھیڑ چھاڑ کا گواہ بن جائے۔ کوئی گیا گزرا وکیل بھی اس قسم کی فل ٹائم جاب کے لئے تیار نہیں ہوگا۔'' میں ایک لمحے کو متوقف ہوا پھر اضافہ کرتے ہوئے کہا۔ ''مغرب میں اس قسم کے کاموں کے لئے پرائیویٹ سراغ رساں ایجنسیاں موجود ہوتی ہیں لیکن افسوس کہ ابھی تک ہمارے ملک میں اس نوعیت کی کوئی سہولت میسر نہیں۔''

''آپ میری بات سمجھے نہیں۔'' وہ افسوس ناک انداز میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ ''کسی وکیل کو چوبیس گھنٹے کمر بستہ رہنے کی ضرورت نہیں۔ بس، مجھے روزانہ ایک گھنٹے کے لئے اس کی خدمات چاہئے ہوں گی۔''

میں نے حیرت بھری نظر سے اسے دیکھا اور پوچھا۔ ''کیا وہ غنڈا کسی مخصوص گھنٹے میں تمہاری بیوی پر بری نظر ڈالتا ہے؟''

''عام طور پر یہی دیکھنے میں آیا ہے۔'' اس نے بتایا۔ ''مظفر عموماً رات کو آٹھ اور نو بجے کے درمیان بلبلی کو تنگ کرنے ہماری عقبی گلی میں آجاتا ہے۔''

بلبلی وہ اپنی بیوی کو کہہ رہا تھا۔ بلبلی کا اصلی نام سلمٰی تھا اور لگ بھگ ایک سال پہلے وہ لیاقت کی بیوی بنی تھی۔ میں نے لیاقت کے وچار سننے کے بعد کہا۔

''بھئی لگتا ہے، یہ غنڈا مظفر تو بڑا قانون قاعدے والا بندہ ہے۔ ٹائم ٹیبل کا پابند۔'' میں نے ایک لمحے کو سانس لینے کے لئے توقف کیا پھر استفسار کیا۔ ''کیا تم نے اس مخصوص ایک گھنٹے میں مظفر کو ایسی نازیبا حرکات کرتے ہوئے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے؟''

''آنکھوں سے دیکھا ہے اور نہ ہی کانوں سے سنا ہے۔'' وہ کسی کنجوس کے سے انداز میں میری جانب دیکھتے ہوئے بولا۔ ''اس وقت تو میرے دھندے کا ٹائم ہوتا ہے اور میں ایک لمحے کے لئے بھی اپنی دکان کو نہیں چھوڑ سکتا۔''

''تو پھر تمہاری معلومات کا ذریعہ کیا ہے؟''

''بلبلی۔'' اس نے اپنی بیوی کا نام لے دیا۔

میں نے پوچھا۔ ''تم نے بتایا ہے، مظفر تمہارے گھر کی عقبی گلی میں آکر تمہاری بیوی سے چھیڑ چھاڑ کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ تمہاری بیوی رات آٹھ نو بجے عقبی گلی میں کیا کر رہی ہوتی ہے؟''

عقبی گلی سے، لیاقت کی مراد گندی گلی تھی۔ اس کے گھر کا ایک دروازہ گندی گلی میں کھلتا تھا جو عموماً بند ہی رہتا تھا۔ لیاقت نے مجھے بتایا تھا، مذکورہ دروازے پر اس نے تالا ڈال رکھا تھا۔ آمدورفت کے لئے گھر کا سامنے والا دروازہ ہی استعمال کیا جاتا تھا۔ کراچی کے اکثر محلہ جاتی گھروں میں عقبی یا گندی گلی موجود ہوتی ہے جہاں عموماً کچرے کے ڈھیر، خالی بوتلیں اور ڈبے، کھلے ہوئے گٹر اور راتوں میں چیختے چنگھاڑتے، دوڑتے بھاگتے چوہوں کی حکمرانی ہوتی ہے۔ لیاقت نے میرے سوال کا جواب دیتے ہوئے بتایا۔

''بلبلی تو اپنے گھر کے صحن میں ہوتی ہے۔ وہی کمینہ عقبی گلی میں پہنچتا ہے۔ پہلے مخصوص آواز میں سیٹی بجاتا ہے پھر بلبلی کا نام لے کر پکارتا ہے اور اس سے کہتا ہے، وہ اس سے باتیں کرے۔ بلبلی تو اس منحوس کے نام تک سے واقف نہیں تھی۔ پہلے اس نے اپنا تعارف کرایا اور بلبلی کو یہ باور کرا دیا کہ وہ اس علاقے کا ایک مستند غنڈا ہے۔ وہ اس وقت تک بلبلی کا پیچھا نہیں چھوڑے گا جب تک وہ اسے حاصل نہیں ہو جاتی۔ بلبلی نے کئی مرتبہ ڈانٹ پھٹکار کر اسے بھگانے کی کوشش کی مگر وہ بھی ایک نمبر کا ڈھیٹ ہے۔ کہتا ہے اگر بلبلی نے اس

کی بات نہ مانی تو وہ پہلے لیاقت یعنی مجھے ختم کرے گا پھر بلبلی پر ہاتھ ڈالے گا۔ بلبلی اس غنڈے کی وجہ سے بہت ہراساں اور خوف زدہ ہے، میں بھی بے حد پریشان ہوں۔ اس سے پہلے کہ وہ بدبخت کوئی سنگین قدم اٹھا بیٹھے، مجھے اس کا سدِ باب کرنا ہوگا۔ یہ ہے میری پرابلم امجد صاحب!''

بات معمولی سی تھی مگر لیاقت اسے بڑھا چڑھا کر پیش کر رہا تھا۔ یہ شاید اس کی پریشانی کے باعث تھا جو اسے بلبلی کی جانب سے لاحق تھی۔ ایک ایویں سے چون سالہ شخص کو جب تیس سالہ خوب صورت بیوی مل جائے تو اس کے اندیشوں اور خدشات کا یہی عالم ہوتا ہے ......اور عورت بھی ایسی کہ جو تیس سال کی ہو کر بھی پچیس سے زیادہ کی نظر نہ آئے!

میں نے تسلی آمیز لہجے میں لیاقت سے عاری، لیاقت سے کہا۔ ''دیکھو میاں! تمہیں زیادہ فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں......''

''اس کا مطلب ہے، آپ میرا ساتھ دینے کے لئے تیار ہیں!'' وہ میری بات پوری ہونے سے پہلے ہی بول اٹھا۔ فرطِ مسرت سے اس کی باچھیں کھلی اور دیدے پھٹے جا رہے تھے۔

میں نے اس کی خوش فہمی دور کرتے ہوئے کہا۔ ''پہلے مجھے اپنی بات مکمل کر لینے دو پھر بولنا۔'' ایک لمحے کے توقف سے میں نے اضافہ کرتے ہوئے کہا۔ ''پہلی بات تو یہ کہ تمہارے گھر کے عقبی دروازے پر اندر سے تالا پڑا ہوا ہے، جب تک تمہاری بیوی بلبلی اس غنڈے کو اندر آنے کا موقع نہیں دے گی، وہ کسی بھی اوچھی حرکت کے قابل نہیں ہو سکے گا اور ظاہر ہے بلبلی از خود دروازہ کھول کر اس کی آمد کے امکانات کو ٹارچ نہیں دکھائے گی۔ تم نے جو کچھ بیان کیا ہے، اگر واقعی سب کچھ ویسے ہی ہے تو پھر گندی گلی کی جانب سے مظفر کی پیش قدمی اور وہ بھی رات کی تاریکی میں، یہی ظاہر کرتی ہے کہ وہ ایک بزدل غنڈا ہے۔ مجھے یقین ہے، اگر بلبلی اس کی مخصوص سیٹی اور پکار پر کوئی اچھا برا ردِ عمل ظاہر نہ کرے تو وہ خود بخود ہی خجل ہو کر وہ راستہ ترک کر دے گا۔ میں تمہیں بتاتا......''

میری بات ایک مرتبہ پھر ادھوری رہ گئی۔ وہ بے ساختہ قطع کلامی کرتے ہوئے بولا۔

''امجد صاحب! اگر وہ بدمعاش دیوار پھاند کر ہمارے گھر میں کود آیا تو کیا ہوگا؟ ہماری عقبی دیوار محض آٹھ فٹ اونچی ہے اور بلبلی گھر میں اکیلی ہوتی ہے۔''

''تم نے منع کرنے کے باوجود بھی ایک مرتبہ پھر میری بات کو کاٹ ڈالا۔'' میں نے تنبیہی رنگ اختیار کرتے ہوئے کہا۔

"آپ ...... آپ میرے مسئلے کو بہت لائٹ لے رہے ہیں۔" وہ منت ریز لہجے میں بولا۔

"لائٹ اور ہیوی کی بات نہیں لیاقت!" میں نے گمبھیر انداز میں کہا۔ "میں تمہیں حقیقت حال سے آگاہ کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ اگر تم سمجھنے کے موڈ میں ہو تو میں مزید کچھ کہوں؟"

وہ برا سا منہ بنا کر میرا منہ تکنے لگا۔

میں نے ٹھہری ہوئی آواز میں کہا۔ "دیکھو لیاقت! میں تمہارے کیس کو بڑی اچھی طرح سمجھ گیا ہوں۔ تمہیں اپنے مسئلے کو حل کرنے کے لئے کسی وکیل کی نہیں بلکہ پولیس کی ضرورت ہے۔ تم اپنے علاقے کے تھانے میں جا کر مظفر کی نازیبا حرکات کی شکایت کرو۔ پولیس اس معاملے کو بڑی اچھی طرح ہینڈل کر لے گی۔"

"پولیس!" اس نے یہ لفظ ایسے تاثرات کے ساتھ ادا کیا جیسے کوئی انتہائی کڑوی شے چبا لی ہو۔ ایک لمحے کے توقف کے بعد تلخی سے بولا۔ "پولیس صرف غنڈوں، بدمعاشوں اور ان لوگوں کی سنتی ہے جو رشوت میں بھاری رقم دے کر اس کی مٹھی گرم کرنے کی استطاعت رکھتے ہوں۔ مجھ غریب کی وہ کہاں سنیں گے؟ میرے مقابلے میں وہ مظفر کو زیادہ اہمیت دیں گے۔"

"تم نے پولیس کے بارے میں جن خیالات کا اظہار کیا ہے وہ ایک عمومی عوامی سوچ ہے۔" میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ "لیکن یاد رکھو، پانچوں انگلیاں کبھی بھی برابر نہیں ہوتیں۔ اگر تم کہو تو میں اس ذیل میں تمہاری اچھی خاصی مدد کر سکتا ہوں۔"

وہ کسی ننھے بچے کے مانند ایک دم خوش ہو گیا۔ اس کی خوشی ایک غلط فہمی کا نتیجہ تھا۔ اس نے میری مدد سے یہ مطلب اخذ کیا تھا کہ میں بہ حیثیت وکیل اس سے تعاون کرنے کو تیار ہوں۔ بے ساختہ اس کی زبان سے نکلا۔

"مجھے یقین تھا امجد صاحب! آپ ضرور میرا ساتھ دیں گے۔ آپ آج رات آٹھ بجے میرے گھر آ جائیں۔ چاہیں تو گھر کے اندر بیٹھ کر مظفر کی آمد کا انتظار کریں اور جیسے ہی وہ گندی گلی میں نمودار ہو کر ببلی کو اپنی جانب متوجہ کرنے کی کوشش کرے، ہم خاموشی کے ساتھ گھر سے نکلیں گے اور عقبی گلی میں پہنچ کر اس کی گردن پکڑ لیں گے۔ ایک وکیل کی موجودگی میں جب وہ رنگے ہاتھوں گرفت میں آئے گا تو اس کی سٹی گم ہو کر رہ جائے گی۔ میں اس غنڈے کو عبرت ناک سبق سکھانے کی خاطر آپ کی فیس کے علاوہ بھی دس ہزار روپے خرچ

کرنے کو تیار ہوں۔"

بات ختم کر کے لیاقت نے ایسی نظر سے مجھے دیکھا جیسے میں اس کی منصوبہ بندی پر اسے داد دوں گا۔ عجیب آدمی تھا، پولیس کی مٹھی گرم کرنے کے لئے وہ "غریب" بن گیا تھا اور اب دس بیس ہزار ایکسٹرا کی بات کر رہا تھا۔ تو گویا وہ صحیح معنوں میں "عجیب و غریب" تھا۔ میں نے دل ہی دل میں اسے خوب کھری کھری سنائیں اور دوٹوک انداز میں کہا۔

"لیاقت! تم میری پیش کش کو غلط رنگ میں لے رہے ہو۔ میں نے اپنی جس مدد کا ذکر کیا ہے، اس کا تعلق تمہارے علاقے کے پولیس اسٹیشن سے ہے۔ میں تھانہ انچارج سے تمہاری سفارش کر سکتا ہوں۔ ایک پائی پیسہ لئے بغیر وہ تمہاری شکایت کو نہ صرف ہمدردی سے سنے گا بلکہ مظفر کو تھانے بلوا کر اسے ہر ممکن سرزنش بھی کرے گا۔ میرا خیال ہے، اس عملی اقدام سے تمہارا مسئلہ حل ہو جائے گا۔"

اس کا منہ لٹک گیا اور بد دلی سے بولا۔ "اچھا جی، میں آپ کو سوچ کر جواب دوں گا۔"

اس کا انداز ایسا ہی تھا جیسے اس نے مجھے ٹالنے کے لئے یہ بات کہہ دی ہو ورنہ وہ میرے توسط سے پولیس کی مدد کی بجائے کسی دوسرے وکیل سے رابطہ کرنے کا ارادہ رکھتا ہو۔ مجھے اس کی کوئی پرواہ بھی نہیں تھی۔ تاہم پھر بھی میں نے اِتمام حجت کے طور پر اس سے پوچھ لیا۔

"لیاقت! اس میں سوچنے والی ایسی کون سی بات ہے؟"

"میں ببلی سے مشورہ کرنا چاہتا ہوں۔"

"کیا اسی کے مشورے پر تم وکیل ڈھونڈنے آج عدالت آئے تھے؟"

"نہیں۔" اس نے نفی میں گردن ہلائی۔ "یہ میرا ذاتی منصوبہ تھا ...... اور آپ بھی کسی سے اس کا ذکر نہیں کیجئے گا۔ ورنہ میرے لئے بڑی مشکل ہو جائے گی۔"

بات ختم کرتے ہی اس نے چوکنا نظر سے میرے چیمبر کی دیواروں کو دیکھا۔ اس کی کھوجتی ہوئی نگاہ اس بات کا پتہ دیتی تھی کہ وہ دیواروں کے کان تلاش کرنے کی کوشش میں تھا۔ اس کے مضحکہ خیز طرزِ عمل نے مجھے اچھا خاصا محظوظ کیا اور مجھے تفریح کی سوجھی۔ میں نے شرارت بھرے انداز میں کہا۔

"لیاقت میاں! تم نے "کسی" اور "مشکل" کا جس طرح ذکر کیا ہے اس سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے تمہارا اشارہ سیدھا سیدھا ببلی کی جانب ہے؟"

اس کے چہرے پر ایک رنگ سا آ کر گزر گیا، خجالت بھرے لہجے میں بولا۔ "آپ ایک

وکیل ہیں۔ فوراً بات کی تہہ تک پہنچ جاتے ہیں۔''
یہ گویا اس کا کھلا اقرار تھا۔ میں نے کریدنے والے انداز میں استفسار کیا۔
''کیا تم بلی سے ڈرتے ہو؟''
وہ جزبز ہوتے ہوئے بولا۔ ''میں بلی سے نہیں اس کی ناراضی سے ڈرتا ہوں۔ وہ ذرا ذرا سی بات پر روٹھ جاتی ہے۔''

جوان بیویوں کے بوڑھے شوہروں کو اس نوعیت کے مسائل کا سامنا عام سی بات ہے۔ حالات کی کروٹ اور وقت کا دھارا بھی اپنی روش نہیں بدلتے۔ ایسے جوڑوں کے یہاں اگر کہیں امن وسکون اور ''سب اچھا'' دکھائی دیتا ہو تو اسے ''سب اچھا'' نہیں سمجھ لینا چاہئے۔ ہر سکون کے پیچھے ایک طوفان اور کھرنڈ کے نیچے ایک خطرناک زخم چھپا ہوتا ہے۔

میں تفریح کے موڈ میں تو تھا ہی، لیاقت سے کہا۔ ''تم اتنی لذیذ اور خوش ذائقہ کھیر بناتے ہو۔ کبھی اسے آزمانے کی کوشش نہیں کی؟''
''کیا مطلب جناب؟'' اس نے سوالیہ نظر سے مجھے دیکھا۔
میں نے اپنا مطلب اس پر واضح کرتے ہوئے کہا۔ ''بھئی! جب بلی تم سے خفا ہو جائے تو اسے ایک پیالی کھیر کی کھلا دیا کرو...... روٹھے ہوئے مان جائیں گے، روتے ہوئے ہنس پڑیں گے اور سنگ دل سے سنگ دل محبوب آپ کی دہلیز پر!''
''یہی تو مصیبت ہے جناب!'' وہ اپنی بات پر زور دیتے ہوئے بولا۔ ''بلی کو میٹھا بالکل پسند نہیں۔ وہ تو چائے تک نہیں پیتی۔ بس چٹ پٹی اور مرغن چیزوں پر مرتی ہے۔'' ایک لمحے کو رک کر اس نے اضافہ کیا۔ ''وہ ٹیڑھی کھیر ہے جناب! میری کھیر اسے کیا سیدھا کرے گی؟''
میں نے فتویٰ صادر کرتے ہوئے کہا۔ ''پھر تو بھئی تمہاری بیوی بڑی جلالی طبیعت کی مالک ہوگی۔ میٹھے سے بے رغبتی کے باعث وہ غصے کی بہت تیز ہوگی!''
''کوئی ایسی ویسی!'' بے ساختہ اس کے منہ سے نکل گیا۔

※☆※

مجھے امید نہیں تھی، لیاقت پھر اس سلسلے میں مجھ سے رابطہ کرے گا اور ایسا ہوا بھی۔ ایک ہفتہ گزر گیا مگر اس معاملے میں اس کی سانس سنائی نہ دی۔ میں اگر چاہتا تو اس کے علاقے کے تھانہ انچارج سے براہِ راست بھی بات کر سکتا تھا مگر یہ گواہ چست والی بات ہوتی۔ میں عام طور پر اس قسم کی ایفی شینسی کا قائل نہیں ہوں۔ اسپیشل کیس کی بات دوسری ہے۔ میں

نے اپنے طور پر یہی فیصلہ کیا کہ آئندہ جب بھی منان کی طرف جاؤں گا تو لیاقت کے مسئلے کو ضرور ڈسکس کروں گا۔

چند روز بعد میرا دستگیر جانا ہوا اور منان سے ملاقات ہوئی تو میرے پوچھے بغیر اس نے خود ہی لیاقت کا قصہ چھیڑ دیا۔
''بیگ صاحب! آپ کو پتہ ہے، بے چارے لیاقت کے ساتھ کیا واقعہ پیش آ گیا؟''
مجھے نہیں پتہ تھا اس لئے پوری طرح اس کی طرف متوجہ ہوگیا۔ ''لیاقت کو کیا ہوگیا؟''
''بہت برا ہوا.....'' وہ افسوس ناک انداز میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔ ''ہمارے علاقے میں ایک غنڈا ہے مظفر، اس سے جھگڑا ہوا ہے لیاقت کا۔ اس خبیث نے لیاقت کو بے دریغ مارا ہے۔''
یہ خبر سن کر مجھے بھی دکھ ہوا۔ میں نے کہا۔ ''اور اس جھگڑے کی وجہ یقیناً لیاقت کی بیوی بلی ہوگی۔''
''آپ کو یہ بات کیسے معلوم ہوئی؟'' منان نے چونک کر مجھے دیکھا۔
میں نے مختصر الفاظ میں اپنی اور لیاقت کی ملاقات اور اس کے مقصد کے بارے میں منان کو بتایا اور آخر میں کہا۔ ''مجھے تو لیاقت سخت بے وقوف آدمی لگا ہے۔ اس نے ضرور کوئی ایسی حرکت کی ہوگی کہ مظفر لڑائی بھڑائی پر اتر آیا۔ اگر لیاقت میرے مشورے پر عمل کر لیتا تو اس کا مسئلہ حل ہو سکتا تھا۔''
منان نے پوچھا کہ میں نے اسے اس سلسلے میں کیا مشورہ دیا تھا؟ میں نے اسے بتا دیا کہ میں نے اسے علاقے کے تھانے میں مظفر کی شکایت کرنے کو کہا تھا اور اپنے بھرپور تعاون کا بھی یقین دلایا تھا لیکن بات اس کی سمجھ میں نہیں آئی اور وہ میرے ذریعے مظفر کو رنگے ہاتھوں پکڑوانے کی پلاننگ کر رہا تھا۔
پوری تفصیل سننے کے بعد منان نے کہا۔ ''اس میں کوئی شبہ نہیں کہ لیاقت احمق الاحمقاں ہے۔ جب اس عمر میں اپنے سے آدھی عمر کی عورت سے شادی کی تھی تو پھر حالات سے مقابلے کا حوصلہ بھی ہونا چاہئے تھا۔ ہم جس معاشرے کے پروردہ ہیں وہاں اس قسم کے واقعات عام سی بات ہے۔ مظفر والے معاملے کو کسی دوسرے انداز میں بھی ٹیکل کیا جا سکتا تھا۔ اگر وہ مجھ سے ذکر کر دیتا تو شاید مار پیٹ کی نوبت نہ آتی۔ میں مظفر کو ''سمجھانے'' کی کوئی سبیل ڈھونڈ ہی لیتا۔'' وہ ایک لمحے کو متوقف ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔
''بیگ صاحب! مجھے تو لگتا ہے لیاقت کو چڑھانے میں اس کی بیوی کا بھی بڑا ہاتھ

ہے۔ بھئی اگر وہ گھر میں اکیلی ہوتی ہے اور مظفر گندی گلی میں آکر سیٹی بجاتا ہے، اسے پکارتا ہے اور اس سے باتیں کرتا ہے تو وہ کیوں اس کا ساتھ دیتی ہے؟ وہ اگر دو چار بار مظفر کو نظر انداز کر دے تو وہ خود ہی اس حرکت سے باز آ جائے گا۔ آخر کب تک وہ تاریک گندی گلی میں کھڑا ''بانگ'' دیتا رہے گا!''

''آپ بالکل ٹھیک کہتے ہیں منان صاحب!'' میں نے تائیدی انداز میں کہا۔ ''مظفر کا حوصلہ بلی کے ردِعمل کے باعث بڑھا ہے۔ میں یہ تو نہیں کہتا کہ بلی اسے دعوت دے کر بلاتی ہوگی مگر یہ ظاہر ہے اس کی جانب سے کئے جانے والے سوال و جواب، ڈانٹ پھٹکار ہی کی وجہ سے مظفر کی ہمت بڑھی ہے۔ ایسے معاملات میں تالی دو ہاتھ سے بجتی ہے۔''

پھر منان مجھے لیاقت کو پیش آنے والے واقعات کے بارے میں بتانے لگا۔ لیاقت اور مظفر کے بیچ لیاقت کی دکان پر جھگڑا ہوا تھا۔ وہاں سے گزرتے ہوئے مظفر نے بڑے معنی خیز انداز میں لیاقت کو دیکھا۔ جواباً لیاقت نے بھی ناپسندیدہ نظر سے اسے گھورا۔ نتیجے میں مظفر نے لیاقت پر کوئی جملہ پھینک دیا تھا جس سے لیاقت کو تاؤ آ گیا۔ لیاقت کے مطابق مظفر نے بلی سے متعلق اسے ایک گندی گالی دی تھی۔ وہ گالی سن کر لیاقت کو خود پر کنٹرول نہ رہا اور وہ دکان سے نکل کر اسے مارنے کے لئے لپکا۔ اس لپک کا نتیجہ لیاقت کے حق میں بہت خطرناک ثابت ہوا۔ لحیم شحیم اور سانڈ کی طاقت رکھنے والے مظفر نے وہیں سڑک پر لیاقت کو بری طرح رگیدا۔ لوگ بیچ بچاؤ نہ کرتے تو شاید وہ لیاقت کو ختم ہی کر دیتا۔ پھر بھی لیاقت کو اچھی خاصی چوٹیں آئی ہیں۔ اس کے سر پر بھی پٹی بندھی ہوئی ہے۔ اس تفصیل کے اختتام پر منان نے بڑے عجیب لہجے میں کہا۔

''یہ مظفر بھی بڑا واہیات غنڈا ہے۔ رات کو گندی گلی میں جا کر لیاقت کی بیوی کو چھیڑتا ہے اور دن میں دکان پر آ کر اسے گندی گالی دیتا ہے۔''

میں نے اس کے تبصرے کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔ ''مار پیٹ کا یہ واقعہ کب پیش آیا؟''

''کل دوپہر کے وقت۔'' اس نے بتایا۔

''کیا لیاقت نے مظفر کی اس کھلی غنڈا گردی کے بارے میں پولیس کو آگاہ کیا؟''

''نہیں۔'' منان نے نفی میں گردن ہلائی۔ ''وہ کہتا پھر رہا ہے یہ اس کا انتہائی ذاتی اور گھریلو معاملہ ہے۔ وہ خود مظفر سے ہزیمت کا بدلہ لے گا۔ پولیس کو وہ اس معاملے میں ملوث نہیں کرے گا۔''

''وہ سراسر حماقت کر رہا ہے۔'' میں نے قدرے برہمی سے کہا۔ ''اگر اس کا مسئلہ پولیس تک پہنچ گیا ہوتا تو شاید اس مار پیٹ کی نوبت ہی نہیں آتی۔ مظفر لاکھ غنڈا سہی لیکن پولیس دیدہ و دانستہ اسے اس بات کی اجازت یا آزادی نہیں دے سکتی کہ وہ شریف محلے داروں کے گھروں میں جھانکتا پھرے اور لیاقت جیسے لوگوں کی بیویوں کو اس طرح تنگ کرتا پھرے۔''

وہ اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ ''میں آپ کے خیال سے صد فی صد اتفاق کرتا ہوں بیگ صاحب! لیکن اس گدھے نخچو کو کون سمجھائے؟''

''میں سمجھاؤں گا......'' میں نے پُرسوچ انداز میں کہا۔ ''یہاں سے جاتے ہوئے مجھے اس کی دکان سے کھیر تو لینا ہی ہے۔ اس مسئلے پر میں اس سے ضرور بات کروں گا۔ مظفر جیسے غنڈوں کو نکیل ڈالنا مجھے خوب آتا ہے۔ لیکن کسی بھی قسم کی کارروائی کے لئے لیاقت کو ہی ہمت کرنا ہوگی، ورنہ مدعی سست اور وکیل چست والی بات ہو جائے گی۔''

''ٹھیک ہے بیگ صاحب!'' منان نے سادگی سے کہا۔ ''آپ لیاقت سے مل کر دیکھ لیں۔ ہو سکتا ہے آپ اسے اپنی بات سمجھانے میں کامیاب ہو جائیں۔''

میں نے کہا۔ ''پرائے پھڈے میں ٹانگ پھنسانے کی میری عادت تو نہیں ہے لیکن لیاقت پر مجھے خواہ مخواہ ترس آ رہا ہے ...... بلکہ اس کے حالات جان کر مجھے افسوس ہو رہا ہے۔''

''مجھے خود بھی اس سے ہمدردی ہے بیگ صاحب!'' منان نے خلوصِ دل سے کہا۔ ''اگر آپ کسی طرح اس کے کام آ جائیں تو مجھے خوشی ہوگی۔''

اس رات واپس گھر جاتے ہوئے میں لیاقت سے ملا۔ کھیر تو مجھے لینا ہی تھی۔ اس کے سر پر بندھی ہوئی پٹی کی جانب اشارہ کرتے ہوئے میں نے پوچھ لیا۔ ''یہ کیا ہو گیا بھئی؟''

''منان صاحب نے آپ کو کچھ نہیں بتایا امجد صاحب!'' اس نے اتنے پُر وثوق انداز میں کہا جیسے وہ مجھے منان کے گھر میں داخل ہوتے اور نکلتے دیکھ چکا ہو۔

میں نے کہا۔ ''اس نے تو جو کچھ بتایا ہے، سو بتایا ہے لیکن میں تمہاری زبانی سننا چاہتا ہوں۔''

اس وقت اتفاق سے دکان پر کوئی گاہک موجود نہیں تھا۔ لیاقت نے مختصر الفاظ میں مجھے اس ناخوشگوار واقعے کے بارے میں بتایا۔ میں نے پوری توجہ سے اس کی بات سنی اور اس کے خاموش ہونے پر پوچھا۔

''کیا اس سے پہلے بھی تم دونوں کے درمیان کوئی جھڑپ ہو چکی ہے؟''
اس نے نفی میں گردن ہلائی اور جواب دیا۔''رو بہ رو بدمزگی کا یہ پہلا موقع ہے امجد صاحب۔''
''میں نے سنا ہے اس نے تمہاری بیوی کو کوئی غلیظ گالی دی تھی؟''
''گالی سے بھی بڑھ کر اس نے بکواس کی تھی۔'' وہ چہرے پر ناگواری کے تاثرات لاتے ہوئے بولا۔''میرے گھورنے پر وہ رک گیا اور جواباً مجھے برا بھلا کہنے لگا۔ میں نے بلی کے حوالے سے اسے سرزنش کی تو وہ بڑی ڈھٹائی سے بولا۔ کون بلی؟ اس کا یہ جواب سن کر تو میرا دماغ بھک سے اُڑ گیا۔ وہ مردود ایک طرف تو میری بیوی کو تنگ کر رہا تھا اور دوسری جانب اس سے لاعلمی کا اظہار کر رہا تھا۔ مجھے اس کی عیاری پر سخت غصہ آیا۔ یہ تو سراسر مجھے اُلو بنانے والی بات تھی چنانچہ میں نے بھی جلے بھنے انداز میں کہہ دیا۔
''تمہاری بہن بلی ......اور کون بلی؟''
وہ ایک لمحے کو سانس لینے کی خاطر رکا پھر سلسلۂ کلام کو جاری رکھتے ہوئے بولا۔
''میرے منہ سے یہ سننا تھا کہ وہ آگ بگولا ہو گیا۔ اس نے مجھے کئی بے پردہ اور بے ہودہ گالیاں دیں تو برداشت کا دامن میرے ہاتھ سے نکل گیا۔ پھر ہمارے درمیان باقاعدہ دنگا ہونے لگا۔'' وہ تھوڑے توقف کے بعد اضافہ کرتے ہوئے بولا۔''شرافت کا تو کوئی زمانہ ہی نہیں رہا امجد صاحب۔''
''ٹھیک کہتے ہو۔'' میں نے اس کے سر پر بندھی ہوئی پٹی کی سمت اشارہ کرتے ہوئے کہا۔''واقعی آج کل شریف آدمی کو بے پناہ مشکلات کا سامنا ہے۔''
لیاقت کی ایک بات نے مجھے سوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔ اس نے بتایا کہ جب اس نے بلی کا حوالہ دے کر مظفر کو سرزنش کی تو وہ بلی سے واقفیت سے انکاری ہو گیا تھا۔ یہ ایک چونکا دینے والی بلکہ چبھنے والی بات تھی۔ ان تین کرداروں سے متعلق جو حالات و واقعات میرے علم میں آئے تھے ان کے مطابق مظفر کا بلی سے واقف ہونا ازحد ضروری تھا۔ یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ نہ جانتا ہو، بلی لیاقت کی بیوی ہے!
مجھے سوچ میں ڈوبا دیکھ کر لیاقت نے کہا۔''امجد صاحب! اگر آپ میرا ساتھ دینے کو تیار ہو جائیں تو میں مظفر کو وہ سبق سکھاؤں گا جو اس کی آنے والی سات نسلوں کو بھی یاد رہے گا۔''
''میں تم سے تعاون کو تیار ہوں۔'' میں نے ہمدردی بھرے لہجے میں کہا۔''تم اسی وقت

میرے ساتھ تھانے چلو۔ میں تھانہ انچارج سے تمہاری خصوصی سفارش کروں گا۔ تم تھانہ انچارج کو مار پیٹ والے واقعے کے بارے میں تفصیلاً بتاؤ۔ انشاء اللہ مظفر کا کوئی معقول بندوبست ہو جائے گا۔''
اس نے تحمل سے میری بات سنی اور بولا۔''پولیس کو تو میں ہرگز ہرگز اپنے معاملے میں ملوث نہیں کروں گا۔''
''پھر تم مجھ سے کس قسم کا ساتھ چاہتے ہو؟''
''امجد صاحب! میں نے آپ کو بتایا تو تھا۔'' وہ یاددہانی والے انداز میں بولا۔
اس کا بتایا ہوا احمقانہ منصوبہ میرے ذہن میں محفوظ تھا لیکن میری پیشہ ورانہ مجبوری تھی کہ میں اُلو کے پٹھے کو اس کے منہ پر اُلو کا پٹھا نہیں کہہ سکتا تھا لہٰذا نہایت ہی محتاط الفاظ کا استعمال کرتے ہوئے میں نے کہا۔
''تم بالکل غلط انداز میں سوچ رہے ہو۔''
''سب یہی کہتے ہیں، میری سوچ درست اور صحت مند نہیں۔'' وہ بگڑ کر بولا۔
میں نے کہا۔''آوازِ خلق کو نقارۂ خدا جانو۔ میں تو یہاں تک کہہ رہا ہوں کہ اگر تم نے اپنے منصوبے پر عمل کرنے کی کوشش کی تو الٹا کسی نئی مصیبت میں گرفتار ہو جاؤ گے۔''
میری نصیحت اس کے پلّے نہ پڑ سکی، رکھائی سے بولا۔''میں جانتا ہوں کوئی میری مدد کرنے کے لئے سنجیدہ نہیں۔ سب زبانی کلامی ہمدردی جتاتے ہیں۔'' ایک لمحے کو رک کر وہ بڑے خطرناک انداز میں بولا۔
''مظفر سے میں خود ہی نمٹ لوں گا۔ آپ بہت جلد ایک خبر سنیں گے امجد صاحب!''
میں اس بے وقوفوں کے بادشاہ سے کیا کہتا۔ میں تو منان صاحب کی سفارش پر اسے نیک راہ دکھانے چلا آیا تھا۔ وہ اگر خود ہی کسی عمیق اور تاریک گڑھے میں چھلانگ لگانے کا ارادہ کر چکا تھا تو میں اس کے لئے کچھ نہیں کر سکتا تھا۔
میں نے الوداعی کلمات ادا کئے اور وہاں سے واپس چلا آیا۔

☆☆☆

لیاقت، لیاقت سے عاری سہی تاہم اس نے پیش گوئی بڑی زبردست کی تھی۔ میں تھوڑی دیر کے لئے اس کی دور نگاہی کا قائل ہو گیا۔ اس کی کہی ہوئی ایک بات من وعن پوری ہو گئی تھی۔ اس نے بہ وقت رخصت مجھ سے کہا تھا، آپ بہت جلد ایک خبر سنیں گے امجد صاحب!
اس نے غلط نہیں کہا تھا۔ چھ سات دن بعد میں لیاقت سے متعلق ایک سنسنی خیز خبر سن رہا

تھا اور یہ خبر منان کی زبانی مجھ تک پہنچی تھی۔ ایک رات میں دفتر سے فارغ ہو کر گھر پہنچا تو منان کا فون آ گیا۔ اس کی آواز میں اچھی خاصی تشویش تھی۔ چھوٹتے ہی بولا۔

''بیگ صاحب! آپ کو لیاقت کے بارے میں کچھ معلوم ہوا؟''

منان پُراسرار انداز میں بات شروع کرنے کا عادی تھا۔ اس وقت تک مجھے لیاقت کے تازہ ترین حالات کے بارے میں واقعی کوئی خبر نہیں تھی لہٰذا میں نے کہہ دیا۔

''نہیں ...... مجھے کچھ معلوم نہیں۔''

''وہ بے چارہ ایک بہت بڑی مصیبت میں گرفتار ہو گیا ہے۔''

''اس کے عزائم کے پیشِ نظر ایسا ہونا تو تھا۔'' میں نے سرسری انداز میں کہا پھر پوچھا۔ ''اس پر کیا مصیبت نازل ہو گئی؟''

''گزشتہ رات پولیس نے اسے گرفتار کر لیا ہے۔''

''گرفتار؟'' میں نے چونکتے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''کس جرم میں؟''

''اس پر مظفر کے قتل کا الزام ہے۔''

''اوہ!'' میں ایک گہری سانس خارج کر کے رہ گیا۔ ''تو اس بے وقوف نے یہ حرکت کر ہی ڈالی۔''

''آپ غلط سمجھ رہے ہیں بیگ صاحب!'' وہ ٹوکنے والے انداز میں بولا۔ ''لیاقت نے اس جرم کا ارتکاب نہیں کیا۔ اسے کسی سازش کے تحت اس کیس میں ملوث کیا گیا ہے۔''

''کیا آپ لیاقت سے مل چکے ہیں؟''

''نہیں، ابھی تک اس سے میری ملاقات نہیں ہوئی۔''

''پھر آپ اس کی بے گناہی کے لئے اتنے پُریقین کیوں ہیں؟''

منان نے میرے استفسار کے جواب میں بتایا۔ ''لیاقت کی بیوی بلی (سلمیٰ) اس وقت میرے گھر میں موجود ہے۔ یہ لیاقت کے زور دینے پر ہی مجھ سے ملنے آئی ہے۔ لیاقت کی خواہش ہے آپ اس کے کیس کو اپنے ہاتھ میں لے لیں۔'' وہ لمحے بھر کو سانس لینے کی خاطر متوقف ہوا پھر بات کو آگے بڑھاتے ہوئے بولا۔

''بلی کو پورا یقین ہے مظفر کے قتل میں لیاقت کا کوئی ہاتھ نہیں۔ میں نے اس کی کہانی سننے کے بعد ہی یہ رائے قائم کی ہے۔ یہ فوری طور پر آپ سے ملنا چاہتی ہے تاکہ لیاقت کی بریت کے لئے چارہ جوئی کا آغاز کیا جا سکے۔''

''اوہ ...... اس وقت؟'' میں نے دیوار گیر کلاک پر نگاہ ڈالی۔ اس وقت رات کے دس بج

چکے تھے۔ میں نے پوچھا۔ ''لیاقت کہاں ہے؟''

منان نے جواب دیا۔ ''وہ تھانے میں ہے۔ آج صبح پولیس نے اسے عدالت میں پیش کر کے ایک ہفتے کا ریمانڈ حاصل کر لیا ہے۔''

گویا وہ ریمانڈ پر پولیس کسٹڈی میں ہے۔'' میں نے کہا۔ ''اس کیس کے سلسلے میں ایک ہفتے بعد ہی کوئی پیش رفت ممکن ہو سکے گی۔''

منان نے کہا۔ ''بلی بہت پریشان ہے۔ اگر میں اسی وقت اسے ساتھ لے کر آپ کے پاس آ جاؤں تو کوئی حرج تو نہیں؟''

''حرج تو کوئی نہیں مگر فائدہ بھی کوئی نہیں ہو گا۔'' میں نے کہا۔ ''یہ تیزی اگر لیاقت کی گرفتاری کے فوراً بعد دکھائی ہوتی تو شاید آج صبح عدالت میں، میں اس کے حق میں کچھ کر سکتا۔ کم از کم درخواست ضمانت تو لگا ہی دی جاتی۔ بہرحال......''

میں نے مبہم انداز میں جملہ ادھورا چھوڑا تو منان نے کہا۔ ''اگر اس وقت آپ سے ملنے کا کوئی فائدہ نہیں تو میں آپ کو خوامخواہ تکلیف نہیں دوں گا۔'' ایک لمحے کے توقف سے اس نے پوچھا۔ ''کل آپ کی کیا مصروفیات ہیں؟''

آئندہ روز عدالت میں میرا کوئی کیس نہیں تھا اور میں صبح ہی سے دفتر میں جم کر بیٹھنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ میں نے منان سے کہا۔ ''کل میں اپنے دفتر میں ملوں گا۔''

''ٹھیک ہے، میں بلی کو کتنے بجے آپ کے پاس بھیج دوں؟''

''نو بجے کے بعد کسی وقت بھی۔''

الوداعی کلمات کے بعد ہمارے درمیان ٹیلی فونک رابطہ ختم ہو گیا۔

اگلے روز میں دفتر پہنچا تو بلی انتظار گاہ میں موجود تھی۔ اس وقت صبح کے ساڑھے آٹھ بجے تھے۔ میں نے چیمبر میں پہنچتے ہی اسے اپنے پاس بلا لیا۔ میرے اشارے پر اس نے ایک کرسی سنبھالی اور رسمی علیک سلیک کے بعد بولی۔

''وکیل صاحب! میں کافی دیر سے آپ کا انتظار کر رہی تھی۔''

''میرا خیال ہے، میں لیٹ نہیں ہوں۔'' میں نے ایک اچٹتی سی نگاہ رسٹ واچ پر ڈالی اور بلی کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔ ''میں نے آپ کو نو بجے کے بعد بلایا تھا۔ کیا منان صاحب نے آپ کو اس بارے میں کچھ نہیں بتایا؟''

''بتایا تھا۔'' اس کا انداز معذرت خواہانہ ہو گیا۔ ''آپ کا کوئی قصور نہیں۔ میں ہی کچھ جلدی آ گئی ہوں۔''

میں نے معتدل الفاظ میں کہا۔ ''کوئی بات نہیں، بعض اوقات پریشانی میں ایسا ہو جاتا ہے۔''

اس کے چہرے پر اطمینان جھلکنے لگا۔

بلی کے بارے میں مجھے پتہ چلا تھا، وہ کم و بیش تیس سال کی تھی لیکن اس بات میں کسی شک وشبہے کی گنجائش نہیں کہ وہ پچیس سے زیادہ کی دکھائی نہیں دیتی تھی۔ اگر اس کا بدن بھرا بھرا نہ ہوتا تو وہ اس سے بھی کم عمر کی نظر آتی۔ بلی کے مائل بہ فربہی جسم میں ایک مخصوص تناسب اور کشش پائی جاتی تھی۔ بلاشبہ وہ ایک خوبصورت عورت تھی۔ لیاقت درحقیقت اس کا پاسنگ بھی نہیں تھا۔

میں نے بلی کو بڑی بڑی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا۔ ''ہاں، بتائیں آپ کے شوہر کے ساتھ کیا واقعہ پیش آ گیا؟'' اس کے ساتھ ہی میں نے رف پیڈ اور قلم سنبھال لیا۔

''لیاقت کو پولیس نے مظفر کے قتل کے الزام میں گرفتار کر لیا ہے۔'' اس نے گہری سنجیدگی سے کہا۔

''یہ بات تو منان صاحب مجھے بتا چکے ہیں۔'' میں نے رف پیڈ پر چند الفاظ گھسیٹتے ہوئے کہا۔ ''میں اس واقعے کی تفصیل جاننا چاہتا ہوں۔''

وہ چند لمحات تک متاملانہ نظر سے مجھے دیکھتی رہی پھر بولی۔ ''پتہ نہیں آپ مظفر کے پس منظر سے کس حد تک واقف ہیں۔ اس شخص نے پچھلے کچھ عرصے سے ہمارا ناک میں دم کر رکھا تھا۔''

میں مظفر، لیاقت اور بلی کے مثلث کے بارے میں جو کچھ جانتا تھا اسے مختصر الفاظ میں دہرا دیا۔ وہ اثبات میں گردن ہلاتی رہی اور میری بات کے اختتام پر بولی۔

''وقوعہ کی رات بھی اسی نوعیت کا ایک ناخوشگوار واقعہ پیش آیا تھا۔''

اتنا کہہ کر وہ خاموش ہو گئی تو میں سوالیہ نظر سے اسے دیکھنے لگا۔

وہ بتانے لگی۔ ''جس روز دکان پر مظفر اور لیاقت کے بیچ مار پیٹ ہوئی اس کے بعد سے لیاقت نے دکان بند کر کے جلدی گھر آنا شروع کر دیا تھا۔'' پھر اس نے وضاحت کی کہ پہلے لیاقت ساڑھے گیارہ، بارہ بجے تک دکان بند کرتا تھا اور اب وہ دس بجے تک گھر آ جاتا تھا۔

میں بدستور سوالیہ نظر سے اسے تکتا رہا تو اس نے مزید بتایا۔ ''اس طرح جلدی دکان بند کر دینے سے کاروبار پر منفی اثرات تو مرتب ہو رہے تھے لیکن میری خاطر لیاقت یہ نقصان

برداشت کرنے کو تیار تھا۔''

اتنا کہہ کر وہ متوقف ہوئی تو میں نے لقمہ دیا۔ ''اس سے ظاہر ہوتا ہے، لیاقت آپ سے بہت محبت کرتا ہے؟''

''اس میں کوئی شک نہیں۔'' وہ جلدی سے بولی۔ ''لیکن اس کی حماقتیں اس محبت کو مصیبت میں بدل دیتی ہیں۔''

اس نقطے پر میں بلی کا ہم خیال تھا۔ میں نے اس کے بیان کی تائید کی اور لیاقت کے اس منصوبے کے بارے میں اسے مختصراً بتایا جس میں وہ مجھے استعمال کر کے مظفر کو رنگے ہاتھوں پکڑنا چاہتا تھا۔ وہ افسوس ناک انداز میں سر ہلاتی رہی اور میرے خاموش ہوتے ہی بیزاری سے بولی۔

''کیا کروں، اس شخص کے سبب پیدا ہونے والی ساری الجھنیں مجھے ہی سلجھانا پڑتی ہیں۔''

میں فوراً اصل موضوع کی طرف آ گیا اور ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''ہاں! تو آپ مجھے وقوعہ کی رات پیش آنے والے واقعے کے بارے میں بتا رہی تھیں؟''

''لیاقت سے ہونے والے جھگڑے کے بعد مظفر ان اوچھی حرکتوں سے باز آ گیا تھا۔'' وہ وضاحت کرتے ہوئے بولی۔ ''لیکن وقوعہ کی رات اس کی سرگرمی دوبارہ دیکھنے میں آئی۔ لیاقت نئے معمول کے مطابق رات دس بجے گھر آ گیا۔ کھانے سے فارغ ہونے کے بعد ہم سونے کے لئے لیٹنے ہی والے تھے کہ گندی گلی میں مجھے ایک مخصوص سیٹی سنائی دی۔ میں اس وقت باورچی خانے میں برتنوں کے ساتھ مصروف تھی۔'' یہاں تک بتانے کے بعد وہ اپنے گھر کی مکانیت بیان کرنے لگی۔

وہ لگ بھگ ساٹھ گز رقبے پر بنا ہوا ایک لمبوترا سا گھر تھا۔ داخلی دروازے سے اندر آئیں تو پہلے ڈرائنگ روم پڑتا ہے۔ اس کے پیچھے اسی سائز کا ایک بیڈ روم تھا۔ بیڈ روم کے بعد چھوٹے سے صحن کا نمبر آتا ہے۔ اس صحن کے ایک جانب باورچی خانہ اور باتھ روم وغیرہ بنا ہوا تھا۔ صحن کا ایک دروازہ گندی گلی میں کھلتا تھا۔ اسی گندی گلی میں کھڑے ہو کر مظفر، بلی سے چھیڑ چھاڑ کیا کرتا تھا!

وہ واقعے کو آگے بڑھاتے ہوئے بولی۔ ''مخصوص سیٹی کی آواز سن کر میں فوراً سمجھ گئی کہ وہ لوفر آج رات پھر مجھے تنگ کرنے گلی میں پہنچ گیا ہے۔ اس کی اس حرکت پر تعجب کے ساتھ ساتھ مجھے فکر بھی ہوئی۔ تعجب اس بات کا کہ کافی دنوں کے بعد وہ کمینگی کر رہا تھا اور فکر

کا سبب یہ تھا کہ اگر لیاقت نے سیٹی کی آواز سن کر یہ اندازہ قائم کر لیا کہ گندی گلی میں مظفر موجود ہے تو وہ لمحے بھر میں طیش میں آ جائے گا۔ پھر اسے سنبھالنا میرے بس میں نہیں رہے گا۔ لیاقت کے سر والی چوٹ بمشکل ٹھیک ہونے کو آئی ہے۔ میں نہیں چاہتی تھی وہ مزید کسی ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو۔ میں خاموشی کے ساتھ بیڈ روم میں آ گئی اور لیاقت کو اس بارے میں کچھ نہ بتایا۔ بستر پر لیٹنے کے بعد بھی میں نے دو تین مرتبہ اس مخصوص سیٹی کی آواز سنی اور ہر بار کن انکھیوں سے لیاقت کی طرف دیکھا مگر جلد ہی مجھے اندازہ ہو گیا، اس کا دھیان گندی گلی والی سرگرمی کی جانب نہیں گیا تھا۔''

وہ لمحے بھر کو متوقف ہوئی پھر سلسلۂ کلام کو جاری رکھتے ہوئے بولی۔ ''میں بستر پر بے چین لیٹی اس صورتِ حال پر غور کر ہی رہی تھی کہ ہمارے گھر کے بیرونی دروازے پر تیز دستک سنائی دی۔ دروازہ اس شدت سے دھڑ دھڑایا جا رہا تھا جیسے کسی کے تعاقب میں جہنم کی بلائیں لگی ہوئی ہوں اور وہ خود کو محفوظ کرنے کے لئے ہمارے گھر میں داخل ہونا چاہتا ہو۔

اس طوفانی دستک نے لیاقت کو بستر چھوڑنے پر مجبور کر دیا۔ وہ دروازہ کھولنے کے لئے بیڈ روم سے نکل کر ڈرائنگ روم کی جانب بڑھ گیا۔ میں خود بھی بے حد پریشانی میں مبتلا ہو گئی۔ پتہ نہیں یہ بیٹھے بٹھائے کون سی مصیبت نازل ہو گئی تھی فوری طور پر میرا ذہن مظفر کی طرف گیا پھر مجھے اس کی خطرناک دھمکیاں یاد آنے لگیں۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے میں نے گندی گلی میں اس کی بے ہودہ سیٹی کی آواز سنی تھی۔ کیا تعجب کہ وہ کسی بات پر برہم ہو کر ہمارے دروازے پر آن پہنچا ہو۔ ایسے غنڈے بدمعاش سے کچھ بھی بعید نہیں ہوتا!

میں اسی ادھیڑ بُن میں غرق تھی کہ لیاقت نے دروازہ کھول دیا۔ ظاہر ہے اس نے دروازہ کھولنے سے پہلے باہر موجود شخص یا اشخاص سے کوئی استفسار ضرور کیا ہو گا۔ اگلے ہی لمحے میں نے ایک حاکمانہ آواز سنی پھر جلد ہی یہ حقیقت سامنے آ گئی کہ وہ پولیس والے تھے ...... اور لیاقت کو گرفتار کرنے کے لئے آئے تھے۔''

بولتے بولتے اس کی آواز رندھ گئی۔ ایک لمحے کے توقف سے اس نے بھراہٹ آمیز لہجے میں بتایا۔ ''پھر وہ لوگ لیاقت کو گرفتار کر کے لے گئے ...... مظفر کے قتل کے الزام میں۔''

''اوہ......'' میں نے متاسفانہ انداز میں کہا پھر پوچھا۔ ''پولیس والوں نے آپ کو یہ تو بتایا ہو گا کہ مظفر کب اور کہاں قتل ہوا؟''

''انہوں نے ایسی کوئی بات نہیں کی۔''

''پھر لیاقت کی گرفتاری کا کیا جواز بنتا ہے؟''

وہ تامل کرتے ہوئے بولی۔ ''مظفر کی لاش گندی گلی میں پائی گئی تھی۔''

''کیا......؟'' میں چونک اٹھا۔ ''آپ کے گھر کے پچھواڑے واقع گندی گلی میں؟''

''جی ہاں ......'' بیلی نے اثبات میں گردن ہلائی۔ ''لاش گلی میں کھلنے والے دروازے کے قریب پڑی تھی۔''

یہ خاصی گمبھیر صورت حال سامنے آئی تھی۔ مظفر کی لاش اگر لیاقت کے دروازے کے پاس پڑی ملی تھی تو پولیس کا اس کی طرف متوجہ ہونا فطری بات تھی۔ مگر بیلی کا بیان میرے ذہن کو بری طرح الجھا رہا تھا۔ اس نے تھوڑی دیر پہلے مظفر کی مخصوص سیٹی کے بارے میں جو کچھ بتایا، وہ موجودہ سچویشن سے لگا نہیں کھاتا تھا۔ اسی حوالے سے میں نے اس سے پوچھ لیا۔

''لیاقت کو پولیس نے کتنے بجے گرفتار کیا تھا؟''

''لگ بھگ ساڑھے گیارہ بجے رات۔'' اس نے جواب دیا۔

''آپ نے بتایا ہے ......'' میں نے رف پیڈ پر اندراج کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے کہا۔ ''لیاقت آج کل رات کو دس بجے تک گھر آ جاتا تھا۔ آپ لوگ کھانے سے فارغ ہونے کے بعد سونے کے لئے لیٹے تھے۔ اس سے تھوڑا پہلے آپ نے مظفر کی مخصوص سیٹی کی آواز سنی جو بعد میں بستر پر پہنچنے کے بعد بھی آپ کو دو تین مرتبہ سنائی دی۔ اس سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے، وہ بندہ پونے گیارہ بجے تک زندہ تھا اور گندی گلی میں موجود بھی تھا۔ پھر ساڑھے گیارہ بجے لیاقت کی گرفتاری اور وہ بھی مظفر کے قتل کے الزام میں ...... سمجھ میں آنے والی بات نہیں!''

لمحے بھر کو متوقف ہوا، پھر سلسلۂ کلام کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''ہمارے ملک کی بلکہ دنیا کے کسی بھی خطے کی پولیس ایسی تیز رفتار کارکردگی کا مظاہرہ نہیں کر سکتی۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہو سکتا ہے، آپ کے دروازے کے سامنے سے لاش کی بازیافت یا دریافت پر وہ لوگ آپ سے پوچھ گچھ کر سکتے تھے، کجا یہ کہ وہ دندناتے ہوئے آئے اور لیاقت کو مظفر کے قتل کے الزام میں گرفتار کر کے چلتے بنے۔ یہ تو نہایت ہی گہری اور سوچی سمجھی سازش معلوم ہوتی ہے۔''

''میں کیا کہہ سکتی ہوں وکیل صاحب!'' میری بات کے اختتام پر بیلی کمزور سی آواز میں

بولی۔

میں نے اس سے پوچھا۔ ''کیا آپ نے اپنی آنکھوں سے مظفر کی لاش کو گندی گلی میں پڑے ہوئے دیکھا تھا؟''

''نہیں جناب!'' وہ نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولی۔ ''میں تو اس قدر گھبرا گئی تھی کہ اس طرف میرا دھیان ہی نہیں گیا۔''

''پولیس والوں نے آپ سے کچھ سوالات تو کیئے ہوں گے؟''

''ہاں ...... چند سرسری سوالات پوچھے تھے۔'' اس نے بتایا۔

''کیا وہ سوالات کسی خاص زاویئے سے تھے؟''

''جی! انہوں نے مظفر اور لیاقت کے درمیان چند روز پہلے ہونے والی بدمزگی کے بارے میں پوچھا تھا اور میں نے انہیں اس کمینے کی بدمعاشی اور لیاقت سے زیادتی سے آگاہ کر دیا تھا۔''

میں گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ بلی کے مطابق، مظفر کم از کم ساڑھے دس بجے تک تو زندہ تھا۔ ساڑھے گیارہ بجے لیاقت کو اس کے قتل کے الزام میں گرفتار کر لیا گیا۔ اس ایک گھنٹے کے اندر جتنے کام ہوئے وہ عملاً اور واقعتاً ممکن نظر نہیں آتے۔ مثلاً مظفر کا قتل، اس کے قتل کی پولیس کو خبر، پولیس کا متحرک ہونا اور لیاقت کو مظفر کے قتل کے الزام میں گرفتار کر کے اپنے ساتھ لے جانا وغیرہ...... گندی گلی میں پڑی ہوئی کسی لاش کے بارے میں دوسرے روز صبح سے پہلے کسی کو کچھ معلوم ہو جانا ناممکنات میں سے تھا۔ ہاں البتہ اگر یہ ڈراما پہلے سے لکھے گئے کسی اسکرپٹ کے مطابق رچایا گیا تھا تو پھر دوسری بات تھی۔

میں نے بلی سے پوچھا۔ ''وقوعہ کی رات جب لیاقت گھر آیا اس وقت سے لے کر گرفتاری تک وہ ایک لمحے کے لئے بھی گھر سے باہر نکلا تھا؟''

یہ سوال میں نے محض اعشاریہ ایک فی صد امکان کے تحت پوچھا تھا جس کا جواب بلی نے نفی میں دیا۔ ''نہیں جناب! لیاقت کے آتے ہی ہم نے کھانا کھایا پھر سونے کے لئے لیٹ گئے۔''

''ہوں......'' میں نے گمبھیر انداز میں کہا۔ ''ذرا سوچ کر بتائیں، آپ کسی ایسے شخص کو جانتی ہیں جو لیاقت اور مظفر کے درمیان ہونے والے جھگڑے اور اس کی نوعیت سے آگاہ ہو؟ اس کے ساتھ ہی وہ جانکار شخص مظفر سے بھی کسی قسم کی پرخاش یا دشمنی رکھتا ہو؟''

یہ سوال میں نے اس نظریہ سے کیا تھا کہ ہو سکتا ہے، مظفر کے کسی دشمن نے ''حالات''

کا فائدہ اٹھا کر ایسا ''کام'' دکھایا ہو کہ اس کا مقصد بھی پورا ہو جائے اور پھانسی کا پھندا بآسانی کسی اور کی گردن میں فٹ ہو جائے!

تھوڑی دیر سوچنے کے بعد بلی نے جواب دیا۔ ''دیکھیں وکیل صاحب! لیاقت اور مظفر کے جھگڑے والی بات ڈھکی چھپی نہیں اور اس واقعے کے بعد سے یہ حقیقت بھی پوشیدہ نہیں رہی کہ مظفر مجھ پر بری نگاہ رکھتا تھا لیکن......'' وہ سانس لینے کے لئے رکی اور بڑے مضبوط لہجے میں بولی۔

''مظفر کے اس دشمن کے بارے میں آپ پوچھ رہے ہیں، میں ایسے کسی بھی شخص کو نہیں جانتی۔''

''پھر تو معاملہ خاصا ٹیڑھا ہو جاتا ہے۔'' میں نے خود کلامی کے انداز میں کہا۔ ''بہرحال پولیس کے موقف سے بہت کچھ جاننے کو مل جائے گا۔ آپ اس بارے میں مزید کچھ جانتی ہوں تو وہ مجھے بتا دیں۔''

بلی نے میرے سوال کے جواب میں جو کچھ بتایا وہ اس کیس کے لئے مفید نہیں تھا۔ یعنی اس کی ایسی کوئی اہمیت نہیں تھی کہ میں کسی موقع پر اسے استعمال کر سکوں۔

''ٹھیک ہے ...... میں آج تھانے جا کر لیاقت سے بھی مل لوں گا۔'' میں نے کہا۔ ''فی الحال مجھے اس کے این آئی سی کی ایک کاپی چاہئے ہو گی تاکہ میں ابتدائی ضروری کاغذات تیار کر لوں۔ جب تک پولیس تفتیش مکمل کر کے عدالت میں چالان پیش نہیں کر دیتی، میں لیاقت کے لئے کوئی عملی قدم نہیں اٹھا سکتا۔ تاہم اس ایک ہفتے کے دوران میں، میں دیگر امور نمٹا لیتا ہوں۔''

بلی نے مجھے لیاقت کے قومی شناختی کارڈ کی فوٹو کاپی مہیا کر دی۔

میں لیاقت کا شناختی کارڈ پہلے بھی دیکھ چکا تھا اور اس کی فوٹو کاپی بھی ملاحظہ کی تھی۔

بلی نے بھی مجھے ویسی ہی فوٹو کاپی دی۔ لگتا تھا لیاقت نے درجنوں ایسی فوٹو کاپیاں کروا رکھی تھیں۔ میں ''فوٹو کاپی'' ایسے الفاظ پر اس لئے بھی زور دے رہا ہوں کہ عمر کے سلسلے میں اللہ کے اس احمق بندے نے جو ڈنڈی ماری تھی اس ڈنڈی کا تعلق ایسی فوٹو کاپی میں کی گئی ''کارروائی'' سے تھا۔ یہاں اس کی مختصر تفصیل بیان کرنا خالی از دلچسپی نہ ہو گا۔

اس زمانے میں کمپیوٹرائزڈ این آئی سی نہیں ہوا کرتے تھے۔ قومی شناختی کارڈ کی پشت پر سب سے اوپر چھوٹے چھوٹے باکس پر مشتمل ایک لمبا سا بار بنا ہوا تھا۔ جس کے پہلے تین خانے ضلع کی نشاندہی کرتے تھے، اس کے بعد ایک خانہ خالی چھوڑ کر دو خانے یعنی باکس

حامل ہذا کارڈ کے پیدائش کے سال کو ظاہر کرتے تھے۔ کچھ عرصہ ان دو باکس میں وہ سال بھی درج کیا جاتا رہا جب وہ کارڈ بنا۔ بہرحال ان دو خانوں کے بعد ایک خانہ خالی چھوڑ کر پھر چھ خانے خاندان اور سیریل نمبر وغیرہ کے لئے تھے۔ کارڈ کے زیریں حصے میں اعداد میں بھی مکمل تاریخ پیدائش درج ہوتی تھی۔

لیاقت نے کمال عقل مندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے یہ ہنر دکھایا کہ نیچے درج تاریخ پیدائش میں سال تبدیل کر دیا۔ اس کی پیدائش کا اصل سال اکتیس تھا جسے اس نے اُنتالیس بنالیا۔ یہ کارروائی اس نے فوٹو کاپی کے ساتھ کی پھر اس کاپی کی مزید کئی کاپیاں نکلوالیں۔ اس طرح وہ اپنی دانست میں چون سے چھیالیس سال کا ہو گیا تھا۔ عمر میں آٹھ سال کی ڈنڈی مارتے ہوئے وہ اس حقیقت کو فراموش کر بیٹھا کہ اوپر بنے ہوئے بار میں سال پیدائش والے دو باکس میں تو "اکتیس" ہی درج ہے۔ اصل میں اسے اتنا شعور ہی نہیں تھا ورنہ وہ یہ تبدیلی بھی کر ڈالتا۔ میں نے اس کی یہ غلطی بلکہ کارنامہ فوراً پکڑ لیا تھا اور اس پر اسے سرزنش بھی کی تھی۔ لیاقت کی سادگی حماقت سے بھی کہیں آگے کی شے تھی!

میں نے بلی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "آپ دونوں کی عمروں میں اچھا خاصا فرق موجود ہے۔ مجھے تو اس بات پر حیرت ہے کہ آپ لوگوں کی شادی کیسے ہوگئی؟ دیکھنے والے کو بھی دونوں کی شخصیت میں کوئی موافقت دکھائی نہیں دیتی۔"

بلی کے چہرے پر ایسے تاثرات نمودار ہوئے جیسے اسے میری بات پسند آئی ہو لیکن فوری طور پر وہ ان تاثرات میں تبدیلی لاتے ہوئے بولی۔

"ایسی تو کوئی بات نہیں۔" اس کا انداز بڑے واضح طور پر چغلی کھا رہا تھا۔ "ہماری عمروں میں کچھ زیادہ فرق نہیں۔ یہی کوئی پندرہ سولہ سال! میں تیس کی ہوں اور وہ پینتالیس چھیالیس کا۔"

میں نے کہا۔ "کیا آپ کا تجربہ یہی کہتا ہے؟"

وہ تامل کرتے ہوئے بولی۔ "میرا خیال ہے لیاقت عمر کے معاملے میں ایک دو سال کی ڈنڈی مارتا ہے۔"

پہلے تو میرے جی میں آئی کی لیاقت کی این آئی سی والی پول کھول دوں، بلی کو بتاؤں کہ وہ ایک دو سال کا نہیں بلکہ پورے آٹھ کا گھپلا کر رہا ہے۔ لیکن پھر فوری طور پر میں نے جی میں اس "آئی" کو رد کر دیا۔ میرے نزدیک یہ اخلاق کے منافی تھا۔ تاہم میں نے اتنا ضرور کہا۔

"آپ تیس کی ہو کر بھی تئیس کی نظر آتی ہیں اور آپ کا شوہر چھیالیس کی بجائے چھیاسٹھ کا دکھائی دیتا ہے۔"

وہ جز بز سی ہو کر رہ گئی لیکن زبان سے کچھ نہ بولی۔

میں نے اپنی فیس کا معاملہ اور دیگر اخراجاتی امور طے کئے پھر بلی کو اپنے دفتر سے رخصت کر دیا۔

اس کے جانے کے بعد میں لیاقت کو پیش آنے والے واقعے کے پیچ وخم پر غور کرنے لگا۔

رات کو میں متعلقہ تھانے جا کر لیاقت سے بھی ملا۔ آدھے گھنٹے کی اس ملاقات کے نتیجے میں ڈھنگ کی کوئی بات معلوم نہ ہو سکی۔ بہرحال میں ضروری کاغذات پر اس کے دستخط لے کر واپس چلا آیا۔ آئندہ پیشی کے انتظار کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔

☆☆☆

ریمانڈ کی مدت پوری ہونے کے بعد پولیس نے چالان پیش کر دیا۔

باقاعدہ عدالتی کارروائی کا احوال بیان کرنے سے پہلے میں اس مقدمے سے متعلق ضروری امور کا ذکر کر دوں جن میں استغاثہ اور پوسٹ مارٹم رپورٹ زیادہ اہم ہے تاکہ کیس کی کوئی واضح صورت نکل کر سامنے آسکے۔

پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کے مطابق مقتول مظفر کی موت آٹھ فروری کی رات نو اور گیارہ بجے کے درمیان کسی وقت واقع ہوئی تھی۔ رپورٹ میں کسی خاص وقت کی نشاندہی نہیں کی گئی تھی تاہم اس بات پر زور دیا گیا کہ مقتول فوری طور پر موت کے منہ میں نہیں چلا گیا بلکہ "عالم بے خبری" میں کسی لمحے وہ موت سے ہمکنار ہوا تھا۔ اس عالم بے خبری کو کم و بیش دو گھنٹوں پر محیط بتایا گیا تھا۔

موت کا سبب مقتول کی کھوپڑی کی عقبی جانب لگنے والی وہ ضرب تھی جو کسی آہنی ہتھوڑے کی مدد سے پہنچائی گئی۔ اسی خوفناک ضرب کے طفیل مقتول عالم بے خبری میں چلا گیا اور اسی عالم میں وہ اس دنیا سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے کوچ کر گیا۔

آلہ قتل آہنی ہتھوڑا ایک سیلوفین بیگ کے اندر موجود تھا جو جائے وقوعہ سے پولیس کو ملا تھا۔ چوبی دستے والے اس ہتھوڑے کا آہنی ہیڈ کم و بیش ڈیڑھ کلوگرام وزنی ہوگا۔ ہیڈ کے ایک حصے پر جمے ہوئے خون کے آثار نظر آتے تھے جو مقتول ہی کا تھا۔ لیبارٹری ٹیسٹ نے اس امر کی تصدیق کی تھی۔ خون کے علاوہ ہتھوڑے پر مقتول کے سر کے چند بال بھی چپکے

ہوئے ملے تھے۔ الغرض اس بات میں کسی شک وشبے کی گنجائش نہیں تھی کہ مقتول مظفر کو اسی ہتھوڑے سے قتل کیا گیا تھا۔ ہتھوڑے کو مقتول کی کھوپڑی پر قاتل نے اتنی شدت سے استعمال کیا تھا کہ متاثرہ حصہ بری طرح پچک کر رہ گیا تھا۔ یہی طوفانی ضرب اس کی موت کا سبب بن گئی۔

میں نے پوسٹ مارٹم رپورٹ کے بعد سرسری انداز میں استغاثہ کا مطالعہ بھی کیا۔ تفصیل میں جانے کا وقت نہیں تھا۔ اس سرسری جائزے نے بھی مجھے بہت کچھ بتا دیا۔ استغاثہ میں مقتول اور ملزم کی چپقلش پر وافر مقدار میں روشنی ڈالی گئی تھی۔

استغاثہ کے مطابق ملزم لیاقت ایک شکی مزاج اور جھگڑالو طبیعت کا مالک شخص تھا۔ اس مخصوص طبیعت اور مزاج میں اس وقت شدت کا بگھار لگ گیا جب اس نے اپنے سے کہیں کم عمر بلبلی سے شادی کر لی۔ اسے ہر وقت یہ دھڑکا لگا رہتا کہ کہیں کوئی اس کی بیوی کو نہ لے اڑے۔ ایسی عمری تفاوت والی شادیوں میں شوہر اس نوعیت کی نفسیاتی کشمکش کا شکار ہو جاتا ہے۔ جو شخص بھی اس کی کم عمر (نسبتاً) بیوی کو مسکرا کر دیکھے یا اس سے خوشگوار لہجے میں بات کرے وہ ایسے شخص کو شک بھری نظر سے دیکھنے لگتا ہے۔ بہرحال، ملزم کے ذہن میں یہ کیڑا کلبلایا کہ مقتول اس کی بیوی بلبلی کو تنگ کرتا ہے۔ اس کی غیر موجودگی میں وہ گندی گلی میں آ کر بلبلی سے نازیبا حرکات کرتا ہے اور اسے اپنی جانب مائل کرنے کے لئے کوشاں ہے۔ حالانکہ درحقیقت ایسی کوئی بات نہیں تھی۔ مقتول نے مذکورہ بالا گندی گلی میں کبھی قدم نہیں رکھا تھا۔ بلبلی سے چھیڑ چھاڑ اور بے ہودہ حرکات تو بہت آگے کی بات ہے۔

اس کے بعد استغاثہ میں اس واقعے کی تفصیل تھی جب دکان پر ملزم اور مقتول کے درمیان اچھی خاصی ہاتھا پائی ہوئی تھی۔ دو فروری کو پیش آنے والے اس ناخوشگوار واقعے میں ملزم بری طرح زخمی ہو گیا تھا۔ یہ سراسر مقتول کی زیادتی تھی تاہم استغاثہ نے اسے الٹا رنگ دیا۔ اس کے مطابق ملزم اپنی نفسیاتی پیچیدگی کے سبب یہ یقین کر بیٹھا کہ مقتول اس کی بیوی سے بدتمیزی کا ارتکاب کر رہا ہے لہٰذا اس نے ایک روز اپنی دکان پر مقتول کو روک کر اس سے باز پرس شروع کر دی جس کے جواب میں مقتول نے نہ صرف خود پر عائد الزام کی تردید کی بلکہ اس نے بلبلی سے ناواقفیت کا بھی کھلم کھلا اظہار کر دیا جس کے نتیجے میں مقتول اور ملزم کے بیچ تلخ اور ترش کلامی انتہا کو پہنچ گئی اور وہ ناخوشگوار واقعہ پیش آ گیا۔

وقوعہ کی رات گندی گلی میں جو کچھ ہوا اس کے بارے میں استغاثہ نے زیادہ تفصیل میں جانے کی ضرورت محسوس نہ کی اور اختصار کا سہارا لیتے ہوئے بیان کیا کہ ملزم ہاتھا پائی والے

واقعے کے بعد اس موقع کی تاک میں تھا کہ مقتول سے بھیانک انتقام لے۔ وہ گاہے بگاہے یہ کہتا ہوا بھی سنا گیا کہ مقتول کو ایسا مزہ چکھائے گا کہ اس کی آنے والی نسلوں کو بھی کسی کی بیوی سے ایسی بے ہودہ چھیڑ چھاڑ کی ہمت نہیں ہو گی۔

ملزم لیاقت کے بے سمت جوشِ جذبات نے اس کے خلاف استغاثہ کے ہاتھ مضبوط کر دیئے تھے۔ اس قسم کی دھمکی آمیز باتیں اس نے مجھ سے بھی کی تھیں جس میں وہ مظفر کو ایک یادگار سبق سکھانے کا ارادہ رکھتا تھا۔ کچھ بعید نہیں کہ اس نوعیت کی انتقامی گفتگو اس نے دیگر افراد سے بھی کی ہو۔ استغاثہ نے ملزم کی ایسی ہی تعلیوں کو مضبوط بنیاد بنا لیا تھا۔ بہرحال پولیس کے پیش کردہ چالان کے آخر میں درج تھا......

پھر وقوعہ کی رات ملزم کو اپنے عزائم کی تکمیل کا موقع مل گیا۔ اس نے بے بنیاد شک کی وجہ سے مظفر کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اس سے آگے بھی اسی قسم کی چند باتیں درج تھیں۔

میں نے استغاثہ کے مطالعے سے فوراً سمجھ لیا کہ اس میں کئی ایک خامیاں موجود تھیں۔ بعض نہایت ہی اہم نکات کو نظر انداز کر دیا گیا تھا۔ حالانکہ ان کا ذکر بہت ضروری تھا۔ ان نکات کا ذکر میں عدالتی کارروائی کے دوران میں مناسب موقع پر کروں گا۔

میں نے اپنا وکالت نامہ اور ضمانت کی درخواست دائر کر دی۔ اس روز عدالت میں کوئی قابلِ ذکر کارروائی نہ ہو سکی۔ جج نے استغاثہ کے مطالعے کے بعد فردِ جرم پڑھ کر سنائی۔ ملزم نے صحتِ جرم سے صاف انکار کر دیا۔ اس کے بعد میں اپنے موکل کی ضمانت کے لئے دلائل دینے لگا۔

عام طور پر قتل کے ملزم کی ضمانت آسانی سے نہیں ہوتی۔ وکیل استغاثہ نے ضمانت کے خلاف زور مارا، نتیجتاً مجھے اس کوشش میں کامیابی حاصل نہ ہو سکی۔ عدالت نے میرے موکل کو جیوڈیشل ریمانڈ پر جیل بھیج دیا۔ آئندہ پیشی دس روز بعد تھی۔

ان دس دنوں میں مجھے باریک بینی سے کیس فائل کو پڑھنے کا موقع مل گیا۔ اس طرح میں نے خود کو تسلی بخش انداز میں تیار کر لیا۔ ہر وکیل کا اپنا اسٹائل ہوتا ہے۔ بعض لوگ بڑی بڑی باتوں کو بھی نظر انداز کر دیتے ہیں، بعض نہایت ہی غیر اہم نقطے پر کامیابی کی عمارت کھڑی کر کے دکھا دیتے ہیں۔

آئندہ پیشی پر استغاثہ کے گواہوں کا سلسلہ شروع ہوا تو میں نے جج سے درخواست کی کہ میں اس کیس کے تفتیشی افسر سے چند سوالات کرنا چاہتا ہوں۔

میری درخواست کو قبول کرتے ہوئے جج نے انکوائری آفیسر کو گواہوں والے کٹہرے میں

بلا لیا۔ وہ ایک اسمارٹ ایس آئی تھا۔ میں چند لمحات تک بغور اس کی شخصیت کا جائزہ لیتا رہا پھر کھنکار کر گلا صاف کرتے ہوئے اس سے مخاطب ہوا۔

''آئی۔او صاحب! کیا میں آپ کا نام جان سکتا ہوں؟''

''توفیق احمد سب انسپکٹر!'' اس نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔

''سب انسپکٹر صاحب! آپ کو اس واردات کی اطلاع کب اور کیسے ہوئی؟'' میں نے استفسار کیا۔

وہ بولا۔ ''وقوعہ کی رات ایک شخص نے تھانے فون کر کے ہمیں بتایا کہ مذکورہ گندی گلی میں قتل کی ایک واردات ہو گئی ہے۔ ہمارے روزنامچے کے مطابق یہ اطلاع لگ بھگ ساڑھے دس بجے رات دی گئی تھی۔''

''کیا آپ معزز عدالت کو بتانا پسند کریں گے کہ اطلاع کنندہ کا نام کیا تھا اور وہ کہاں رہتا ہے؟''

''اس نے اپنا نام شیخ احمد بتایا تھا۔'' آئی۔او نے جواب دیا۔ ''اس کی رہائش کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا!''

''کچھ کیوں نہیں کہا جا سکتا انکوائری آفیسر صاحب!'' میں نے حیرت بھرے لہجے میں کہا۔ ''تاریخ جغرافیہ معلوم کئے بغیر آپ نے کس طرح اس کی اطلاع کو سچ مان لیا؟ اس سلسلے میں تو پولیس کا ایک مخصوص طریقہ کار ہے۔''

''آپ ٹھیک کہتے ہیں۔'' وہ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔ ''ہم کسی بھی واقعے کی اطلاع دینے والے کے نام و مقام کی پہلے تصدیق کرتے ہیں اس کے بعد ہی کوئی کارروائی کی جاتی ہے۔ لیکن شیخ احمد کے سلسلے میں ایک مجبوری تھی۔''

''کیسی مجبوری؟'' میں نے تیز لہجے میں پوچھا۔

اس نے جواب دیا۔ ''شیخ احمد ایک پبلک کال آفس سے بات کر رہا تھا۔ جب ہم نے اس کے بارے میں کریدا تو اس نے ناراضگی سے کہا، اگر ہمیں اس کی بات کا یقین نہیں آ رہا تو ہماری مرضی۔ اس کا کام اطلاع دینا تھا، سو یہ کام اس نے کر دیا۔ اس اطلاع کی تصدیق کے لئے ہم خود جا کر جائے وقوعہ کا معائنہ کر لیں۔''

ایس آئی لمحے بھر کو موقف ہوا پھر سلسلۂ کلام کو جاری رکھتے ہوئے بولا۔ ''ہمارا خیال ہے اطلاع کنندہ خود کو پوشیدہ رکھنا چاہتا تھا۔''

''اگر آپ کے خیال کو درست مان لیا جائے تو پھر کہنا پڑے گا اس شخص نے اپنا نام بھی

صحیح نہیں بتایا ہوگا۔'' میں نے انکوائری آفیسر کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

اس نے تائیدی انداز میں گردن ہلا دی۔

میں نے کہا۔ ''عام طور پر پولیس اس قسم کی ادھوری اور مشکوک اطلاعات پر کارروائی نہیں کرتی۔ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟''

''آپ غلط نہیں کہہ رہے۔'' وہ گہری سنجیدگی سے بولا۔ ''اگر ہم بغیر تصدیق ہی منہ اٹھا کر بھاگ کھڑے ہوں تو بڑی مشکل ہو جائے۔ لوگوں کے ہاتھ پولیس کو تنگ کرنے کا ایک طریقہ آ جائے۔ معلوم ہوا، ایسی دس اطلاعات پر ہم نے فوری ایکشن لیا اور موقع پر پہنچ کر پتہ چلا دس میں سے نو جگہ زندگی امن و امان سے گزر رہی ہے۔ محض ہمیں بے وقوف بنانے اور مذاق اُڑانے کے لئے وہ اطلاع دی گئی تھی۔ آپ ہماری مجبوری کو سمجھ سکتے ہیں۔''

آخری جملہ اس نے میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے ادا کیا تھا۔ میں نے سر کو اثباتی جنبش دیتے ہوئے کہا۔ ''واقعی آپ کی مجبوری جینوئن ہے لیکن آپ کی یہ پالیسی مظفر مرڈر کیس میں دور دور تک دکھائی نہیں دیتی۔ کیا آپ معزز عدالت کو بتائیں گے، شیخ احمد کی فراہم کردہ اطلاع کو آپ نے کس طرح جانچا تھا؟''

''ایک تو اس نے پی سی او سے فون کیا تھا، دوسرے وہ از خود منظر پر نہیں آنا چاہتا تھا۔'' ایس آئی توفیق نے جواب دیا۔ ''پی سی او ایک ایسا مقام ہے جہاں سے سینکڑوں ہزاروں لوگ فون کرتے ہیں۔ اگر ہم اس پی سی او تک رسائی حاصل کر بھی لیں تو بھی مطلوبہ بندے تک پہنچنا ممکن نہیں ہوتا۔ یہ بات پی سی او والے کے علم میں نہیں ہوتی کہ کس شخص نے کس سے کیا بات کی ہوگی۔ لہٰذا اگر ہم ایسی کسی اطلاع پر حرکت میں آتے ہیں تو یہ سراسر رِسک ہوتا ہے۔''

''گویا مظفر مرڈر والے معاملے میں آپ نے سراسر رِسک لیا تھا؟''

''ہم نے پہلے ایک کانسٹیبل کو جائے وقوعہ پر بھیج کر اس خفیہ اطلاع کی تصدیق کی تھی۔'' انکوائری آفیسر نے فخریہ لہجے میں بتایا۔ ''کانسٹیبل نے واپس آ کر بتایا کہ مذکورہ گندی گلی میں واقعی ایک لاش پڑی ہوئی ہے۔ پھر میں دو کانسٹیبلوں کو اپنے ساتھ لے کر جائے وقوعہ پر پہنچ گیا تھا۔''

میں نے پوچھا۔ ''آپ کتنے بجے جائے واردات پر پہنچے تھے؟''

''سوا گیارہ بجے۔'' اس نے جواب دیا۔

''حیرت ہے!'' میں نے دونوں ہاتھ پھیلائے ہوئے کندھے اچکائے۔ ''سوا گیارہ بجے

آپ جائے وقوعہ پر پہنچے اور ٹھیک ساڑھے گیارہ بجے آپ نے میرے موکل کو مظفر کے قتل کے الزام میں اس کے گھر سے گرفتار کرلیا۔ محض پندرہ منٹ کی قلیل مدت میں آپ نے کیونکر یہ جان لیا کہ مظفر کو لیاقت نے قتل کیا ہے؟''

وہ چند لمحے گہری نظر سے مجھے دیکھتا رہا پھر رسانیت سے بولا۔ ''آپ ٹھیک کہتے ہیں ...... واقعی پندرہ منٹ میں کسی حتمی نتیجے پر پہنچنا ممکن نہیں مگر ملزم کی گرفتاری ٹھوس بنیادوں پر عمل میں لائی گئی تھی۔ ہم نے آپ کے موکل پر کچا ہاتھ نہیں ڈالا تھا۔''

''ٹھوس بنیادوں کی وضاحت بھی کردیں آئی۔او صاحب؟'' میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

وہ تھوک نگلتے ہوئے بولا۔ ''پہلی بات تو یہ کہ ہمیں مقتول اور ملزم کی چپقلش کے بارے میں پہلے سے علم تھا۔ دو فروری کو ان دونوں کے درمیان جو جھگڑا ہوا اس کی نہ صرف اطلاع تھانے میں پہنچ گئی تھی بلکہ یہ بھی سننے میں آیا تھا، ملزم نے مقتول کو خطرناک نتائج کی دھمکیاں بھی دی تھیں۔ اس نے چند افراد کے سامنے مظفر کو مزہ چکھانے کے عزائم کا اظہار کیا تھا۔ ہمارے لئے یہ اشارہ بڑی اہمیت رکھتا تھا چنانچہ جب ہمیں پتہ چلا کہ گندی گلی میں ملنے والی لاش مظفر کی ہے تو فوری طور پر ہمارا دھیان ملزم کی طرف گیا۔ پھر مظفر کی لاش گندی گلی میں جس دروازے کے نزدیک پڑی ملی وہ ملزم کے گھر کا عقبی دروازہ ہے اس لئے ہم نے فوری طور پر ملزم کو گرفتار کرلیا۔ یہ تو سامنے کی بات ہے وکیل صاحب! لاش جس کے دروازے کے سامنے پڑی ملے گی سب سے پہلے اسی سے پوچھ گچھ کی جائے گی۔''

''پوچھ گچھ!'' میں نے حیرت سے دہرایا پھر تیز آواز میں کہا۔ ''میری اطلاع کے مطابق آپ نے میرے موکل کا دروازہ دھڑدھڑایا اور جیسے ہی اس نے دروازہ کھولا، پولیس نے گھر کے اندر داخل ہوکر اسے گرفتار کرلیا۔ واقعات اور شواہد کے مطابق، پوچھ گچھ کا کہیں ذکر نہیں ملتا۔'' میں نے ایک لمحے کو توقف کیا پھر انکوائری آفیسر کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے اضافہ کیا۔

''توفیق صاحب! آپ نے جس اعتماد کے ساتھ کمانڈو ایکشن کرکے میرے موکل کو گرفتار کیا تھا اس سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے جیسے آپ نے اسے خود اپنی آنکھوں سے واردات کرتے دیکھا ہو۔ آپ اس سلسلے میں اتنے پُریقین کیوں تھے؟''

وہ میرے اس تیکھے سوال پر جزبز ہوکر رہ گیا۔ بات بناتے ہوئے بولا۔ ''دراصل ملزم اور مقتول کے پھڈے کے باعث فوری طور پر ملزم کی طرف ہی دھیان جاتا تھا۔'' پھر وہ مجھے

گھمانے کی کوشش کرتے ہوئے بولا۔ ''اور آپ نے پوچھ گچھ والی جو بات کی ہے نا...... تو ہم نے ملزم کو گرفتار ہی اسی لئے کیا تھا کہ تھانے میں لے جاکر اس سے پوچھ گچھ کی جائے ...... اور ہم نے ایسا کیا بھی۔''

انکوائری آفیسر کی باتوں میں ربط کا فقدان واضح طور پر نظر آرہا تھا۔ میں نے تیز آواز میں استفسار کیا۔ ''کیا آپ کی پوچھ گچھ کے نتیجے میں ملزم نے اقبالِ جرم کرلیا؟''

اس نے نفی میں گردن جھٹکی اور بولا۔ ''اگر یہ بندہ شرافت سے اپنے جرم کا اقرار کرلیتا تو اس کھٹ راگ کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ معزز عدالت ایک آدھ پیشی پر فیصلہ سنا دیتی۔'' ایک لمحے کو رک کر اضافہ کرتے ہوئے اس نے کہا۔ ''ملزم بڑا پکا ہے۔ دودھ، دہی اور کھیر کے روزانہ استعمال نے اسے خاصا مضبوط بنا دیا ہے لیکن ہم نے بھی اپنا کام بڑا مکمل کیا ہے۔ عدالتی کارروائی کے دوران میں اس کا جرم ثابت ہوجائے گا۔''

''یہ تو وقت آنے پر پتہ چلے گا۔'' میں نے سرسری انداز میں کہا پھر اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے باآواز بلند اضافہ کیا۔ ''آئی او صاحب! آپ کی باتوں سے ظاہر ہوتا ہے پولیس نے فرض شناسی کو لپیٹ کر کسی کونے کھدرے میں ڈال دیا ہے۔''

وہ اچھل پڑا۔ ''کیا مطلب ہے آپ کا؟''

میں نے مطلب کی وضاحت کرتے ہوئے کہا۔ ''جب آپ لوگوں کو ملزم اور مقتول کے دو فروری والے پھڈے کی اطلاع ملی تھی تو آپ کا فرض بنتا تھا، دونوں پارٹیوں کو تھانے بلاتے اور انصاف کے تقاضے پورے کرتے۔ اس واقعے میں میرے موکل کے ساتھ اچھی خاصی زیادتی ہوئی تھی۔ کئی روز تک اس کے سر پر پٹی بندھی رہی تھی۔''

''اگر مقتول نے ملزم کے ساتھ کس قسم کی کوئی زیادتی کی تھی تو اسے شکایت لے کر ہمارے پاس آنا چاہئے تھا۔ پھر ہم انصاف کے تقاضے پورے نہ کرتے تو کوئی بات بھی تھی۔ اگر ملزم اسی وقت تھانے میں آکر مقتول کے خلاف رپورٹ درج کرا دیتا تو ہماری طرف سے کسی کارروائی کا جواز بنتا تھا۔''

''آپ ٹھیک کہتے ہیں۔'' میں نے سرسری انداز میں کہا۔ ''اس معاملے میں واقعی ملزم کا قصور ہے۔ اپنے ساتھ ہونے والی زیادتی کے سلسلے میں اسے فریاد لے کر آپ کے پاس آنا چاہئے تھا۔''

''بجائے اس کے وہ مقتول کو بھیانک مزہ چکھانے کے لئے کوشاں رہا۔'' انکوائری آفیسر طنزیہ لہجے میں بولا۔ ''اور بالآخر اسے اپنے مقصد میں کامیابی حاصل ہوگئی۔'' بات ختم کرتے

ہی اس نے فخریہ انداز میں مجھے دیکھا۔

میں نے اچانک زاویہ بدل دیا اور پوچھا۔ ''آئی۔او صاحب! آلہ قتل کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟''

''آلہ قتل!'' اس نے زور دے کر یہ الفاظ دہرائے اور میز پر رکھے اس ہتھوڑے کی سمت دیکھا جس کی طوفانی ضرب نے مقتول مظفر کی کھوپڑی کا ''مذاق'' اُڑایا تھا۔ پھر میری جانب متوجہ ہوتے ہوئے بولا۔ ''آلہ قتل اس سیلوفین بیگ میں بند ہے۔ لیبارٹری ٹیسٹ کی رپورٹ آپ نے یقیناً دیکھی ہوگی۔ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ مظفر کو اسی ہتھوڑے کی مدد سے موت کے گھاٹ اتار گیا ہے۔''

''ٹھیک!'' میں نے ٹھوس انداز میں کہا۔ ''مجھے اس حقیقت سے کوئی اختلاف یا انکار نہیں کہ مقتول کی موت کا ذمے دار یہی ہتھوڑا ہے۔ میں یہ جاننا چاہتا ہوں، آلہ قتل آپ کو کہاں سے ملا؟''

''جائے وقوعہ سے۔'' انکوائری آفیسر نے ترنت جواب دیا۔ ''یہ لاش کے قریب ہی دیوار کے ساتھ پڑا تھا۔ میری عقابی نگاہ نے فوراً اسے اپنے احاطے میں لے لیا۔ پہلی ہی نظر نے مجھے بتا دیا۔ اسی ہتھوڑے کی مدد سے مظفر کو قتل کیا گیا ہے۔ مزید یقین کے لئے مظفر کی پچکی ہوئی کھوپڑی میری نظر کے سامنے تھی۔''

''آپ زیادہ سے زیادہ کتنے منٹ تک گندی گلی میں موجود رہے تھے؟''

''پندرہ منٹ۔'' اس نے متذبذب انداز میں جواب دیا۔

میں نے نفی میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ ''آپ اس بات کا اقرار کر چکے ہیں کہ آٹھ فروری کی رات آپ دو کانسٹیبلز کے ساتھ سوا گیارہ بجے جائے وقوعہ پر پہنچے تھے۔ آپ نے اس امر کی بھی تائید کی ہے کہ ملزم کو ٹھیک ساڑھے گیارہ بجے اس کے گھر کے اندر سے گرفتار کیا گیا۔ میں مانتا ہوں، آپ واقعی سوا گیارہ بجے رات جائے واردات پر پہنچے ہوں گے۔ لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ ملزم کا گھر تقریباً گلی کے وسط میں واقع ہے۔ لہٰذا گندی گلی میں کھلنے والا دروازہ بھی وسط ہی میں ہوگا۔ اگر آپ جائے وقوعہ سے چل کر صاف گلی میں ملزم کے دروازے تک آئیں تو اس میں آپ کو تین چار منٹ تو لگیں گے ہی۔ چنانچہ انہی پندرہ منٹ میں آپ نے لگ بھگ ایک گلی (آدھی گندی اور آدھی صاف) کا فاصلہ طے کیا، پھر کچھ وقت دروازہ دھڑ دھڑانے اور کھولنے میں بھی لگا ہوگا۔ اگر اس کل وقت کو پانچ منٹ شمار کر لیا جائے تو اس حساب سے گندی گلی میں آپ کا قیام محض دس منٹ پر محیط رہ جاتا ہے۔

کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟''

انکوائری آفیسر کے چہرے پر الجھن کے آثار نمودار ہوئے تاہم وہ یہ اندازہ نہ لگا سکا کہ میں اسے کس قسم کے جال میں بلانے کے لئے پکار رہا ہوں۔ تامل کرتے ہوئے اس نے کہا۔ ''اگر آپ دس منٹ پر خوش ہیں تو دس منٹ ہی سمجھ لیں!''

''یہ میری خوشی یا غمی کا معاملہ نہیں آئی او صاحب!'' میں نے تیکھے لہجے میں کہا۔ ''میں حقائق کی روشنی میں سچائی بیان کر رہا ہوں۔''

''ٹھیک ہے، میں صرف دس منٹ تک گندی گلی میں موجود رہا تھا۔'' وہ پسپائی اختیار کرتے ہوئے بولا۔

اس کو فرار ہوتے دیکھ کر میں نے چڑھائی کر دی۔ ''آئی۔او صاحب! ذرا سوچ کر بتائیں جب آپ دو کانسٹیبلز کے ساتھ جائے وقوعہ کی طرف جا رہے تھے تو آپ کو معلوم تھا، وہاں گندی گلی میں مظفر کو قتل کیا گیا ہے؟''

''اس میں سوچنے کی کیا بات ہے؟'' وہ جلدی سے بولا۔ اس کے لہجے میں ہلکی سی جھنکار موجود تھی۔ ''ظاہر ہے مجھے مقتول کے بارے میں کچھ پتہ نہیں تھا۔ ہمیں صرف اتنی اطلاع ملی تھی کہ وہاں قتل کی ایک واردات ہوگئی ہے۔''

''اس کا مطلب ہے یقینی طور پر آپ کو یہ بھی معلوم نہیں ہو سکتا تھا کہ قاتل کون ہے!'' میں نے اس کی آنکھوں میں بہت دور تک جھانکتے ہوئے کہا۔ ''یہ حقیقت تو جائے وقوعہ پر پہنچنے کے بعد ہی آشکار ہوئی تھی!''

''جی ہاں...... جی ہاں!'' اس نے بڑی سرعت سے اثبات میں سر ہلایا۔

میں نے اچانک پوچھا۔ ''کیا مقتول سے آپ کی گہری شناسائی تھی؟''

یہ سوال اتنا غیر متوقع اور اچانک تھا کہ وہ گڑبڑا گیا۔ گڑبڑاہٹ میں اس کے منہ سے نکلا۔ ''ہاں...... نہیں......''

''ایک جواب دیں۔ میں نے اسے ٹوکا۔ ''ہاں یا نہ!''

''م...... میرا مطلب ہے میں مظفر کا صورت آشنا تھا۔'' وہ سنبھلتے ہوئے بولا۔

''میرے پوچھنے کا مقصد بھی یہی تھا۔'' میں نے بدستور اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ ''مجرموں اور قانون کے رکھوالوں میں شناسائی تو ایک عام سی بات ہے، کوئی بھی اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتا۔''

جج نے پہلی مرتبہ اس گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے مجھ سے استفسار کیا۔ ''بیگ صاحب!

آپ نے یہ مجرموں اور قانون کے رکھوالوں کا حوالہ کس ذیل میں دیا ہے؟''

میں نے جج کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''جناب عالی! میری اطلاع کے مطابق ...... جو کہ کسی بھی طور غلط نہیں، مقتول مظفر اپنے علاقے کا ایک معروف غنڈا تھا اور یہ حقیقت علاقے کے تھانے والوں سے کسی بھی طرح پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔''

جج نے معنی خیز انداز میں گردن ہلائی اور مجھے اپنا کام جاری رکھنے کی ہدایت کر دی۔

میں اس کیس کے تفتیشی افسر کی طرف متوجہ ہو گیا۔ ''توفیق صاحب! آپ جائے وقوعہ پر پہنچے، آپ نے لاش کا جائزہ لیا اور چہرہ دیکھتے ہی آپ نے پہچان لیا، مقتول کا نام مظفر ہے۔ میں کچھ غلط تو نہیں کہہ رہا؟''

''آپ بجا فرما رہے ہیں۔'' اس نے مختصر سا جواب دیا۔

میں نے کہا۔ ''اس کے فوراً بعد آپ کی عقابی نظر نے آلہ قتل بھی تلاش کر لیا۔ پھر آپ ملزم کو گرفتار کرنے اس کے دروازے پر پہنچ گئے۔ مظفر اور آلہ قتل کو دیکھتے ہی آپ کو یقین ہو گیا کہ قتل کی اس واردات کا ذمے دار ملزم یعنی لیاقت شیر فروش کے سوا اور کوئی ہو ہی نہیں سکتا!''

''اور میں تھوڑی دیر پہلے اس کی وجہ بھی بیان کر چکا ہوں۔'' آئی۔او توفیق احمد نے قدرے بلند آواز میں کہا۔ ''ملزم اپنے خطرناک عزائم کو اِدھر اُدھر پھیلاتا رہا ہے۔''

''اِٹس او کے۔'' میں نے دونوں ہاتھ اوپر اٹھاتے ہوئے کہا پھر دھیمے لہجے میں تنقید کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے آئی۔او سے پوچھا۔ ''آلہ قتل کو جن آزمائشی مراحل سے گزارا جاتا ہے ان میں فنگر پرنٹس سرفہرست ہیں۔ کیس فائل میں مجھے کہیں بھی فنگر رپورٹ دکھائی نہیں دی۔ کیا آپ نے آلہ قتل پر سے فنگر پرنٹس اٹھانے کی کوشش ہی نہیں کی یا اس طرف آپ کا دھیان نہیں گیا؟''

''دھیان نہ جانے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا وکیل صاحب!'' وہ تلملا کر بولا۔ اس کے لہجے میں طنز جھلکتا تھا۔ ''میں نے آلہ قتل یعنی آہنی ہتھوڑے کے چوبی دستے پر سے قاتل کی انگلیوں کے نشانات حاصل کرنے کی پوری کوشش کی تھی لیکن مجھے اس کوشش میں ایک فیصد کامیابی بھی حاصل نہ ہو سکی۔''

''پھر آپ نے اس سے کیا نتیجہ اخذ کیا؟'' میں نے سوال کیا۔

وہ بولا۔ ''یہی کہ ملزم نے ہوشیاری کا مظاہرہ کرتے ہوئے آلہ قتل پر سے اپنی انگلیوں کے نشانات کو صاف کر دیا تھا۔''

''ہاں ...... اگر آپ کے خیال کو درست مان لیا جائے تو پھر ملزم یعنی قاتل کی ہوشیاری کو تسلیم کرنا پڑے گا۔'' میں نے معنی خیز انداز میں اپنے سر کو تائیدی جنبش دی۔ ''مگر دوسری طرف یہ بھی نظر آ رہا ہے کہ قاتل انتہا درجے کا احمق تھا۔''

وہ چونکا اور اضطراری لہجے میں پوچھ بیٹھا۔ ''یہ بات آپ کس بناء پر کہہ رہے ہیں؟''

''اس بناء پر کہ وہ آلہ قتل کو جائے وقوعہ پر چھوڑ گیا!'' میں نے سرسراتی ہوئی آواز میں کہا۔ ''اس طرح پولیس کا کام آسان ہو گیا۔ حالانکہ مجرموں کی ہمیشہ سے یہ کوشش رہی ہے کہ پولیس کے کام کو مشکل اور پیچیدہ سے پیچیدہ تر بنائیں۔ کیا آپ میری بات سے اتفاق کرتے ہیں؟''

''آپ نے بالکل درست کہا ہے۔'' وہ تائیدی انداز میں بولا۔

میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''پھر آپ کو میری اس بات سے بھی اتفاق کرنا ہو گا کہ قاتل نے دانستہ پولیس کے کام کو آسان بنانے کی کوشش کی تھی ورنہ وہ آلہ قتل کو کہیں بھی چھپا سکتا تھا۔''

''پتہ نہیں آپ کیا کہنا چاہتے ہیں!'' وہ جھنجلاہٹ بھرے لہجے میں بولا۔

میں نے کہا۔ ''میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ قاتل کی یہ خواہش رہی ہو گی، پولیس کو زیادہ محنت نہ کرنا پڑے۔ اس سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے وہ اپنے دل میں پولیس سے گہری ہمدردی رکھتا ہے۔''

''آپ...... آپ بہت ہی الجھی ہوئی اور سمجھ میں نہ آنے والی باتیں کر رہے ہیں۔'' انکوائری آفیسر کی جھنجلاہٹ عروج کو پہنچ گئی۔

میں نے اپنی دھن کو برقرار رکھتے ہوئے کہا۔ ''اور عین بلکہ عین ممکن ہے، قاتل ہی نے کسی پی سی او سے شیخ احمد بن کر تھانے فون کیا ہو، تاکہ پولیس فوراً حرکت میں آ جائے۔''

''آپ ان مفروضوں کی مدد سے کیا ثابت کرنا چاہتے ہیں؟'' وہ پھٹ پڑا۔

میں نے مخصوص وار جاری رکھا۔ ''اس طرح قاتل ایک طرف تو پولیس کا معاون دکھائی دیتا ہے اور دوسری جانب اسے مقتول سے بھی گہری ہمدردی ہے۔ وہ نہیں چاہتا تھا، مقتول کی لاش دوسرے دن تک اس گندی گلی میں بے خبر پڑی رہے۔ گندی گلی میں آوارہ گردی کرنے والے شب بیدار چوہے لاش کا جو حشر خراب کرتے وہ اسے منظور نہ تھا لہٰذا اس نے راتوں رات ہی مقتول کی لاش اٹھوانے کا بندوبست کر دیا!''

انکوائری آفیسر نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا اور بیزاری سے بولا۔ ''وکیل

صاحب! پتہ نہیں آپ کو کیا ہو گیا ہے؟''

اس کے ساتھ ہی عدالت کا وقت ختم ہو گیا۔

☆☆☆

آئندہ پیشی سے پہلے میں نے اس کیس کے بارے میں مزید تحقیق کی۔ اس کوشش میں منان اور لیاقت کی بیوی بلی نے میرا بہت ساتھ دیا۔ بلی اپنے شوہر کی وجہ سے بہت پریشان تھی۔ اس کی خواہش تھی کہ لیاقت جلد از جلد اس مصیبت سے نکل آئے۔ میں نے اسے بھرپور یقین دلایا کہ میں اس کے شوہر کا بال بھی بیکا نہیں ہونے دوں گا۔ وہ میری تسلی اور منان کی تشفی کے سہارے امید کا دامن پکڑے کھڑی تھی۔

اس دوران میں مجھے یہ بھی معلوم ہوا کہ پولیس کے علاوہ ایک اور شخصیت بھی اس کیس میں گہری دلچسپی لے رہی تھی بلکہ صحیح معنوں میں وہی شخصیت مدعی کا رول ادا کر رہی تھی۔ مجھے یہ جان کر حیرت بھی ہوئی۔ کیونکہ وہ علاقے کی ایک معروف سماجی اور سیاسی شخصیت تھی۔

عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ علاقے کے غنڈے اور بدمعاش طاقتور سماجی اور سیاسی شخصیات کے لئے مٹھی کے دانوں کی مانند ہوتے ہیں۔ وہ عام لوگوں کے لئے دہشت اور خوف کی علامت سہی مگر ایسی شخصیات کے اشاروں پر ناچنے کے لئے مجبور ہوتے ہیں۔

اس سوچ اور خیال سے قطع نظر ان علاقے کا ایک با اختیار شخص امان اللہ، مظفر مرڈر کیس میں خصوصی دلچسپی لے رہا تھا۔ سننے میں آیا تھا کہ ملزم کو بدترین سزا دلوانے کے سلسلے میں اس نے پولیس کی مٹھی گرم کر دی ہے اور اب عدالتی سطح پر ساز باز کی کوششوں میں مصروف ہے۔ بہرحال داؤ پیچ کو میں زیادہ اہمیت نہیں دیتا کیونکہ میری تیاری میں کوئی کمی نہیں تھی۔

اگر واقعی امان اللہ نامی وہ شخص اس کیس کا مدعی بن بیٹھا تھا تو اس کا مطلب یہی تھا مقتول مظفر اس کے لئے بہت اہمیت رکھتا ہو گا۔ وہ خواہ مخواہ اس کی خاطر کوشش نہیں کر رہا ہو گا۔

اس پیشی پر استغاثہ کی طرف سے جو گواہ پیش کیا گیا اس کا نام نوید الحسن تھا۔ نوید الحسن ایک الیکٹرونکس مکینک تھا اور صدر کی الیکٹرونکس مارکیٹ میں ایک دکان سے وابستہ تھا۔ اس دکان پر نئے اور استعمال شدہ ٹی وی، فریج اور دیگر الیکٹرونکس آلات فروخت ہوتے تھے۔ نوید الحسن کی عمر لگ بھگ پینتالیس سال ہو گی۔ وہ سانولے رنگ کا ایک میانہ قد شخص تھا۔

نوید الحسن کا گھر گندی گلی کی دوسری جانب یعنی لیاقت کے گھر کے عقب میں واقع تھا مگر عقبی گندی گلی میں کھلنے والے دونوں گھروں کے دروازے آمنے سامنے نہیں تھے۔

نوید الحسن نے سچ بولنے کا حلف اٹھانے کے بعد اپنا بیان ریکارڈ کرایا پھر وکیل استغاثہ جرح کے لئے اس کے کٹہرے کے قریب پہنچ گیا۔ کھنکار کر گلا صاف کرنے کے بعد اس نے پوچھا۔

''نوید صاحب! آپ کو اس علاقے میں رہتے ہوئے کتنا عرصہ ہوا ہے؟''

''دو نسلوں سے اسی گھر میں رہ رہے ہیں۔'' گواہ نے جواب دیا۔ ''میرے دادا نے یہ گھر بنایا تھا۔ اب میں اور میرے بیوی بچے رہتے ہیں۔''

''ویری گڈ!'' وکیل استغاثہ نے سراہنے والے انداز میں کہا۔ ''آپ ملزم کو کب سے جانتے ہیں؟''

بات ختم کرتے ہی ایکوزڈ باکس میں کھڑے میرے موکل کی جانب اس نے اشارہ کر دیا۔ گواہ نے جواب دیا۔

''اس شخص کو یہاں رہتے ہوئے لگ بھگ پندرہ سال ہو گئے ہیں یا اس سے کچھ زیادہ۔''

''آپ اس کے بارے میں کیا جانتے ہیں؟'' وکیل استغاثہ نے پوچھا۔

یہ انتہائی بے تکا سوال تھا۔ گواہ نے جواب دیا۔

''پہلے یہ اپنی والدہ کے ساتھ اس گھر میں رہتا تھا۔ پھر اس کی شادی ہو گئی۔ کوثر بہت اچھی عورت تھی لیکن ان ماں بیٹے نے اس کی قدر نہیں کی۔ وہ بمشکل ایک سال تک ان کے ساتھ رہی۔ اس دوران میں وہ اس گھر میں بیوی کا درجہ حاصل کر سکی اور نہ ہی بہو کی حیثیت اس کے حصے میں آئی۔ ملزم اور اس کی ماں نے اس بیچاری کو اس قدر تنگ کیا کہ وہ میکے میں جا بیٹھی۔ لگ بھگ چھ سال تک وہ میکے میں رہی۔ اس دوران میں ماں نے بیٹے کو اس بات پر آمادہ کر لیا کہ وہ بیوی کو طلاق دے دے۔ بیٹے نے ماں کی خواہش پوری کر دی۔ اس کے ساتھ ہی کوثر پر یہ الزام بھی عائد کر دیا کہ وہ بانجھ ہے۔'' گواہ نوید الحسن سانس لینے کو متوقف ہوا پھر سلسلۂ بیان کو جاری رکھتے ہوئے بولا۔

''پھر اس نے بلی سے شادی کر لی۔ ان دونوں کی عمروں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ کوثر کو طلاق دینے کے بعد کم و بیش دس سال تک یہ ایسے ہی رہا۔ اس دوران میں اس کی ماں کا انتقال بھی ہو گیا۔ نئی شادی کر کے اس نے خود کو مصیبت میں ڈال لیا ہے۔ انسان کچھ

تو سوچے۔ یہ تو خود اپنا مذاق اُڑوانے والی بات ہوئی نا!''

اتنا کہہ کر گواہ خاموش ہو گیا۔ میں نے محسوس کیا، وکیل استغاثہ اس کے بیان سے خاصا محظوظ ہو رہا تھا۔ میرے نزدیک گواہ نے جو کچھ بیان کیا وہ سراسر فروعی اور غیر متعلق تھا۔ اس قصے کا زیرِ سماعت کیس سے دور کا واسطہ بھی نہیں تھا۔ تاہم میں نے کسی قسم کی مداخلت نہ کی اور خاموش کھڑا یہ تماشا دیکھتا رہا۔

وکیل استغاثہ نے جرح کے سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے گواہ سے پوچھا۔ ''آپ نے ملزم کے حوالے سے ''اپنا مذاق خود اُڑوانے'' والی جو بات کی ہے اس سے آپ کی مراد کیا ہے؟''

میں سمجھ گیا، وکیل استغاثہ بھری عدالت میں میرے موکل کو تمسخر اور تحقیر کا نشانا بنانا چاہتا تھا۔ استغاثہ کے گواہ نوید الحسن نے جواب میں کہا۔ ''جناب! یہ تو سیدھی اور سامنے کی بات ہے جب انسان اپنے سے آدھی عمر کی عورت سے شادی کر بیٹھے گا تو لوگوں کو سامنے اور پیٹھ پیچھے چہ میگوئیوں کا موقع تو ملے گا نا ...... اور اگر کسی ایویں سے بوڑھے کی حسین اور جوان بیوی ہو تو یہ چہ میگوئیاں بڑی خطرناک صورت اختیار کر جاتی ہیں۔ لوگ یہاں تک کہنے سے باز نہیں آتے ...... پہلوئے حور میں لنگور، خدا کی قدرت ...... وغیرہ وغیرہ......''

وکیل استغاثہ نے معنی خیز انداز اختیار کیا اور پراسرار لہجے میں مستفسر ہوا۔ ''سننے میں آیا ہے پچھلے دنوں ملزم کی دکان پر مقتول اور ملزم کے مابین کسی بات پر اچھا خاصا جھگڑا ہو گیا تھا۔ کیا آپ اس پھڈے کے سبب سے آگاہ ہیں؟''

''میں کیا بہت سے لوگ اس معاملے سے واقف ہیں۔'' گواہ نے مبہم انداز میں کہا۔

وکیل استغاثہ شر انگیزی کے موڈ میں تھا۔ چونکتے ہوئے لہجے میں بولا۔ ''کون سا معاملہ؟''

گواہ تامل کرتے ہوئے بولا۔ ''ملزم کو شک تھا، مقتول اس کی بیوی پر بری نظر رکھتا تھا اور اس کی غیر موجودگی میں وہ بلی سے چھیڑ چھاڑ کرنے پہنچ جاتا تھا۔''

''کہاں پہنچ جاتا تھا؟''

''گندی گلی میں۔''

''وہی گندی گلی جو آپ کے اور ملزم کے گھروں کے عقب میں واقع ہے؟''

''جی ہاں، بالکل وہی گندی گلی۔'' گواہ نے مضبوط لہجے میں جواب دیا۔

وکیل استغاثہ نے کہا۔ ''ملزم کا دعویٰ ہے مقتول اس کی بیوی سے چھیڑ چھاڑ کرنے

رات آٹھ اور نو بجے کے درمیان گندی گلی میں پہنچتا تھا۔ کیا آپ نے بھی یہ بات سنی ہے؟''

گواہ نے اثبات میں سر ہلایا۔ ''جی ہاں ...... یہی سننے میں آیا ہے۔''

''آپ اپنی ڈیوٹی پر کتنے بجے جاتے ہیں اور واپسی کب تک ہوتی ہے؟''

''صدر کی الیکٹرونک مارکیٹ گیارہ کے بعد کھلتی ہے۔'' نوید الحسن نے پُرسوچ انداز میں جواب دیا۔ ''میں گھر سے گیارہ بجے نکل جاتا ہوں۔ واپسی میں کم و بیش سات بج جاتے ہیں۔ کبھی کبھار ساڑھے سات اور آٹھ بھی بج جاتے ہیں۔''

''آپ گھر آنے کے بعد کیا کرتے ہیں؟''

''پہلے میں نہا دھو کر فریش ہوتا ہوں۔'' گواہ نے بتایا۔ ''اس دوران میں میری بیوی چائے بنا لیتی ہے۔ چائے پینے کے بعد ہم گھریلو مسائل پر بات چیت کرتے ہیں۔ پھر بچے ٹیوشن سے آ جاتے ہیں رات کا کھانا ہم خبرنامے کے بعد کھاتے ہیں۔ اس کے بعد اپنے اپنے معمول کے مطابق سو جاتے ہیں۔''

''اس کا مطلب ہے ڈیوٹی سے آنے کے بعد آپ گھر سے نہیں نکلتے۔'' وکیل استغاثہ نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

''جی ہاں، عموماً ایسا ہی ہوتا ہے۔'' گواہ نے تائید کی۔ ''کبھی کوئی ایمرجنسی آن پڑے تو دوسری بات ہے۔''

وکیل استغاثہ نے پینترا بدلا اور کرارے لہجے میں بولا۔ ''ذرا سوچ کر بتائیں، آٹھ فروری کی رات کو بھی آپ حسب معمول گھر آئے تھے اور گھر میں داخل ہونے کے بعد پھر باہر نہیں نکلے تھے؟''

گواہ متذبذب نظر سے وکیل استغاثہ کو دیکھنے لگا۔

وکیل استغاثہ نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔ ''میں وقوعہ کی رات کا ذکر کر رہا ہوں۔''

''اوہ......'' گواہ نے ایک طویل سانس خارج کی پھر اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔ ''جی ہاں...... اس روز میں لگ بھگ سات بجے گھر پہنچ گیا تھا، پھر دوسری صبح ہی گھر سے نکلا تھا۔''

وکیل استغاثہ نے جرح کے سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''پوسٹ مارٹم رپورٹ کے مطابق مقتول مظفر کی موت وقوعہ کی رات یعنی آٹھ فروری کو رات نو اور گیارہ بجے کے درمیان واقع ہوئی ہے۔ اس تمام عرصے کے دوران میں آپ اپنے گھر کے اندر موجود تھے۔ ذرا ذہن پر زور دیں اور معزز عدالت کو بتائیں، ان دو گھنٹوں کے وقفے میں آپ نے گندی

گلی میں کسی قسم کی کوئی غیر معمولی حرکت محسوس کی یا دیکھی؟''

''مجھے اپنی قبر میں جانا ہے اس لئے جھوٹ نہیں بولوں گا۔'' گواہ گہری سنجیدگی سے بولا۔ ''میں نے اس رات گندی گلی میں اٹھا پٹخ کی آواز سنی تھی۔ صحیح وقت کا تو مجھے اندازہ نہیں لیکن وہ نو اور گیارہ بجے کے درمیان ہی کا کوئی لمحہ تھا۔''

''ملزم کے الزام نما دعوے کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟''

گواہ الجھن زدہ نظر سے وکیل استغاثہ کو تکنے لگا۔ شاید یہ سوال اس کی سمجھ میں نہیں بیٹھ سکا تھا۔ اس کی مشکل آسان کرتے ہوئے وکیل موصوف نے خود ہی وضاحت کر دی۔

''میرا مطلب ہے، ملزم لیاقت نے دعویٰ کیا ہے مظفر گندی گلی میں آ کر اس کی بیوی سے چھیڑ چھاڑ کرتا رہا تھا۔ یہ بات آپ سے بھی ڈھکی چھپی نہیں۔ اسی بناء پر دو فروری کو ملزم کی دکان پر مقتول اور ملزم کے بیچ ٹھیک ٹھاک ہاتھا پائی ہوئی تھی۔'' وکیل استغاثہ سانس لینے کے لئے متوقف ہوا پھر سلسلۂ کلام کو جاری رکھتے ہوئے بولا۔

''آپ عموماً رات سات، ساڑھے سات بجے تک گھر آ جاتے ہیں اور اس کے بعد باہر نہیں نکلتے۔ ملزم کے مطابق، مقتول کی چھیڑ خانی رات آٹھ اور نو بجے کے درمیان عمل میں آتی تھی۔ وہ بڑے بے ہودہ انداز میں سیٹی بجاتا اور بلی کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے مختلف آوازے کستا۔ اس دوران میں آپ اپنے گھر کے اندر موجود ہوتے تھے۔ یہ ممکن نہیں کہ گندی گلی میں جاری یہ کارروائی آپ کے علم میں نہ آتی۔ یہ کوئی ایک دو روز کا معاملہ نہیں تھا کہ آپ بے خیالی میں اسے نظر انداز کر بیٹھتے۔'' وہ لمحے بھر کو متوقف ہونے کے بعد دوبارہ گویا ہوا۔

''اب تو آپ میرے مقصد تک پہنچ گئے ہوں گے۔ آپ ملزم کے الزامی دعوے کی تصدیق کریں گے یا تردید؟''

''تردید!'' گواہ نوید الحسن نے حتمی لہجے میں کہا۔ ''میں نے اس دوران میں ایک مرتبہ بھی گندی گلی میں کسی سیٹی کی آواز سنی اور نہ ہی بے ہودہ جملے میری سماعت تک رسائی حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے۔''

''اس کا مطلب ہے بلی کے حوالے سے ملزم نے مقتول پر جو بھی الزامات لگائے وہ سراسر غلط تھے؟''

''جی ہاں...... حالات و واقعات سے تو یہی ثابت ہو رہا ہے۔'' گواہ نے جواب دیا۔

''ملزم نے دو فروری کو مقتول کے ساتھ جو جھگڑا کیا وہ بے بنیاد ہے؟''

''ہاں، ایسا ہی نظر آ رہا ہے۔''

وکیل استغاثہ نے کہا۔ ''اس سے ظاہر ہوتا ہے، ملزم نے ایک غلط فہمی میں نہیں بلکہ کسی سوچی سمجھی سازش کے تحت مظفر کو موت کے گھاٹ اتارا ہے۔''

گواہ نے وکیل استغاثہ کے سوال کے جواب میں ہاں کہا اور نہ ہی نہ! بس اتنا کہہ کر رہ گیا۔ ''جناب! میں اس سلسلے میں کیا کہہ سکتا ہوں؟''

وکیل استغاثہ نے مزید دو تین سوالات کے بعد گواہ کو فارغ کر دیا۔

میں اس دوران میں خاموش کھڑا وکیل استغاثہ کے انداز کو ملاحظہ کرتا رہا تھا۔ گواہ پر جرح کے دوران میں اس نے کم از کم اسی فیصد فضول گوئی اور غیر متعلقہ باتیں کی تھیں۔ وہ مظفر نامی مقتول غنڈے کو نہایت ہی پارسا ایک شریف شہری ثابت کرنے اور ملزم کو شکی، جھگڑالو اور نامعقول شخص باور کرانے کی کوشش میں مصروف رہا تھا۔ میں چاہتا تو کئی ایک جگہ پر آبجیکشن کر سکتا تھا لیکن میں نے مداخلت نہیں کی اور وکیل استغاثہ کی توانائیوں کو بے سمت ضائع ہوتے دیکھتا رہا۔ اپنی باری پر میں جج سے اجازت حاصل کرنے کے بعد گواہ والے کٹہرے کے نزدیک آ گیا اور چند منٹ میں اسے نمٹا کر چلتا کر دیا۔

''نوید الحسن صاحب!'' میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے شائستگی سے کہا۔ ''اگر میں آپ کو محض نوید کہوں تو آپ مائنڈ تو نہیں کریں گے؟''

''ہرگز نہیں!'' وہ قطعیت سے بولا۔

میں نے کہا۔ ''نوید صاحب! وکیل استغاثہ نے الٹے سیدھے سوال کر کے آپ کو بہت پریشان کیا ہے مگر فکر نہ کریں، میں آپ کے ساتھ ایسا سلوک نہیں کروں گا۔ بس دو تین سوالات کے بعد میں آپ کی جان چھوڑ دوں گا تا کہ آپ اپنے رزق روزگار کی طرف جا سکیں۔''

اس نے متشکر مگر الجھی ہوئی نظر سے مجھے دیکھا۔

میں نے اسے چکر دینے کے لئے ایک چال چلی۔ دراصل یہ چال گواہ کے توسط سے وکیل استغاثہ کے لئے تھی۔ میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''نوید صاحب! کوئی سوال کرنے سے پہلے میں آپ کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں کہ آپ نے استغاثہ کے گواہ کی حیثیت ہی سے سہی لیکن میرے موکل کی فیور میں بہت کچھ کہا ہے۔ آپ کی یہ تصدیق کہ مقتول، ملزم کی بیوی بلی کو تنگ کرنے گندی گلی میں نہیں آتا رہا، آگے چل کر میرے موکل کے لئے بہت مفید ثابت ہو گی۔''

میں نے ایسے ہی خواہ مخواہ وکیل استغاثہ کو تنگ کرنے کے لئے ایک آتش بازی چھوڑی تھی۔ میری یہ شرارت کامیاب رہی۔ بے ساختہ وکیل استغاثہ نے پوچھ لیا۔

''عجیب بات کر رہے ہیں آپ بھی۔'' اس کا مخاطب میں تھا۔ ''مقتول کا گندی گلی میں نہ جانا اور ملزم کی بیوی سے چھیڑ چھاڑ نہ کرنا تو ملزم کو جھوٹا ثابت کرتا ہے۔ اس سے ملزم کو کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے؟''

''اب میں کیا عرض کروں میرے فاضل دوست!'' میں نے استہزائیہ انداز میں کہا۔ ''آپ نے خود ہی فرما دیا کہ میں نے عجیب بات کر دی ہے۔ میں جانتا ہوں آپ کا شمار چوٹی کے وکلاء میں ہوتا ہے۔ یہ عجیب وغریب باتیں آپ کی سمجھ میں کیونکر آ سکتی ہیں!''

وہ مجھے کھا جانے والی نظر سے گھور کر رہ گیا۔

میں استغاثہ کے گواہ کی جانب متوجہ ہو گیا۔ ''نوید صاحب! آپ نے تھوڑی دیر پہلے معزز عدالت کے روبرو بتایا ہے کہ وقوعہ کی رات سات بجے سے لے کر اگلی صبح تک آپ اپنے گھر کے اندر موجود تھے۔ صحیح وقت کا آپ کو اندازہ نہیں تاہم رات نو اور گیارہ بجے کے درمیان آپ نے اپنے گھر کی عقبی گندی گلی میں اٹھا پٹخ کی آوازیں سنی تھیں۔ میں کچھ غلط تو نہیں کہہ گیا؟'' میں نے رک کر تصدیقی نظر سے گواہ کو دیکھا۔

''نہیں جناب! آپ بالکل درست کہہ رہے ہیں۔'' وہ سر کو اثباتی جنبش دیتے ہوئے بولا۔ ''میں نے عدالت کے روبرو یہی بیان دیا ہے۔''

میں نے پوچھا۔ ''اس اٹھا پٹخ کے علاوہ بھی آپ نے کسی قسم کی کوئی آواز سنی تھی؟ میرا مطلب ہے، کسی مخصوص سیٹی کی آواز ...... یا......؟''

میں نے دانستہ جملہ ادھورا چھوڑ دیا اور نوید الحسن کے چہرے کے تاثرات کا جائزہ لینے لگا۔ وہ دوٹوک لہجے میں بولا۔

''نہیں وکیل صاحب! میں نے اس رات گندی گلی میں کسی سیٹی وغیرہ کی آواز نہیں سنی تھی۔'' پھر اضافہ کرتے ہوئے بولا۔ ''یہ بات میں بڑی وضاحت سے بیان کر چکا ہوں کہ اس سے پہلے بھی میں نے گندی گلی کی جانب سے کسی مخصوص سیٹی یا آوازے کسنے کی صدا نہیں سنی تھی۔''

میرے موکل کی بیوی بیلی نے بڑی تفصیل سے مجھے بتایا تھا کہ وقوعہ کی رات کافی دن کے بعد اس نے گندی گلی میں مقتول کی مخصوص سیٹی سنی تھی۔ اس وقت وہ کچن میں جھوٹے برتن دھونے میں مصروف تھی۔ بیلی کے مطابق جب وہ سونے کے لئے بستر پر لیٹ گئی تو بھی

دو تین مرتبہ اس نے سیٹی کی آواز سنی تھی۔ اب یا تو بیلی جھوٹ بول رہی تھی یا پھر استغاثہ کا گواہ دروغ گوئی پر کمر بستہ تھا۔ ویسے ملزم کی بیوی بیلی کے جھوٹ بولنے کی کوئی وجہ سمجھ میں آتی تھی اور نہ ہی ضرورت دکھائی دیتی تھی۔ تاہم نوید الحسن تو اس بات پر بھی ڈٹا ہوا تھا کہ اس نے وقوعہ کی رات سے پہلے بھی کبھی گندی گلی میں سیٹی کی آواز یا بے ہودہ جملے نہیں سنے تھے۔ اگر نوید الحسن کی بات کو سچ مان لیا جاتا تو پھر بیلی جھوٹی ثابت ہوتی تھی۔ کیونکہ اس کی شکایت پر ہی تو لیاقت، مظفر کے خلاف ادھار کھائے بیٹھا تھا۔ بیلی نے لیاقت کو مظفر کی چھیڑ چھاڑ اور نازیبا حرکات کے بارے میں بتایا تھا جس کے بعد ہی اسے کسی ایسے وکیل کی ضرورت محسوس ہوئی جو اس کی مرضی کے مطابق مظفر کو رنگے ہاتھوں پکڑ لے! اس سلسلے میں سب سے پہلے اس نے مجھے ہی گھیرنے کی کوشش کی تھی۔

میں نے کٹہرے میں کھڑے گواہ کو گھسنے کا عمل جاری رکھا اور کہا۔ ''ٹھیک ہے آپ نے وقوعہ کی رات گندی گلی میں سیٹی کی آواز سنی اور نہ ہی کوئی بے ہودہ جملہ آپ کی سماعت تک رسائی حاصل کرنے میں کامیاب ہوا۔ ہاں، آپ اس بات کا اقرار کر چکے ہیں کہ رات نو اور گیارہ کے درمیان آپ نے گندی گلی کی جانب سے اٹھا پٹخ کی آواز سنی تھی۔ ذرا سوچ سمجھ اور یاد کر کے بتائیں، اس کے علاوہ بھی آپ نے کوئی مخصوص آواز سنی؟ میرا مطلب ہے اٹھا پٹخ سے تھوڑا پہلے یا تھوڑا بعد؟''

وہ چند لمحے خاموش رہ کر کچھ سوچتا رہا پھر چونکتے ہوئے لہجے میں گویا ہوا۔ ''میرا خیال ہے، میں نے کسی موٹر سائیکل کے گزرنے کی آواز سنی تھی۔''

''خیال ہے یا یقین؟'' میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

''یقین اس لئے نہیں کہہ سکتا کہ ممکن ہے وہ موٹر سائیکل گندی گلی کی بجائے برابر کی سڑک پر سے گزری ہو۔ ویسے بھی گندی گلی میں موٹر سائیکل کا کیا کام؟''

میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ ''زیر ساعت کیس کے مطابق اس گندی گلی میں جو کچھ پیش آ چکا ہے وہ سب غیر متعلق ہی ہے۔ آپ صرف اتنا بتائیں کہ وہ موٹر سائیکل کی آواز آپ نے اٹھا پٹخ سے پہلے سنی تھی یا بعد میں؟''

''بعد میں......'' اس نے پُرسوچ انداز میں جواب دیا۔

میں نے کہا۔ ''نوید صاحب! ہر انسان میں کم یا زیادہ، تجسس کا مادہ بہرحال ضرور پایا جاتا ہے اور آپ تو ماشاء اللہ خاصے ٹیکنیکل مائنڈڈ ہیں۔ مذکورہ مادہ آپ کے اندر بدرجۂ اتم موجود ہوگا!''

اتنا کہہ کر میں خاموش ہو گیا۔ وہ تعجب خیز نظر سے مجھے دیکھنے لگا۔ اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ میں اس سے کیا پوچھنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ میں نے جرح کے سلسلے کو اختتام کی طرف لاتے ہوئے کہا۔

''نوید صاحب! وقوعہ کی رات آپ نے گندی گلی میں اٹھا پٹخ کی آواز سماعت کی جس کے تھوڑی دیر بعد کسی موٹر سائیکل کے گزرنے کی آواز آپ کے کانوں تک پہنچی۔ یہ کوئی معمول کی کارروائی نہیں تھی۔ ممکن نہیں کہ آپ کے اندر تجسس نہ بھڑکا ہو۔ آپ اس سلسلے میں کیا کہتے ہیں؟''

''میں بری طرح چونک اٹھا تھا۔'' گواہ نے جواب دیا۔

''یہ چونکنا ہی درحقیقت تجسس اُبھرنے کی نشانی ہے۔'' میں نے کسی ماہر نفسیات کے انداز میں کہا۔ ''جو اس بات پر اکساتا ہے کہ ذرا دیکھا جائے صورتِ حال کیا ہے!''

''آپ کا تجزیہ بالکل درست ہے۔'' وہ تفہیمی انداز میں بولا۔

میں نے ٹٹولنے والے لہجے میں استفسار کیا۔ ''پھر آپ نے صورتِ حال جاننے کی کوشش کی؟''

اس نے تامل کرتے ہوئے کہا۔ ''نن...... نہیں!''

''کیوں؟'' میں نے تیز لہجے میں دریافت کیا۔

''اس کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔''

''کیا مطلب؟''

''مطلب یہ کہ اگر میں اندرونی تجسس کے ہاتھوں مجبور ہو کر گندی گلی میں جھانکتا تو وہاں مجھے کچھ بھی دکھائی نہ دیتا۔ اس لئے میں نے ایسی کوئی کوشش نہیں کی اور اپنے معمولات میں مصروف رہا۔'' گواہ نے وضاحت کرتے ہوئے بتایا۔

میں نے اس کے الفاظ پکڑ لئے۔ ''گندی گلی میں کچھ دکھائی کیوں نہیں دیتا؟''

''اس لئے کہ وہاں اچھا خاصا اندھیرا ہوتا ہے۔'' نوید نے سادگی سے جواب دیا۔

''مجھے اور کچھ نہیں پوچھنا جنابِ عالی!'' میں نے جج کی جانب دیکھتے ہوئے حتمی لہجے میں کہا۔

اس کے ساتھ ہی عدالت کا مقررہ وقت ختم ہو گیا۔

جج نے ایک ہفتہ بعد کی تاریخ دے کر عدالت برخاست کر دی۔

☆☆☆

آئندہ پیشی پر استغاثہ کے دو ایسے گواہ پیش ہوئے جن کے بیان اور ان پر وکیل استغاثہ کی جرح کوئی خاص اہمیت کی حامل نہیں۔ وکیل استغاثہ نے اپنے سوالات کے ذریعے ان گواہوں کی زبانی یہ باور کرانے کے لئے زور مارا کہ ملزم مقتول کے لئے اپنے دل میں بے پناہ عناد رکھتا تھا۔ وہ ان کے سامنے برملا کئی مرتبہ اس عزم کا اظہار کر چکا تھا کہ موقع ملنے پر وہ مقتول مظفر کو ایک یادگار سبق سکھائے گا۔ اس ''محنت'' سے وکیل استغاثہ عدالت کو یہ بتانا چاہتا تھا کہ ملزم کے ارادے پہلے سے بہت خطرناک تھے۔ وہ موقع کی تاک میں تھا۔ پھر وقوعہ کی رات اسے یہ موقع مل گیا اور اس نے ہتھوڑے کی ایک مہلک ضرب لگا کر مقتول کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

☆☆☆

میں نے استغاثہ کے ان دونوں گواہوں پر رسمی جرح کی اور انہیں فارغ کر دیا۔ اس کارروائی کی تفصیل میں جانا وقت ضائع کرنے کے مترادف ہو گا۔ لہٰذا یہ ذکر گول کرتے ہوئے میں آگے بڑھتا ہوں۔

اگلی پیشی استغاثہ کے گواہ وقار بزمی کی تھی۔ اس شخص سے جرح کے دوران میں کام کی ایک بات پتہ چلی جو آگے چل کر بہت مفید ثابت ہوئی۔ وقار بزمی دُبلا پتلا اور کمزور کاٹھی کا شخص تھا۔ وہ ''بزمی پان ہاؤس'' کے نام سے ایک دکان چلاتا تھا۔ اس کی مذکورہ دکان گندی گلی کے آخری کنارے پر روڈ کی دوسری جانب واقع تھی۔ اس نے اپنی آنکھوں پر نظر کا چشمہ لگا رکھا تھا۔

وقار بزمی نے سچ بولنے کا حلف اٹھایا پھر اپنا مختصر سا بیان ریکارڈ کرا دیا۔ اس کے بعد وکیل استغاثہ اس کے کٹہرے کے نزدیک پہنچ گیا۔ اس نے اپنی جرح کا آغاز کرتے ہوئے گواہ سے پوچھا۔

''بزمی صاحب! آپ اس شخص کو جانتے ہیں؟''

بات ختم کرتے ہی اس نے ملزم یعنی موکل لیاقت کی سمت انگلی سے اشارہ بھی کر دیا۔

گواہ نے اثبات میں گردن ہلائی اور جواب دیا۔

''جی ہاں...... بہت اچھی طرح جانتا ہوں۔''

''سننے میں آیا ہے، ملزم اکثر و بیشتر آپ کی دکان پر کھڑا ہو جاتا تھا۔'' وکیل استغاثہ نے جرح کے سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''آپ سے اس کی اچھی خاصی گپ شپ ہو جاتی تھی؟''

گواہ نے اثبات میں گردن ہلائی اور جواب دیا۔ ”جناب! کسی بھی محلے یا علاقے میں حجام اور پان سگریٹ کی دکان دو ایسے اڈے یا مقام ہوتے ہیں جہاں لوگوں کو آپس میں اور دکاندار سے گپ شپ کا اچھا خاصا موقع مل جاتا ہے۔ ملزم اکثر و بیشتر اپنے مسائل پر مجھ سے گفتگو کرتا رہتا تھا۔“

”اس کے تازہ ترین مسائل کیا تھے؟“ وکیل استغاثہ نے کریدنے والا انداز اختیار کیا۔

گواہ نے جواب دیا۔ ”پچھلے دنوں ...... میرا مطلب ہے جب مظفر کے قتل والا واقعہ پیش نہیں آیا تھا تو ملزم اس کی وجہ سے بہت پریشان تھا۔ اس کا خیال تھا، مقتول اس کی نوجوان اور خوبصورت بیوی پر بری نظر رکھتا تھا اور یہ مقتول کو کوئی ناقابل فراموش سبق سکھانا چاہتا تھا۔ خاص طور پر......“ گواہ اپنی سانس ہموار کرنے کے لئے متوقف ہوا پھر سلسلۂ بیان کو آگے بڑھاتے ہوئے بتانے لگا۔

”خاص طور پر جب دو فروری کو ان دونوں کے درمیان شدید نوعیت کا پھڈا ہوا تو اس کے بعد سے ملزم کے عزائم بہت خطرناک ہو گئے تھے۔ وہ ہر وقت مقتول سے بھیانک انتقام لینے کی باتیں کرتا رہتا تھا۔“

سیانے کہتے ہیں، انسان کو سب سے زیادہ نقصان اس کی زبان سے پہنچتا ہے۔ اس لئے بولنے والے اس عضو کو بہت سوچ سمجھ اور تول کر استعمال کرنا چاہئے ...... سیانوں نے جو کچھ بھی فرمایا ہے وہ برسوں کے تجربات کا نچوڑ ہے!

میں جانتا ہوں، لیاقت نے مظفر کی کھلی غنڈا گردی اور بلی سے چھیڑ چھاڑ کے حوالے سے اِدھر اُدھر بہت سی باتیں کی تھیں جن سے مظفر کے لئے اس کی برہمی اور شدید غصے کا اظہار ہوتا تھا یہی باتیں اب اس کے خلاف استعمال کرنے کی کوشش کی جا رہی تھیں۔ یہ عین ممکن تھا، دوسرے لوگوں کی طرح اس نے وقار بزمی کے سامنے بھی اپنے غم و غصے کا اظہار کیا ہو۔ بہرحال، اس طرح تو ہوتا ہے اس طرح کے کاموں میں!

وکیل استغاثہ نے گواہ سے سوال کیا۔ ”بزمی صاحب! آپ نے معزز عدالت کو بتایا ہے، دو فروری والے واقعے کے بعد سے ملزم مقتول سے انتقام لینے کی خطرناک باتیں کرنے لگا تھا۔ ذرا سوچ کر بتائیں، کیا آپ نے اس کی باتوں، اس کے عزائم سے یہ بھانپا کہ وہ مقتول کی جان بھی لے سکتا ہے؟“

”ہاں، محسوس تو ایسا ہی ہوتا تھا۔“ گواہ نے سنجیدہ لہجے میں جواب دیا۔

اس کے ساتھ ہی وکیل استغاثہ نے جرح موقوف کر دی۔

اپنی باری پر میں ملزم کی طرف ایک امید افزا نظر ڈالتے ہوئے گواہ وقار بزمی والے کٹہرے کے قریب پہنچ گیا۔ میں چند لمحات تک گہری نظر سے اس کا جائزہ لیتا رہا، پھر جرح کا آغاز کرتے ہوئے کہا۔

”بزمی صاحب! آپ اپنی دکان پر کون کون سے آئٹمز فروخت کرتے ہیں؟“

”بنیادی طور پر تو وہ پان سگریٹ کی دکان ہے۔“ گواہ نے متحمل لہجے میں جواب دیا۔ ”اس کے علاوہ میں نے مختلف قسم کی سوئٹس بھی رکھی ہوئی ہیں۔“

”بزمی صاحب! تھوڑی دیر پہلے آپ نے وکیل استغاثہ کے سوال کے جواب میں دعویٰ کیا ہے کہ آپ ملزم کو بڑی اچھی طرح جانتے ہیں؟“

”جی ہاں ...... آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔“

”آپ نے ملزم کو کیسا پایا؟“

”انتہائی شکی، غصہ ور اور جھگڑالو۔“ وہ بے ساختہ بولا۔

میں نے اسے آڑے ہاتھوں لیا۔ ”کیا ملزم نے کبھی کسی بھی حوالے سے آپ کی ذات پر شک کیا؟“

”نہیں!“

”کسی بات پر آپ سے غصہ ہوا ہو؟“

ایک مرتبہ پھر اس نے نفی میں گردن ہلائی۔

میں نے استفسار کیا۔ ”آپ دونوں کے درمیان کبھی ہاتھا پائی یا کسی نوعیت کا جھگڑا ہوا ہو؟“

”ایسا کوئی واقعہ میرے علم میں نہیں۔“ وہ جزبز ہوتے ہوئے بولا۔

”پھر......“ میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ ”تھوڑی دیر پہلے آپ نے میرے ایک سوال کے جواب میں ملزم کے بارے میں جن خیالات کا اظہار کیا ہے وہ سراسر غلط بیانی کے زمرے میں شمار ہوگا۔ آپ کا ذاتی تجربہ تو یہ ثابت کرتا ہے کہ میرا موکل جھگڑالو ہے، نہ ہی شکی اور نہ غصہ ور۔ لگتا ہے آپ استغاثہ کے کسی خاص دباؤ کے تحت ملزم کے بارے میں اس قسم کے منفی بیان دے رہے ہیں۔ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں بزمی صاحب؟“

وہ سٹپٹا کر وکیل استغاثہ کو دیکھنے لگا۔ اس کا یہ دیکھنا اس بات کا ثبوت تھا کہ ملزم کے خلاف استغاثہ نے اسے خاص قسم کی بریفنگ دی تھی۔ میں جب بدستور چبھتی نظر سے اسے گھورتا رہا تو وہ جھنجلاہٹ آمیز انداز میں بولا۔

"وکیل صاحب! جو حقیقت تھی وہ میں نے بتا دی۔ اب آپ کی جو مرضی آئے اس سے مطلب نکالیں۔"

"اس اجازت کا بہت بہت شکریہ بزمی صاحب!" میں نے معنی خیز انداز میں کہا۔ "اب اپنی مرضی کے مطالب اخذ کرنے میں مجھے بہت آسانی رہے گی۔"

وہ خجل سا ہو کر مجھے دیکھنے لگا۔ میں نے جرح کے سلسلے کو آگے بڑھایا۔

"بزمی صاحب!" اس کے چہرے پر نگاہ گاڑتے ہوئے میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ "آپ کا دعویٰ ہے کہ آپ ملزم کو بڑی اچھی طرح جانتے ہیں۔ ازیں علاوہ آپ نے اقرار کیا ہے ملزم اکثر و بیشتر دکان پر کھڑے ہو کر آپ سے گپ شپ کرتا رہتا تھا۔ آپ نے یہ بھی محسوس کر لیا کہ وہ مقتول سے کوئی بھیانک انتقام لینے کا ارادہ بھی رکھتا ہے اور اب آپ کا خیال ہے، ملزم نے مقتول کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہے؟"

وہ مفرور انداز میں جلدی سے بولا۔ "یہ میرا نہیں استغاثہ کا خیال ہے!"

"اور آپ استغاثہ کے ایک معزز گواہ ہیں۔"

وہ میری جرح سے گھبرا کر وکیل استغاثہ کی طرف دیکھنے لگا۔

میں نے پُر معنی انداز میں جج کی جانب دیکھا اور جرح کے سلسلے کو اختتام کی سمت دھکیلتے ہوئے وقار بزمی سے استفسار کیا۔

"بزمی صاحب! تھوڑی دیر پہلے آپ نے معزز عدالت کو بتایا ہے کہ ملزم اکثر و بیشتر آپ کی دکان پر کھڑے ہو کر اپنے حالات کے دکھڑے روتا رہتا تھا۔ ذرا سوچ کر بتائیں، وہ کبھی آپ کی دکان سے کچھ خریدنے بھی آیا تھا؟"

اس نے اثبات میں جواب دیا۔

میں نے کہا۔ "میری معلومات کے مطابق ملزم پان کھاتا ہے اور نہ ہی تمباکو نوشی کا عادی ہے۔ پھر وہ کون سے آئٹم کی خریداری کے لئے آپکی دکان پر آتا تھا؟ نہ صرف آتا تھا بلکہ گھنٹوں وہاں کھڑے ہو کر آپ سے گپ شپ بھی کرتا تھا؟"

وہ گڑبڑا گیا۔ "کبھی ماچس ...... کبھی ٹافی چاکلیٹ ...... کبھی سونف سپاری......"

"کبھی چیونگم ...... اور کبھی چونا کتھا۔" میں نے اسی انداز میں کہا۔

وہ قدرے شرمندہ ہو کر مجھے دیکھنے لگا۔

میں نے یک دم زاویۂ سوالات تبدیل کر دیا اور گواہ کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"بزمی صاحب! آپ نے ملزم سے اچھی خاصی گپ شپ کر رکھی ہے اور جانتے ہیں ملزم

کے دعوے کے مطابق مقتول ایک عرصے تک گندی گلی میں کھڑے ہو کر اس کی بیوی بلی سے بے ہودہ گوئی اور چھیڑ چھاڑ کرتا رہتا تھا۔ استغاثہ مقتول کی اس "جسارت" سے انکاری ہے۔ آپ استغاثہ کے ایک اہم گواہ ہیں۔ اس سلسلے میں آپ کیا کہیں گے؟"

"میں بھلا کیا کہہ سکتا ہوں؟" وہ الجھن زدہ انداز میں بولا۔

"آپ بہت کچھ کہہ سکتے ہیں!" میں نے اٹل لہجے میں کہا۔

"مم...... مثلاً......" وہ ہکلا کر بولا۔

میں نے کہا۔ "میں یہ معلوم کر چکا ہوں، آپ کی پان سگریٹ کی دکان رات بارہ ایک بجے تک کھلی رہتی ہے۔" ایک لمحے کو توقف کر کے میں نے اس کی آنکھوں پر موجود چشمے کی جانب اشارہ کیا اور پوچھا۔ "یہ دور کا چشمہ ہے یا نزدیک کا؟"

"دور کا۔" اس نے جواب دیا۔

"ویری گڈ!" میں نے سراہنے والے انداز میں کہا۔ حالانکہ ایسی کوئی بات نہیں تھی۔ گواہ کا چشمہ دور کا ہوتا یا نزدیک کا، اس سے کیا فرق پڑتا تھا۔ بہر حال، میں نے اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے مزید کہا۔ "ملزم کا دعویٰ ہے، مقتول رات آٹھ اور نو بجے کے درمیان گندی گلی میں پہنچ کر اس کی بیوی سے چھیڑ خانی کرتا تھا۔ میں نے جس گندی گلی کا ذکر کیا ہے وہ آپ کی دکان کے بالکل سامنے پڑتی ہے۔ آپکی دکان پہ تو اکثر و بیشتر لوگ کھڑے گپ شپ کرتے رہتے ہیں۔" میں ایک لمحے کو سانس لینے کے لئے متوقف ہوا پھر آگے بڑھا۔ "کیا آپ نے ...... یا آپ کی دکان پر کھڑے کسی شخص نے مقتول کو ملزم کی بیوی سے نازیبا حرکات کرتے دیکھا تھا یا آپ کے کانوں نے گندی گلی کی سمت سے ابھرنے والی کوئی ایسی آواز سنی ہو جس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکے کہ کوئی لفنگا مرد، کسی شریف عورت کے ساتھ چھیڑ خانی کی کوشش میں مصروف ہے؟"

"اول تو ایسی کوئی بات تھی ہی نہیں۔ ملزم اپنی بیوی کے سلسلے میں بے حد شکی اور......"

اس نے میرے موکل کے خلاف زبان کھولی ہی تھی کہ پہلے ہی قدم پر میں نے اسے روک دیا۔ "آپ سے جو سوال کیا جا رہا ہے صرف اس کا جواب دیں بزمی صاحب!" میں نے قدرے تیز لہجے میں کہا۔ "ملزم کے شک اور غصے کو میں خود دیکھ لوں گا!"

وہ سٹپٹا گیا اور تھوڑے تامل کے بعد اس نے کہا۔ "آپ کے سوال کا جواب یہ ہے کہ میں نے گندی گلی میں کبھی مظفر کو داخل ہوتے یا نکلتے نہیں دیکھا اور نہ ہی اس طرف سے ایسی ویسی کوئی آواز سنی جس کو بدتمیزی یا چھیڑ خانی کے خانے میں فٹ کیا جا سکے۔ دوسرے

لوگوں نے کچھ دیکھا اور سنا کہ نہیں ...... یہ آپ انہی سے پوچھیں!''

''ٹھیک ہے، ان سے بھی پوچھیں گے۔'' میں نے معتدل لہجے میں کہا۔ ''پہلے آپ کو تو فارغ کر لیں۔'' پھر میں نے اپنے لہجے میں قدرے سختی بھرتے ہوئے کہا۔ ''بزمی صاحب! آپ نے میرے سوال کا تشفی بخش جواب نہیں دیا!''

''آپ کس قسم کی تشفی چاہتے ہیں؟'' الٹا اس نے مجھ سے سوال کر ڈالا۔

میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''بزمی صاحب! آپ نے فرمایا ہے کہ آپ نے کبھی مظفر کو گندی گلی میں داخل ہوتے یا وہاں سے نکلتے نہیں دیکھا۔ جب کہ میں نے پوچھا تھا، آیا آپ نے کبھی گندی گلی میں مقتول کو ملزم کی بیوی کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کرتے دیکھا تھا؟''

''اس کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا!'' وہ ٹھوس لہجے میں بولا۔

میں انجان بن گیا۔ ''کس کا سوال پیدا نہیں ہوتا بزمی صاحب؟''

''کسی چھیڑ چھاڑ کو دیکھنے کا۔''

''کیوں جناب ...... اس منظر کو ملاحظہ کرنے میں کیا رکاوٹ ہے؟''

''ملزم کا دعویٰ ہے، مقتول رات کو آٹھ اور نو بجے کے درمیان اس کی بیوی کو تنگ کرنے گندی گلی میں آیا کرتا تھا۔'' گواہ وقار بزمی سمجھانے والے انداز میں بولا۔ ''مذکورہ گندی گلی خاصی طویل ہے اور ملزم کا گھر لگ بھگ گلی کے وسط میں واقع ہے۔ رات کی تاریکی میں اتنی دور کسی نوعیت کی نقل وحمل اور نازیبا حرکات کو نوٹ کرنا ممکن نہیں۔ اگر ایسا کوئی واقعہ پیش آیا بھی ہو گا تو میں اس سے واقف نہیں۔''

''گویا مختصر اور سادہ الفاظ میں آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ گندی گلی کے نظارے کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ رات کی تاریکی تھی؟'' میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ ''جی ہاں ...... میں یہی بتانا چاہ رہا ہوں۔''

''او کے بزمی صاحب!'' میں نے معتدل انداز میں کہا پھر معنی خیز نظر سے جج کی جانب دیکھا۔

''جنابِ عالی! میں معزز عدالت سے درخواست کروں گا کہ گندی گلی کی تاریکی کو خاص طور پر نوٹ کیا جائے!''

''دی پوائنٹ اِز ٹو بی نوٹیڈ۔'' جج نے اپنے سامنے پھیلے ہوئے کاغذات پر چند الفاظ گھسیٹنے کے بعد با آواز بلند کہا اور سوالیہ نظر سے میری جانب دیکھنے لگا۔

میں کٹہرے میں کھڑے استغاثہ کے گواہ وقار بزمی کی جانب متوجہ ہو گیا۔

''بزمی صاحب! بس آپ سے ایک آخری سوال کرنا ہے۔ ذرا سوچ سمجھ کر جواب دیجئے گا کیونکہ غلط جواب آپ کو کسی مصیبت میں بھی گرفتار کر سکتا ہے۔ اس سلسلے میں پہلے سے عدالت میں کچھ ثبوت موجود ہیں۔''

وہ متذبذب نظر سے میری جانب دیکھنے لگا۔ میں نے مستحکم لہجے میں کہا۔

''معزز عدالت کے ریکارڈ پر یہ بات آچکی ہے کہ وقوعہ کی رات کوئی موٹر سائیکل گندی گلی سے نکلتے ہوئے سنی گئی ہے۔ اغلب امکان اس بات کا ہے، مذکورہ موٹر سائیکل گندی گلی سے نکل کر آپ کی دکان کی طرف سے مین روڈ پر پہنچی تھی۔ یہ ممکن نہیں کہ وہ موٹر سائیکل آپ کی نگاہ میں نہ آئی ہو!''

میں ایک لمحے کے لئے سانس لینے کو متوقف ہوا پھر سلسلۂ کلام کو جاری رکھتے ہوئے کہا۔ ''آپ کی دکان کم از کم رات بارہ بجے تک کھلی رہتی ہے جب کہ میں نے جس موٹر سائیکل کا ذکر کیا ہے وہ رات نو اور گیارہ کے درمیان کسی وقت گندی گلی سے نکلی تھی۔ آپ اس سلسلے میں کیا کہیں گے بزمی صاحب؟''

استغاثہ کے ایک گواہ نوید الحسن نے معزز عدالت کے روبرو اس بات کی تصدیق کی تھی کہ وقوعہ کی رات گندی گلی میں اٹھا پٹخ کی آواز کے بعد ایک موٹر سائیکل کے روانہ ہونے کی آواز بھی سنائی دی تھی۔ وہ اس بات کے لئے پُر یقین نہیں تھا کہ موٹر سائیکل گندی گلی سے نکلی تھی یا برابر والی سڑک پر سے گزری تھی۔ بہر حال، میں نے اس اشارے کو استعمال کیا اور بہت سے حوصلہ بخش اور مفید نتائج برآمد ہوئے۔

عدالت کے اصول کے مطابق ایک وقت میں صرف ایک گواہ کو ہی شہادت کے لئے پیش کیا جاتا ہے تاکہ کیس کسی بھی طور متاثر نہ ہو۔ نوید الحسن نے مذکورہ موٹر سائیکل کے بارے میں جو بھی بیان دیا، وقار بزمی اس سے واقف نہیں تھا لہٰذا مجھے اپنا مقصد حاصل کرنے میں آسانی ہو گئی۔

میں سوال پوچھ کر خاموش ہوا تو بزمی کے چہرے پر کچھ اس قسم کے تاثرات نمودار ہوئے جیسے اچانک اسے کوئی اہم بات یاد آگئی ہو۔ وہ تھرتھراتی ہوئی آواز میں بولا۔

''مم ...... مجھے یاد آرہا ہے ...... میں نے اس رات ایک موٹر سائیکل کو گندی گلی سے نکلتے دیکھا تھا ...... یہ بات اس لئے بھی میرے حافظے سے چپکی رہ گئی کہ گلی سے نکلتے ہی جب وہ موٹر سائیکل مین روڈ پر چڑھی تو بری طرح لہرا گئی تھی۔ ایک ٹھیلے والا اس کا نشانہ بننے سے

بال بال بچا تھا۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے موٹر سائیکل سوار کو کہیں جانے کی جلدی ہو۔'' وہ لمحے بھر کو متوقف ہوا پھر اپنی بات مکمل کرتے ہوئے بولا۔

''میں نے ابھی جس موٹر سائیکل کا ذکر کیا ہے اس پر سوار شخص نے ہیلمٹ پہن رکھا تھا اس لئے میں اس کا چہرہ نہ دیکھ سکا۔ وہ مکمل ہڈ والا ایک نیلے رنگ کا ہیلمٹ تھا۔''

''تھینک یو مائی ڈیئر ڈنس۔'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا پھر روئے سخن جج کی جانب موڑ لیا۔

''یور آنر! استغاثہ کے گواہان نوید الحسن اور وقار بزمی کے مطابق وقوعہ کی رات مقتول کی موت کے متوقع اوقات کے دوران میں کوئی موٹر سائیکل سوار جائے وقوعہ سے روانہ ہوتے ہوئے پایا گیا ہے۔ حالات و واقعات کی روشنی میں مذکورہ نا معلوم موٹر سائیکل سوار بہت زیادہ اہمیت اختیار کر جاتا ہے۔'' میں ایک لمحے کو متوقف ہوا پھر سلسلۂ مدعا جاری رکھتے ہوئے کہا۔

''اگر مذکورہ پراسرار شخص کا سراغ مل جائے تو اسے عدالت میں حاضر کر کے اس کی زبان سے بہت سی اہم باتیں اُگلوائی جاسکتی ہیں۔ مجھے یقین ہے یہ شخص مظفر مرڈر کیس میں ہمارے لئے نہایت معاون ثابت ہوسکتا ہے لہٰذا......''

میں نے بات ادھوری چھوڑی اور جج کی طرف دیکھتے ہوئے مؤدب لہجے میں کہا۔''میں معزز عدالت سے استدعا کرتا ہوں کہ استغاثہ کو حکم دیا جائے کہ وہ مذکورہ شخص کو تلاش کر کے عدالت میں حاضر کرنے کا بندوبست کرے تا کہ......''

''اس بندوبست اور تلاش کی ضرورت نہیں۔'' میری بات پوری ہونے سے پہلے ہی وکیل استغاثہ بول اٹھا۔''جس موٹر سائیکل سوار کا ذکر کیا جا رہا ہے اس کا نام استغاثہ کے گواہوں کی فہرست میں شامل ہے۔'' وہ ایک لمحے کو رکا پھر ڈرامائی لہجہ اختیار کرتے ہوئے بولا۔''لگتا ہے میرے فاضل دوست نے استغاثہ کے گواہوں کی فہرست کو غور سے نہیں دیکھا؟''

میں نے بے ساختہ استغاثہ کے گواہوں کی فہرست پر نگاہ ڈالی۔ اس فہرست کے مطابق صرف ایک گواہ باقی بچا تھا اور اس کا نام تھا...... ایوب درانی!

وکیل استغاثہ کے انداز سے واضح تھا، موٹر سائیکل سوار سے اس کی مراد ایوب درانی ہی تھی۔ تاہم پھر بھی میں نے تصدیق ضروری سمجھی اور براہِ راست وکیل استغاثہ کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے استفسار کیا

''آپ کا اشارہ ایوب درانی کی طرف ہے میرے فاضل دوست؟''

اس نے بڑے فخریہ انداز میں سر کو اثباتی جنبش دی۔

پھر عدالت کا وقت ختم ہوگیا۔ جج نے پندرہ روز بعد کی تاریخ دے کر عدالت برخاست کرنے کا اعلان کر دیا۔''دی کورٹ اِز ایڈجارنڈ!''

میں عدالت کے کمرے سے باہر نکلا تو لیاقت کی بیوی بلی میرے ہمراہ تھی۔ ہم طویل برآمدے میں باتیں کرتے ہوئے ایک ساتھ چلنے لگے۔ آج وہ خاصی متفکر نظر آتی تھی، پوچھنے لگی۔''وکیل صاحب! لیاقت سزا سے بچ جائے گا نا؟''

''بے شک! وہ باعزت بری ہوگا۔'' میں نے پُر اعتماد لہجے میں کہا۔''میں غیر محسوس طریقے سے کامیابی کے دروازے کے قریب پہنچ چکا ہوں۔ انشاء اللہ جیت ہماری ہی ہو گی۔''

وہ الجھے ہوئے لہجے میں بولی۔''اب تو اس کیس کو عدالت میں لگے کافی عرصہ ہوگیا۔ میں لیاقت کی وجہ سے دن رات بہت پریشان رہتی ہوں۔''

میں نے کہا۔''آپ کی پریشانی بہت جلد دور ہونے والی ہے۔ اور جہاں تک کیس کے عدالت میں لگنے کی بات ہے تو ابھی اس کو چند ماہ گزرے ہیں۔ شاید آپ کو معلوم نہیں فوجداری کے مقدمات دو تین سال تو آسانی سے کھنچ جاتے ہیں۔ میں محسوس کر رہا ہوں، اس سے پہلے کبھی عدالت سے آپ کا واسطہ نہیں پڑا۔''

''یہ پہلا واسطہ ہے اور اللہ کرے آخری بھی ہو!'' وہ بیزاری سے بولی۔

میں نے تسلی آمیز لہجے میں کہا۔''اللہ کرے ایسا ہی ہو!''

میں ویسے تو پوری توجہ کے ساتھ بلی سے گفتگو کر رہا تھا تاہم غیر محسوس انداز میں میرا دھیان اپنے عقب میں بھی تھا۔ میں واضح طور پر بھانپ چکا تھا کہ چند قدم کا فاصلہ رکھ کر کوئی ہمارے تعاقب میں آ رہا تھا۔ ویسے تو عدالت کے برآمدے میں آنے جانے والوں کی کمی نہیں تھی لیکن میں نے جس ان دیکھے شخص کا ذکر کیا، وہ یقیناً میری کھوج میں تھا۔ میں نے اس سے نمٹنے کا فیصلہ کیا اور یکلخت قدم روک کر پیچھے کو گھوم گیا۔

مذکورہ شخص ٹھٹک کر رکنے پر مجبور ہوگیا۔ وہ امان اللہ تھا۔ مجھے باوثوق ذرائع سے پتہ چلا تھا امان اللہ در پردہ رہ کر اس کیس کی پشت پناہی کر رہا تھا۔ وہ اس کیس کے ملزم یعنی میرے موکل لیاقت کو مظفر کے قتل کے الزام میں سزا دلوانے کا خواہاں تھا اور اس مقصد کے لئے اس نے پولیس کی مٹھی بھی گرم کی تھی۔

ہماری نظریں ملیں اور آنکھیں چار ہوئیں تو مجھے اس کے چہرے پر خجالت کے آثار نظر آئے۔ میں نے گہری سنجیدگی سے پوچھا۔ ''جی امان اللہ صاحب! آپ کو مجھ سے کوئی کام ہے؟''

''اوہ ...... تو آپ میرے نام سے واقف ہیں۔'' وہ مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہوئے بولا۔

میں نے اخلاق کے تقاضے نبھاتے ہوئے اس کا ہاتھ تھام لیا اور کہا۔ ''جناب! آپ تو اپنے علاقے کی بڑی جانی پہچانی شخصیت ہیں۔'' پھر میں نے بڑے معنی خیز انداز میں اضافہ کیا۔ ''نام کیا، میں تو آپ کی ایکٹیویٹی وغیرہ سے بھی آگاہ ہوں۔''

اس کے چہرے پر ایک رنگ سا آ کر گزر گیا تاہم سنبھلتے ہوئے معتدل لہجے میں بولا۔ ''بیگ صاحب! آپ سے مل کر مجھے خوشی ہوئی ہے۔ آپ بڑے اچھے انداز میں جرح کرتے ہیں۔ اگر مجھے کبھی کسی قابل وکیل کی ضرورت محسوس ہوئی تو میں آپ ہی سے رابطہ کروں گا۔''

''وِدھ پلیور!'' میں نے سر کو ہلکا سا خم دیتے ہوئے کہا پھر جیب سے وزیٹنگ کارڈ نکال کر اس کی جانب بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''یہ رکھ لیں۔ ہوسکتا ہے واقعی آپ کو میری ضرورت پڑ جائے۔''

میرے آخری جملے میں طنز کی بھرمار تھی، وہ برداشت کرتے ہوئے بولا۔ ''تھینک یو۔''

''امان اللہ صاحب!'' میں نے ایک اور وار کیا۔ ''کیا واقعی آپ کو مجھ سے مل کر خوشی ہوئی ہے؟''

''ہاں ہاں.....'' وہ گڑبڑا گیا۔ ''کیا آپ کو یقین نہیں آ رہا؟''

''مجھے واقعی یقین نہیں آیا۔'' میں نے کوئی کسر چھوڑنا مناسب نہ سمجھا۔

وہ حیرت بھرے لہجے میں پوچھ بیٹھا۔ ''اس بے یقینی کا سبب؟''

''دراصل آپ کا چہرہ زبان کا ساتھ نہیں دے رہا۔''

''چہرے بعض اوقات جھوٹ بھی بول جاتے ہیں۔''

''زبان بھی اس وصف سے مبرا نہیں!''

''اوہ ...... ہم بھی کس بحث میں الجھ گئے۔'' وہ جلدی سے رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے بولا۔ ''مجھے ایک ضروری کام سے جانا تھا۔'' وہ خود کو بے انتہا مصروف شخص ظاہر کرنے کی کوشش کر رہا تھا، بولا۔ ''اچھا بیگ صاحب! پھر ملیں گے۔''

پھر اس نے بڑی عجلت میں مصافحہ کیا اور یہ جا وہ جا!

میں نے پہلے بھی عدالت کے کمرے میں امان اللہ کو دو تین مرتبہ دیکھا تھا لیکن ہمارے درمیان یہ پہلی گفتگو ہوئی تھی۔ پتہ نہیں وہ کس مقصد سے میرے تعاقب میں آ رہا تھا۔ بہرحال میں نے بڑے شریفانہ طریقے سے اسے آڑے ہاتھوں لیا تھا۔ اس کے جانے کے بعد بلی نے مجھ سے پوچھا۔

''وکیل صاحب! یہ شخص کون تھا؟''

''یہ آپ کے علاقے کی ایک معروف سیاسی اور سماجی شخصیت ہے۔'' میں نے اسے بتایا۔

''مجھے تو یہ اوّل آخر آپ کا مداح نظر آیا ہے۔''

''ٹھیک کہتی ہیں آپ بھی۔'' میں نے سرسری انداز میں کہا۔

بلی کو رخصت کرنے کے بعد میں اپنی گاڑی میں بیٹھا اور عدالت کے احاطے سے نکل گیا۔

آئندہ پیشی سے پہلے میں نے نہایت ہی احتیاط اور رازداری کے ساتھ ایوب درانی کے بارے میں معلومات حاصل کر لیں اور یہ جان کر میں چونک اٹھا کہ ایوب درانی، مقتول مظفر کا ایک قریبی ساتھی تھا۔ مجھے یہ بھی پتہ چلا کہ وہ دونوں امان اللہ کے ''آدمیوں'' میں شمار ہوتے تھے۔ یہ ایک ایسا انکشاف تھا جو کیس کا پانسا پلٹ سکتا تھا!

☆☆☆

منظر اسی عدالت کا تھا!

ملزم ایکیوزڈ باکس میں سر جھکائے خاموش کھڑا تھا۔ کسی بھی کیس، خصوصاً قتل کے کیس میں سب سے زیادہ مظلوم، بے کس اور لاچار کردار ملزم کا ہوتا ہے۔ اسے نہایت ہی خاموشی کے ساتھ سب کی ترش و تلخ، کھری و کھوٹی اور ناگوار سننا پڑتی ہے۔ سو میرا موکل لیاقت بھی گزشتہ چند ماہ سے اس ''یادگار'' تجربے سے گزر رہا تھا۔

دوسرے باکس (کٹہرے) میں استغاثہ کا آخری گواہ ایوب درانی موجود تھا۔ ایوب درانی گٹھے ہوئے بدن کا مالک ایک سانڈ نما انسان تھا اس کے چہرے اور آنکھوں میں بڑی سنگینی اور سفاکی جھلکتی تھی۔ وہ وٹنس باکس کی چوبی ریلنگ کو تھامے بڑے اعتماد سے کھڑا تھا۔ جج کرسی انصاف پر براجمان ہو چکا تو ایوب درانی کا حلفیہ بیان ریکارڈ کیا گیا۔ میں اس کے بیان کا خلاصہ آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔

ایوب درانی نے معزز عدالت کے روبرو بتایا کہ مقتول ملزم پر بہت غصہ تھا۔ ملزم اپنی بیوی کے حوالے سے اس پر بے جا شک میں مبتلا ہو گیا تھا حالانکہ اس الزام میں ذرّہ بھر حقیقت بھی نہیں تھی۔ مقتول کبھی اس گندی گلی میں گیا اور نہ ہی اس نے ملزم کی بیوی بلی سے چھیڑ چھاڑ کی۔ ہاتھا پائی والے واقعے کے بعد تو مقتول کو اپنی بے عزتی کا شدت سے احساس ہوا۔ شاید اس واقعے کو بھی وہ برداشت کر جاتا لیکن ملزم نے اب یہاں وہاں اس بات کا چرچا شروع کر دیا تھا کہ مقتول ایک بدکردار اور لفنگا شخص ہے جو اس کی بیوی کو میلی نظر سے دیکھتا ہے۔ جب ملزم کی ''زبان درازی'' مسلسل جاری رہی تو ایک دن مقتول نے اس سے کہا۔ ''آؤ یار! ذرا اس عورت سے تو پوچھیں وہ خواہ مخواہ مجھ پر اس قسم کی الزام تراشی کیوں کر رہی ہے؟ آخر اس کو مجھ سے دشمنی کیا ہے۔ میں نے اس کا کیا بگاڑا ہے؟ گواہ کو اس روز ضروری کام سے کہیں اور جانا تھا، اس نے معذوری ظاہر کی تو مقتول نے کہا، ٹھیک ہے وہ اسے گندی گلی تک چھوڑتا ہوا نکل جائے۔ چنانچہ گواہ ایوب درانی نے اسے اپنی موٹر سائیکل پر بٹھا کر اس کے مطلوبہ مقام تک پہنچایا اور وہاں سے رخصت ہو گیا۔ اس کے بعد گندی گلی میں جو واقعہ پیش آیا اس کے بارے میں گواہ کچھ نہیں جانتا تھا۔ اسے اس سانحے کے بارے میں بعد میں پتہ چلا تھا۔

گواہ ایوب درانی کے بیان سے موٹر سائیکل سوار کا مسئلہ حل ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی یہ بات بھی سامنے آئی کہ وقوعہ کی رات مقتول مذکورہ گندی گلی میں پہنچا تھا اور اس سے مجھے تھوڑا سا نقصان پہنچا۔ وہ ان معنوں میں کہ اول سے آخر تک استغاثہ کا زور اس بات پر تھا کہ مقتول نے کبھی اس گندی گلی میں قدم ہی نہیں رکھا تھا۔ میں استغاثہ کی دیوار میں اس سوال سے دراڑ ڈال سکتا تھا کہ اگر مقتول کبھی اس گلی میں نہیں گیا تو پھر کیا اس کی لاش کہیں سے چل کر وہاں پہنچی تھی؟

بہرحال، عدالت کا کمرا کسی ڈرامے کے اسٹیج کی مانند ہوتا ہے۔ یہاں کسی وقت کچھ بھی پیش آ سکتا ہے اس لئے کسی بھی غیر متوقع سچویشن کے لئے ذہنی طور پر تیار رہنا چاہئے...... اور میں پوری طرح تیار تھا۔

گواہ کا بیان ریکارڈ ہو چکا تو وکیل استغاثہ نے چند رسمی سوالات کے بعد اسے فارغ کر دیا۔ اپنی باری پر میں جرح کے لئے اس کے کٹہرے کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا۔ میں چند لمحے اس کے چہرے کے تاثرات کا جائزہ لیتا رہا پھر سوال کیا۔

''کیا یہ سچ ہے کہ مقتول کے ساتھ آپ کا بڑا گہرا یارانہ تھا؟''

''ہم اچھے دوست تھے۔'' وہ معتدل لہجے میں بولا۔

''اس دوستی میں ایک قدر مشترک بھی تھی!''

''میں سمجھا نہیں آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟'' وہ الجھن بھرے لہجے میں بولا۔

میں نے پچھلے ہفتے بھر میں گواہ کے بارے میں اچھی خاصی معلومات جمع کر لی تھیں۔ اس کی الجھن کو دور کرتے ہوئے میں نے کہا۔ ''آپ دونوں کسی طاقتور شخص کے اشاروں پر ناچتے تھے؟''

میرا اشارہ واضح طور پر امان اللہ کی طرف تھا۔ مجھے پتہ چلا تھا، مقتول اور گواہ اس کے خاص بندوں میں شمار ہوتے تھے۔ میرے اس سوال پر وہ بھڑک اٹھا۔

''آپ بالکل غلط کہہ رہے ہیں۔ ایسی کوئی بات نہیں۔'' تاہم اس کی آنکھیں زبان کا ساتھ نہیں دے رہی تھیں۔ ''پتہ نہیں آپ کس شخص کا ذکر کر رہے ہیں!''

اس موقع پر وکیل استغاثہ اس کی مدد کو لپکا۔ ''آبجیکشن یور آنر! میرے فاضل دوست اپنے لایعنی سوال سے گواہ کو ہراساں کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ وہ اشاروں پر ناچنے والی بات تو اس طرح کہہ رہے ہیں جیسے یہ دونوں کٹھ پتلیاں ہوں!''

جج نے مجھ سے مخاطب ہوتے ہوئے پوچھا۔ ''بیگ صاحب! آپ کس طاقتور شخص کا ذکر کر رہے ہیں؟''

''جناب عالی! بوجوہ، میں اس شخص کو سردست ظاہر نہیں کرنا چاہتا۔'' میں نے نہایت ہی احترام بھرے لہجے میں کہا۔ ''مجھے امید ہے آگے چل کر خود ہی اس کی شخصیت سے پردہ اٹھ جائے گا۔''

''اوکے!'' جج میری مصلحت کو سمجھتے ہوئے بولا۔ ''پلیز پروسیڈ۔''

میں گواہ کی جانب متوجہ ہو گیا۔ ''ایوب درانی صاحب! ٹھیک ہے، میں آپ کی بات کا یقین کر لیتا ہوں کہ آپ کسی کے اشاروں پر نہیں بلکہ اپنے منشا سے حرکت کرتے ہیں۔ اب ذرا یہ بھی بتا دیں، آپ کا ذریعہ معاش کیا ہے؟''

''میں ذاتی کاروبار کرتا ہوں۔'' وہ مبہم انداز میں بولا۔

''کاروبار کی نوعیت کیا ہے؟''

''میں موٹر سائیکلوں کی خرید و فروخت کا کام کرتا ہوں۔''

''اور آپ کا مقتول دوست کیا کرتا تھا؟''

''وہ ٹِک کر کوئی کام نہیں کرتا تھا۔'' وہ جان چھڑانے والے انداز میں بولا۔ ''کبھی کچھ تو

کبھی کچھ۔‘‘
’’ٹھیک ہے۔‘‘ میں نے سرسری انداز میں کہا پھر زاویۂ سوالات تبدیل کرتے ہوئے اس سے پوچھا۔’’درانی صاحب! آپ نے تھوڑی دیر پہلے معزز عدالت کو بتایا ہے کہ وقوعہ کی رات آپ مقتول کو گندی گلی میں ڈراپ کر کے وہاں سے رخصت ہو گئے تھے؟‘‘
’’ہاں، میں نے یہی بیان دیا ہے۔‘‘
’’ذرا سوچ کر بتائیں۔‘‘ میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔’’جب آپ نے مقتول کو جائے وقوعہ پر ڈراپ کیا تو اس وقت گندی گلی میں تاریکی تھی یا اجالا؟‘‘
’’آں...... ظاہر ہے...... وہاں تاریکی ہی تھی...... گندی گلی میں اُجالا کیسے ہو سکتا ہے؟‘‘
’’ظاہر ہے نہیں، آپ حتمی بات کریں۔‘‘ میں نے اپنے لہجے میں سختی بھرتے ہوئے کہا۔
’’مجھے ہاں یا نہ میں جواب چاہئے۔ آپ بنفس نفیس وہاں گئے تھے اس لئے یقینی طور پر بتا سکتے ہیں کہ گندی گلی میں تاریکی تھی یا اجالا؟‘‘
’’وہاں تاریکی تھی۔‘‘ وہ تھوک نگلتے ہوئے بولا۔
میں نے پوچھا۔’’آپ لوگ کتنے بجے جائے وقوعہ پر پہنچے تھے؟‘‘
’’میرا خیال ہے اس وقت دس یا سوا دس بجے ہوں گے۔‘‘
ملزم کی بیوی بلّی نے مجھے وقوعہ کی رات والی جو کہانی سنائی تھی اس کے مطابق مقتول مظفر ساڑھے دس بجے تک تو زندہ تھا۔ بلّی نے پہلے کچن میں کام کرنے کے دوران میں اور ازاں بعد بیڈ پر لیٹنے کے بعد مقتول کی مخصوص سیٹی کی آواز سنی تھی۔ مظفر کے ساتھ جو بھی واقعہ پیش آیا وہ ساڑھے دس بجے یا چند منٹ بعد کا تھا۔ گواہ نے میرے سوال کا جو جواب دیا وہ بھی اس امر کی تصدیق کرتا تھا۔ میں نے جرح کے سلسلے میں تیزی لاتے ہوئے پوچھا۔
’’ایوب درانی صاحب! آپ نے تھوڑی دیر پہلے اپنے بیان میں معزز عدالت کو بتایا ہے کہ مقتول وقوعہ کی رات سے پہلے کبھی اس گندی گلی کی طرف گیا تھا اور نہ ہی کسی موقع پر اس نے بلّی سے کوئی بدتمیزی کی تھی۔ وقوعہ کی رات بھی وہ آپ کے ساتھ بلّی سے محض یہ استفسار کرنے گیا تھا کہ وہ اس پر خواہ مخواہ کی الزام تراشی کیوں کر رہی ہے، آخر اسے مقتول سے کیا دشمنی ہے۔ کیا میں ٹھیک کہہ رہا ہوں؟‘‘
’’جی ہاں...... میں نے یہی بیان دیا ہے۔‘‘ وہ تامل کرتے ہوئے بولا۔
میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔’’مسٹر درانی! ان دنوں ملزم رات دس بجے گھر پہنچ جایا کرتا تھا۔ اگر مقتول نے بلّی سے کچھ پوچھ گچھ کرنا ہی تھی تو وہ ’’اچھی گلی‘‘ میں جا کر ان کا

دروازہ کھٹکھٹا سکتا تھا۔ شوہر کی موجودگی میں زیادہ سہولت اور آسانی سے بات ہو جاتی۔ اس طرح اگر بالفرض کوئی غلط فہمی موجود تھی تو وہ بھی نکل جاتی۔‘‘ میں لمحے بھر کو سانس لینے کی خاطر رکا پھر سلسلۂ استفسارات کو جاری رکھتے ہوئے کہا۔
’’بجائے ’’اچھی گلی‘‘ کے آپ لوگوں نے ’’گندی گلی‘‘ کا انتخاب کیوں کیا؟ یہ تو چوروں والی سی بات ہو گئی۔ بیک ڈور کا استعمال عموماً مجرمانہ ذہن رکھنے والے افراد کرتے ہیں۔‘‘
وہ جھنجھلاہٹ بھرے لہجے میں بولا۔’’یہ تو آپ مقتول سے پوچھیں کہ وہ گندی گلی میں کیوں گیا تھا۔ میں تو اسے وہاں پہنچانے کے بعد سیدھا اپنے گھر کو چلا گیا تھا۔‘‘
میں نے درشتی سے کہا۔’’مقتول مظفر اگر میرے کسی سوال کا جواب دینے کے قابل ہوتا تو میں آپ کو ذرا سی زحمت بھی نہ دیتا۔ بہرحال......‘‘ میں نے ذومعنی انداز میں جملہ ادھورا چھوڑ دیا اور ایک لمحے کے توقف کے بعد اضافہ کرتے ہوئے کہا۔
’’آپ نے بتایا ہے، مقتول اس رات آپ کو اپنے ساتھ رکھنا چاہتا تھا۔ لیکن آپ کسی ضروری کام کے سبب وہاں نہیں رکے اور مقتول کو گندی گلی میں ڈراپ کر کے بڑی تیزی سے اپنے گھر کی طرف چلے گئے۔ کیا آپ معزز عدالت کو بتانا پسند کریں گے کہ اس رات آپ کو گھر پر کون سا ضروری کام تھا؟‘‘
میرے اس چبھتے ہوئے سوال نے گواہ کو بوکھلا دیا۔ وہ گڑبڑا کر بولا۔’’وہ...... دراصل ...... اس رات مجھے ایک شادی میں جانا تھا...... وقت کافی ہو گیا تھا۔ مجھے نہا دھو کر تیاری کرنا تھی اس لئے......‘‘
اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی میں بول اٹھا۔’’آپ کو گھر جانے کی جلدی ضرور تھی لیکن گھر پہنچنے سے پہلے آپ نے ایک پی سی او سے پولیس کو فون کرنے کے لئے وقت نکال لیا شیخ احمد صاحب؟‘‘
’’شیخ احمد......‘‘ وہ سٹپٹا گیا۔’’آپ کس کا ذکر کر رہے ہیں؟ میں تو ایوب درانی ہوں ...... یہ شیخ احمد کون ہے......؟‘‘
وہ اس وقت بہت گھبرایا ہوا تھا۔ اس کی گھبراہٹ ثابت کرتی تھی وہ اس کیس میں بری طرح ملوث ہے۔ میں نے ’’آپ‘‘ سے ’’تم‘‘ پر آتے ہوئے اپنی جرح کو خاصا تیز کر دیا۔
’’شیخ احمد تمہارا عارضی فرضی نام ہے۔‘‘ میں نے اس کے چہرے پر نظر جماتے ہوئے کہا۔’’لیکن جس طرح جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے بالکل اسی طرح جھوٹے کی یادداشت بھی نہیں ہوتی۔‘‘ ایک لمحے کے لئے ڈرامائی انداز میں توقف کر کے جرح کے سلسلے کو جاری

رکھا۔

”تم نے فرضی نام سے پی سی او سے پولیس کو مظفر کے قتل کے بارے میں اطلاع دی تھی۔“ میں نے ٹھوس انداز میں کہا۔”اب تم اس نام کو فراموش کر بیٹھے ہو لیکن پولیس کے ریکارڈ میں اطلاع کنندہ کا نام محفوظ ہے۔ کیا واقعی تمہاری یادداشت گئی گزری ہے یا میری جرح نے تمہیں بوکھلا کر رکھ دیا ہے؟“

”جرح سے بوکھلاتا ہے میرا جوتا۔“ وہ پاؤں پٹختے ہوئے جارحانہ انداز میں بولا۔”آپ کو پتہ نہیں میں کتنا مضبوط ہوں۔“

میرا اندھیرے میں چلایا ہوا تیر نشانے پر بیٹھا تھا۔ اس کی برہمی بتاتی تھی، پولیس کو اس وقوعہ کی اطلاع دینے والا اس کے سوا کوئی دوسرا نہیں تھا۔ میں نے اسے سنبھلنے کا موقع نہ دیا اور سخت لہجے میں کہا۔

”میں بخوبی جانتا ہوں تم کتنے مضبوط اور پشت والے ہو۔ تمہارا پشت پناہ بھی مجھ سے چھپا ہوا نہیں۔ لیکن میں معزز عدالت میں تمہاری مضبوطی کا پول کھول کر رکھ دوں گا۔“

”پتہ نہیں آپ کیا الٹی سیدھی ہانک رہے ہیں۔“ ضبط کا دامن اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔”آپ مجھ پر ایک بے بنیاد الزام لگا رہے ہیں۔“

”ابھی پتہ چل جائے گا تمہیں۔“ میں نے ترکی بہ ترکی کہا۔”اور اس الزام کی بنیاد بھی میں کھود کر معزز عدالت کی نظر میں لے آؤں گا۔ فی الحال تم اتنا بتاؤ......؟“ میں نے سانس لینے کے لئے تھوڑا توقف کیا پھر اپنی بات کو پورا کرتے ہوئے کہا۔

”وقوعہ کی رات جب مقتول نے تمہیں اپنے ساتھ اس گندی گلی کی طرف چلنے کو کہا تو تم کہاں سے آ رہے تھے؟ اگر کہیں سے آ نہیں رہے تھے تو کیا کافی دیر سے مقتول کے پاس موجود تھے؟ اگر اس کے پاس موجود تھے تو کب سے...... اور اس دوران میں تم دونوں کیا کر رہے تھے؟“

میرے متعدد سوالات نے اسے بری طرح نروس کر دیا۔ اس نے ہتھیلی کی پشت سے اپنی پشت پیشانی پر نمودار ہونے والے پسینے کو پونچھا اور منتشر لہجے میں بولا۔

”مم...... میں پہلے سے مظفر کے پاس موجود نہیں تھا...... اور اس وقت...... میں لانڈری سے آ رہا تھا...... آپ...... آپ......“

میں سمجھ گیا، شدید ترین بوکھلاہٹ میں وہ سچ جھوٹ کی آمیزش سے کوئی معقول، نا معقول جواب گھڑنے کی کوشش کر رہا تھا۔

میں نے سخت لہجے میں دریافت کیا۔”تم لانڈری کیا لینے گئے تھے؟“

”میں نے دھلائی کے لئے وہاں اپنا سوٹ دے رکھا تھا۔“ وہ جزبز ہوتے ہوئے متذبذب لہجے میں بولا۔”میں وہاں سے وہ سوٹ اٹھانے گیا تھا۔ رات شادی میں مجھے وہی سوٹ پہننا تھا۔“

”اس کا مطلب ہے جب تم مقتول کے پاس پہنچے تو وہ دھلا ہوا سوٹ بھی تمہارے ساتھ ہی تھا؟“

”جی ہاں...... میں نے اسے موٹر سائیکل کے کیریئر میں لگا رکھا تھا۔“

”اور چھینی ہتھوڑے کو کہاں چھپا رکھا تھا؟“ میں نے سنسناتے ہوئے لہجے میں دریافت کیا۔

”آپ کو کس نے بتایا ہے کہ میرے پاس چھینی بھی تھی؟“ وہ بری طرح چونک اٹھا۔

”کیا نہیں تھی؟“ میں نے سنگین نظر سے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

”پتہ نہیں آپ کیا کہہ رہے ہیں۔“ وہ کمزور سی آواز میں بولا۔

”تمہیں پتہ ہو نہ ہو مگر معزز عدالت جان گئی ہے کہ تم چھینی کے وجود سے انکاری ہو...... اور ہتھوڑے کے سلسلے میں تم نے کسی قسم کی تردید ضروری نہیں سمجھی جس کا مطلب ہے اس رات تمہارے پاس ایک ہتھوڑا بھی تھا۔“

میں نے ایک سیکنڈ کا وقفہ دیا پھر جارحانہ لہجے میں دریافت کیا۔”بتاؤ، وقوعہ کی رات ایک وزنی ہتھوڑا تمہارے پاس کیا کر رہا تھا؟ تم لوگ ملزم کی بیوی سے باز پرس کرنے گئے تھے یا اس کا گھر گرانے؟ اس قسم کے ہتھوڑے تو مزدور لوگ عمارات کو منہدم کرنے کے سلسلے میں استعمال کرتے ہیں...... یا پھر تم وہ خطرناک ہتھوڑا شادی میں کسی کو گفٹ کرنے کے لئے ساتھ لئے گھوم رہے تھے؟“

میں نے اس کے کمزور پہلو پر لگاتار کئی وار کئے تو اس کی مضبوطی ڈھیر ہو گئی۔ اس جرح میں میری معلومات اور انسانی نفسیات دونوں کا دخل تھا۔ لہٰذا اس کی ہمت زیادہ دیر تک میرے مدِ مقابل نہیں ٹھہر سکتی تھی۔

وہ کپکپاتی ہوئی آواز میں بولا۔”مم...... میں...... کچھ نہیں جانتا...... آپ بار بار کس ہتھوڑے کا پوچھ رہے ہیں؟“

”اس ہتھوڑے کا۔“ میں نے سیلوفین بیگ میں محفوظ آلہ قتل کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ پھر میز پر سے وہ بیگ اٹھا کر دوبارہ گواہ ایوب درانی کے پاس آ گیا اور کھا جانے

والی نظر سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔ ”کچھ یاد آیا؟ یہ ہتھوڑا تمہاری یادداشت میں محفوظ ہو گا؟ کیا اپنے ہتھیار کو بھی نہیں پہچانو گے؟“

وہ پھٹ پڑا۔ ”میں نے مظفر کو قتل نہیں کیا...... میں نے کسی کو بھی قتل نہیں کیا۔ اس قاتل ہتھوڑ سے میرا کوئی تعلق نہیں ......اور مم...... مجھے گواہی دینے کا بھی شوق نہیں۔“ اس کی آواز لرز رہی تھی اور پورے جسم میں ایک ارتعاش سا نظر آ رہا تھا۔ ”مم...... میں جا رہا ہوں ...... مجھے کوئی نہ روکے ......کوئی مجھے جانے سے نہیں روک سکتا۔“

ان الفاظ کے ساتھ ہی وہ ڈگمگاتے ہوئے قدموں سے کٹہرے سے باہر نکلا۔ میں نے اپنا ”کام“ بڑے تشفی آمیز انداز میں مکمل کر لیا تھا اس لئے مطمئن طور سے ایک طرف ہٹ گیا۔ میرا انداز ایسا ہی تھا جیسے خوشی خوشی اسے وہاں سے جانے کی اجازت دے رہا ہوں۔

گواہ کے رویے نے عدالت میں موجود ہر شخص کو چونکا دیا۔ اس نے میری جرح کے جواب میں جو لوز شاٹس کھیلے وہ اسے واپس پویلین میں پہنچانے کے لئے کافی تھے۔ لہٰذا میں خاموش تماشائی بنا کھڑا رہا مگر منصف ہرگز خاموش نہیں رہ سکتا تھا۔

جیسے ہی استغاثہ کے گواہ ایوب درانی نے کٹہرا چھوڑا، جج کی تحکمانہ آواز عدالت کے کمرے میں گونجی۔ ”پکڑو اسے ...... یہ کہاں جا رہا ہے؟“

ظاہر ہے جج نے یہ احکام متعلقہ عدالت کے عملے کے لئے صادر کئے تھے۔ اگلے ہی لمحے دو افراد آگے بڑھے اور انہوں نے ایوب درانی کو بازوؤں سے تھام لیا۔ اس دوران میں اس کیس کا تفتیشی افسر توفیق احمد بھی ان کے قریب پہنچ گیا۔

ایوب درانی اپنے فرار کی راہ میں حائل ایک مضبوط رکاوٹ کو دیکھ کر بپھر گیا۔ وہ ہمت تو پہلے ہی چھوڑ بیٹھا تھا۔ اب ہوش و حواس کھو بیٹھا۔ ہاتھ پاؤں پھینکنے کے ساتھ ہی وہ متعلقہ عدالتی عملے کو بھی بے نقط سنانے لگا۔ اس کی بدگوئی نے اسے ایک بہت بڑی مصیبت میں گرفتار کر دیا۔ جج کی موجودگی میں ایسی بداخلاقی کا مظاہرہ سراسر توہین عدالت کے زمرے میں آتا تھا۔ جج ناگوار انداز میں اسے گھورنے لگا۔

میں نے معنی خیز نظر سے جج کو دیکھا اور کہا۔ ”جنابِ عالی! استغاثہ کے گواہ کا طرزِ عمل اس کے مجرم ہونے کو ظاہر کرتا ہے۔ اب یہ پولیس کا فرض بنتا ہے کہ اس کے جرم کو عدالت کے سامنے لائے۔ میں معزز عدالت سے پُرزور استدعا کرتا ہوں کہ گواہ ایوب درانی کو شامل تفتیش کر کے پولیس کو نیا چالان پیش کرنے کا حکم دیا جائے۔“

میں ایک لمحے کو متوقف ہوا پھر اپنے موکل کی بے گناہی کے سلسلے میں دلائل دینے لگا۔

”جنابِ عالی! میرے موکل کی گرفتاری سراسر کسی سازش اور بدنیتی پر مبنی ہے۔ استغاثہ کے گواہان نوید الحسن، وقار بزمی اور ایوب درانی نے تصدیق کی ہے کہ گندی گلی میں رات کے وقت اچھی خاصی تاریکی ہوتی ہے جبکہ انکوائری آفیسر کا دعویٰ ہے کہ اس نے محض دس منٹ گندی گلی میں گزارے تھے۔ معزز عدالت کے سامنے اس نے اقرار کیا ہے کہ وہ جائے وقوعہ پر پہنچا، اس نے لاش کا جائزہ لیا اور چہرے پر نگاہ جاتے ہی اس نے پہچان لیا کہ قتل ہونے والا شخص مظفر ہے۔ مانا کہ وہ مقتول کا صورت آشنا ہے لیکن تاریک گندی گلی میں تفتیشی افسر نے ”پہچان“ کا جو اعلیٰ نمونہ پیش کرنے کی کوشش کی ہے وہ ہضم ہونے والی بات نہیں۔“ میں سانس لینے کو رکا پھر سلسلۂ دلائل کو آگے بڑھاتے ہوئے مزید کہا۔

”جنابِ عالی! اس سے بھی زیادہ ناقابل یقین اور حیرت انگیز بات یہ ہے کہ پولیس وقوعہ کی رات سوا گیارہ بجے جائے واردات پر پہنچتی ہے اور ٹھیک ساڑھے گیارہ بجے ملزم لیاقت کو گرفتار کر لیا جاتا ہے۔ ان درمیانی پندرہ منٹ میں سے آئی او صاحب دس منٹ گندی گلی میں گزارتے ہیں جہاں وہ تاریکی کے باوجود بھی نہ صرف مقتول کی صورت دیکھ کر پہچان لیتے ہیں بلکہ آلۂ قتل کو بھی تلاش کرنے میں کامیابی حاصل کر لیتے ہیں ...... اور باقی کے پانچ منٹ میں وہ پندرہ منٹ وقفے کے ”کارنامے انجام“ دے ڈالتے ہیں۔ پولیس نے استغاثہ کی صورت اور ازاں بعد میری جرح کے جواب میں حقائق کی جو شکل معزز عدالت کے سامنے پیش کرنے کی کوشش کی ہے وہ منطقی، عقلی اور عملی معیار پر پوری نہیں اترتی اور عدالت میں مفروضی کارکردگی کی کوئی گنجائش نہیں۔“

میں نے ذرا دیر کو رک کر حاضرین عدالت کو دیکھا اور روئے سخن جج کی جانب موڑتے ہوئے کہا۔

”جنابِ عالی! حالات و واقعات سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے پولیس کی تمام تر کارروائی کسی نادیدہ ہدایات کے زیر اثر عمل میں آئی ہے اور سب سے بڑھ کر استغاثہ کے گواہ ایوب درانی کا حالیہ رویہ بہت کچھ سوچنے سمجھنے پر مجبور کر رہا ہے۔ اگر پولیس تھوڑی سی محنت اس پر کر لے تو مجھے یقین ہے میرے موکل کی بے گناہی کا ثبوت مل جائے گا۔ مجھے اور کچھ نہیں کہنا جنابِ عالی!“

جج ابتدا سے اب تک عدالتی کارروائی کو بڑی توجہ سے دیکھتا اور سنتا آیا تھا۔ میں نے جو نکات اٹھائے انہیں نظرانداز نہیں کیا جا سکتا تھا لہٰذا میرے حسب منشاء عدالت نے پولیس کو احکام صادر کر دیئے۔ ایوب درانی کے ناشائستہ رویے نے اس کی ذات کو شکوک و شبہات کی

دبیز چادر کے پیچھے چھپا دیا تھا۔ میں نے اپنے طور پر اس کیس کو جیت لیا تھا۔

☆☆☆

آئندہ پیشی پر عدالت نے میرے موکل کو باعزت بری کر دیا اور اس بریت کا سبب ایوب درانی کا اقبالِ جرم تھا۔ گزشتہ پیشی پر اس نے بھری عدالت میں جو رویہ اپنایا اس سے وہ پولیس کے لئے ایک بہت بڑا مسئلہ بن کر ابھرا تھا۔ اگر اب بھی پولیس اس پر ''تسلی بخش'' کام نہ کرتی تو اسے لینے کے دینے پڑ جاتے۔

ایوب درانی نے اقبالِ جرم کرتے ہوئے بتایا کہ اس نے یہ حرکت امان اللہ کے کہنے بلکہ حکم پر کی تھی۔ مظفر کچھ عرصے سے اس کی نظر میں معتوب ہو چکا تھا۔ وہ اس سے جان چھڑانے کے بارے میں سوچ ہی رہا تھا کہ بیچ میں ''بیلی مظفر'' والا معاملہ نمودار ہوا۔ لیاقت کی دھمکی آمیز گفتگو بھی امان اللہ کے علم میں آ گئی تو اس نے اس موقع سے فائدہ اٹھانے کی ٹھانی۔ امان اللہ جانتا تھا، مظفر لیاقت کی بیوی کو تنگ کرتا رہا ہے۔ اب کے اس نے مظفر کی پیٹھ ٹھونک دی۔ وہ زیادہ جوش و جذبے سے ایک مرتبہ پھر گندی گلی میں پہنچ گیا۔ لیکن اس بار ایوب درانی بھی اس کے ہمراہ تھا۔ یہ ہمراہی امان اللہ کے حکم کا نتیجہ تھی۔ مظفر کے حوالے سے ایوب درانی نے جھوٹ بلا تھا۔ اس کے بعد وقوعہ کی رات اس گندی گلی میں جو کچھ پیش آیا اسے سمجھنے کے لئے کسی خاص فہم کی ضرورت نہیں۔ معاملہ روزِ روشن کے مانند عیاں تھا۔

امان اللہ نے وعدہ پورا نہیں کیا۔ اس نے عدالت کے برآمدے میں مجھ سے کہا تھا...... اگر اسے کسی قابل وکیل کی ضرورت پڑی تو وہ مجھ سے رابطہ کرے گا۔ ایوب درانی کے اقبالِ جرم کے بعد امان اللہ کو واقعی کسی ماہر وکیل کی ضرورت تو تھی لیکن وہ مجھ سے رابطہ کرنے کی غلطی نہیں کر سکتا تھا۔

یہ غلطی اس جیسے چست مدعی کو بہت مہنگی پڑ جاتی۔ وہ اپنی چستی کے باعث پہلے ہی بہت نقصان اٹھائے بیٹھا تھا۔

(ختم شد)